مُنتخب

مباحثِ علمِ حدیث

تالیف

محدث العصر حضرت مولانا سید محمد یوسف بنوری رحمہ اللہ

ترجمہ

مولانا محمد ادریس میرٹھی رحمہ اللہ — مولانا محمد یوسف لدھیانوی شہید رحمہ اللہ

جمع و ترتیب

مولانا محمد انور بدخشانی

مکتبہ بینات

جامعۃ العلوم الاسلامیۃ

علامہ بنوری ٹاؤن کراچی

مُنتخب

عَوارفُ المِنن مُقدّمہ معارفُ السُّنن

تالیف

محدث العصر حضرت مولانا سید محمد یوسف بنوری رحمۃ اللہ علیہ

ترجمہ

مولانا محمد ادریس میرٹھی رحمۃ اللہ علیہ

مولانا محمد یوسف لدھیانوی شہید رحمۃ اللہ علیہ

جمع وترتیب

مولانا محمد انور بدخشانی

جامعۃ العلوم الاسلامیۃ

علامہ بنوری ٹاؤن کراچی

مُنتخب

مَباحثِ علمِ حدیث

عوارفُ المِنَن مُقدّمہ معارفُ السُّنَن

إن الله وملائكته يصلون على النبي
يا أيها الذين آمنوا صلوا عليه وسلموا تسليما

اللهم صل على سيدنا محمد وسلم

فہرست مضامین

مقدمہ

محدث العصر اور معارف السنن

باب اوّل

منصب رسالت اورسنت کاتشریعی مقام

باب دوم

منصب رسالت اورتعلیم وتربیت امّت

باب سوم

منصب رسالت اور اطاعتِ رسول

باب چھارم

اسلام میں احادیثِ نبویہ کے انکار کے ابتدائی اسباب

باب پنجم

مخالفتِ رسول اور قرآن

باب ششم

حدیثِ نبوی اورقرآن کریم

باب ھفتم

حفظِ حدیث کے ایمانی ،نفسیاتی اور فطری اسباب

باب هشتم

کتابت حدیث کی ممانعت اور اجازت کے اسباب

باب نهم

دورِ رسالت اور عهدِ صحابه کے چندحدیثی مجموعے

باب دھم

دورِ تابعین میں کتابتِ حدیث اور حدیثی مجموعے

باب یازدھم

تدوینِ حدیث اور اس کے ارتقائی مراحل

باب دوازدهم

صحاحِ ستہ اور ان کی خصوصیات

باب سیزدھم

حالاتِ مؤلفین صحاحِ ستہ

باب چہاردہم

امام ترمذی اور جامع ترمذی کی خصوصیات

پیش لفظ

الحمد لله رب العالمين ، والصلوة والسلام على خاتم الأنبياء والمرسلين ، وعلى آله وصحبه اجمعين ، أما بعد :

سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد ہے:

"تركت فيكم أمرين لن تضلوا ماتمسكتم بهما كتاب الله وسنة رسوله". [مؤطاامام مالك، باب النهى عن القول فى القدر. ۲/۲ ۷۰]

ترجمہ: میں نے تم میں دو چیزیں چھوڑی ہیں جب تک ان کو مضبوطی سے پکڑے رہو گے کبھی گمراہ نہ ہو گے، ایک کتاب اللہ اور دوسری اس کے رسول کی سنت۔

اس حدیث سے کتاب اللہ اور سنت رسول کا باہمی ربط اور تلازم صاف ظاہر ہے، انہیں ایک دوسرے سے جدا نہیں کیا جا سکتا، اس کی ظاہری وجہ یہی ہے کہ سنت کے بغیر قرآن فہمی ناممکن ہے، اس لیے علماء امت فرماتے ہیں کہ اگر کوئی شخص یہ کہے کہ قرآن میں جو مجھے ملے اسی پر اکتفا کروں گا، کسی اور چیز کو قبول نہیں کروں گا تو ایسے شخص کے بارے میں حافظ ابن حزم اندلسیؒ لکھتے ہیں:

"لو أن امرأ قال لانأخذ الا ما وجدنا فى القرآن لكان كافراً باجماع الأمة" [الاحكام فى اصول الأحكام لابن حزم ، فصل فى قوم لا يتقون الله فيما ينسب الى النبى ﷺ ج:۲ ص۲۰۸]

ترجمہ: اگر کسی شخص نے کہا کہ ہم صرف وہی چیز لیں گے جسے ہم قرآن میں پالیں تو وہ شخص بالاجماع کافر ٹھہرے گا۔

نبی کریم ﷺ کے جلیل القدر صحابی حضرت عمران بن حصین رضی اللہ عنہ کے ہاں علمی مذاکرہ ہو رہا تھا اس دوران ایک شخص نے کہا: "لاتحدثوا الا بما فی القرآن" (صرف قرآن کی بات کیجئے اس کے سوا کوئی اور بات نہ کیجئے) حضرت عمران بن حصین رضی اللہ عنہ نے اسے کہا کہ تو احمق ہے۔ کیا قرآن میں ہے کہ ظہر اور عصر کی چار رکعتیں ہیں؟ اور ان میں قراءت جہری نہیں، مغرب کی تین رکعتیں ہیں پہلی دو میں قرائت جہری ہے اور تیسری میں سری؟ عشاء کی چار رکعتیں ہیں دو میں قراءت جہری ہے اور دو میں آہستہ، کیا یہ قرآن میں ہے؟

[المصنف لعبدالرزاق، ج:۱۱، ص:۲۵۵]

اس سے معلوم ہوا کہ شریعت نبی اکرم ﷺ کے عمل بالقرآن کا نام ہے اور آپ کے اسی عمل کا دوسرا نام سنت اور حدیث ہے، چنانچہ صحابہ کرامؓ کے سامنے قرآن کریم پر عمل کے لیے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات اقدس مشعل راہ تھی، اور وہ نبی کریم ﷺ کے قول، عمل اور فعل کو دیکھ کر راہ عمل متعین کر دیتے تھے، یہ دریافت نہ فرماتے کہ اس باب میں اللہ کا کیا حکم ہے۔ بلکہ ان کا پختہ یقین تھا کہ نبی کریم ﷺ کا قول وعمل بھی قرآن ہی کی تفصیل ہے کیونکہ باری تعالیٰ آپ کے بارے میں یہ ارشاد فرما چکے ہیں:

﴿وماینطق عن الھویٰ ان ھو الا وحی یوحیٰ﴾ [النجم:۳،٤]

مگر مرور زمانہ کے ساتھ ساتھ امت میں جہاں اور کئی فتن نے جنم لیا وہاں فتنہ انکار حدیث بھی تھا چنانچہ نبی اکرم ﷺ نے اس فتنہ کی پیشین گوئی بھی اپنی حیات مبارکہ میں دے دی تھی، مشکوۃ شریف کی روایت میں ہے:

"ألا انی اوتیت القرآن ومثله معه، الایوشك رجل شبعان علی أریکته یقول: علیکم بهذا القرآن فماوجدتم فیه من حلال فاحلوه وماوجدتم فیه من حرام فحرموه الخ".

[مشکوۃ المصابیح، باب الاعتصام بالکتاب والسنة، الفصل الثانی. ص:۲۹]

ترجمہ: آگاہ رہو! مجھے قرآن دیا گیا ہے اور اس کے ساتھ اس کا مثل، خبردار! قریب ہے کہ ایک پیٹ بھرا آدمی تکیہ لگائے یہ درس دے کہ تمہیں یہ قرآن کافی ہے تم اس میں جو حلال پاؤ اسے حلال سمجھو اور جس چیز کو حرام پاؤ اسے ہی حرام سمجھو۔

اس حدیث مبارکہ میں آپ ﷺ نے اس فتنے کی خبر دی ہے اور ہر دور میں انکار حدیث کا فتنہ کسی مثبت عنوان کا سہارا لے کر آگے بڑھا۔ مگر اللہ تعالیٰ نے اپنے پیغمبر کے افعال واقوال کو محفوظ رکھا اور علمائے امت نے اس کے لیے گراں قدر خدمات انجام دیں، اور اصول حدیث کے مختلف فنون مدون فرمائے جن کی تعداد ایک سو کے قریب پہنچ جاتی ہے، والد بزرگوار محدث العصر حضرت علامہ سید محمد یوسف بنوریؒ اپنے ایک مضمون میں تحریر فرماتے ہیں:

''اس کا کوئی امکان نہیں کہ قرآن وحدیث کو ایک دوسرے سے جدا کیا جاسکے نہ یہ ممکن ہے کہ قرآن پر ایمان ہو اور حدیث نبوی سے انکار، کیونکہ قرآن کریم بار بار اس حقیقت کا اظہار کرتا ہے کہ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع میں تمہاری نجات ہے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی نافرمانی تباہی وبربادی کا موجب ہے، آپ کی مخالفت پر قرآن کریم سخت سے سخت وعیدیں سناتا ہے، آپ کی زندگی کو امت کے لئے اسوہ ونمونہ قرار دیتا ہے، قرآن کی تعلیم وتشریح اور اس کے اجمال کی تفصیل کو قرآن آپ کا فرض منصبی بتاتا ہے، حاصل یہ کہ دنیا وآخرت کی نجات وسعادت اور فلاح وبہبود آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی میں ہے، اور حق تعالیٰ کی محبت وطاعت کا معیار بھی آنحضرت ﷺ کی متابعت کے سوا کچھ نہیں۔۔۔۔۔۔۔بہرحال تمام فرق باطلہ خوارج، شیعہ، معتزلہ، قدریہ، جہمیہ وغیرہ نے احادیث کے خلاف جو ہرزہ سرائی کی تھی (اور امام ابوحنیفہ، امام شافعی، امام احمد اور دیگر محدثین ومتکلمین نے جس کا دندان شکن جواب دے کر ان کے حوصلے پست کردیئے تھے) ہر دور میں ملاحدہ اسے جدید شکل وصورت میں پیش کرتے رہے ہیں، چنانچہ مستشرقین یورپ

نے بھی اسی محاذ سے اسلام کی بیخ کنی شروع کی اوراس کے لیے ایک منظم مہم چلائی، جوزہر قدیم باطل پرستوں نے اگلا تھا اسی کو دوبارہ نئی بوتلوں میں بھر بھر کر جدید نسل کے حلق سے اتارنے کی کوشش کی، کبھی کہا کہ احادیث تو دوسو سال بعد قلم بند ہوئی ہیں، ان کا کیا اعتبار؟ کبھی حاملین حدیث پر اعتراضات کیے، کبھی عقلی شبہات و وساوس پیش کیے اوران راستوں سے نماز، اس کے اوقات، زکوۃ، روزہ، حج اورقربانی وغیرہ تمام عبادات میں شکوک وشبہات پیدا کیے، احکام شرعیہ کو اعتراضات کا نشانہ بنایا، ملائکہ، جنات، شیاطین، ارواح وغیرہ میں تاویل باطل کا راستہ کھولا، اس طرح کی کوشش کی گئی کہ خدانخواستہ اسلام کی بنیادوں کو ہلا دیا جائے، مگر لسان نبوت سے یہ اعلان پہلے صادر ہو چکا تھا:

"یحمل هذا العلم من کل خلف عدوله ینفون عنه تحریف الغالین وانتحال المبطلین وتاویل الجاهلین".

[مشکوۃ المصابیح، کتاب العلم، الفصل الثانی، ج۱ ص۳٦]

ترجمہ: ہر آنے والی نسل میں کچھ عادل وثقہ حضرات اس علم دین کے حامل ہوں گے جو غلو کرنے والوں کی تحریف، باطل پرستوں کے غلط ادعا اور جاہلوں کی تاویل کو صاف کریں گے"۔

[بصائر وعبر، عنوان: قرآن کریم اور حدیث نبوی۔۱/۱۲۹، ۱۳۰]

محدث العصر حضرت مولانا سید محمد یوسف بنوری رحمہ اللہ نے عربی میں اسی دقیق موضوع پر علم حدیث، حجیت حدیث، کتابت حدیث اور محدثین کے احوال پر مشتمل معارف السنن شرح سنن الترمذی کا انتہائی جاندار اور مدلل مقدمہ بنام "عوارف المنن مقدمہ معارف السنن" تحریر فرمایا تھا۔ یہ مقدمہ دو تہائی سے زائد مکمل ہو چکا تھا کہ آپ اس دار فانی سے کوچ کر گئے، یہ مقدمہ تا حال غیر مطبوعہ ہے، ان شاء اللہ عنقریب زیور طبع سے آراستہ ہو کر منظر عام پر آئے گا، اس کا اردو ترجمہ حضرت مولانا محمد ادریس میرٹھی اور حضرت مولانا محمد یوسف

لدھیانوی شہید رحمہا اللہ نے قسط وار جامعہ کے رسالہ ''ماہنامہ بینات'' میں شائع فرمایا تھا، پیش نظر کتاب انہی اقساط کا ترتیب شدہ مجموعہ ہے۔

اس مجموعے کا پس منظر کچھ یہ ہے کہ ماہنامہ بینات (رجب ۱۳۹۲ھ مطابق ستمبر ۱۹۷۲ء) میں عوارف المنن مقدمہ معارف السنن کا اردو ترجمہ شائع ہونا شروع ہوا، پہلی قسط کا عنوان: ''منصب رسالت اور سنت کا تشریعی مقام'' ہے، اس کے آغاز میں ادارہ بینات کی طرف سے یہ نوٹ تحریر کیا گیا ہے:

''شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد یوسف بنوری مدظلہ نے جامع ترمذی کی ایک بے مثل اور منفرد شرح معارف السنن لکھی ہے، جس کی چھ ضخیم جلدیں کتاب الحج تک شائع ہو چکی ہیں، دعا فرمائیں اللہ پاک اپنے فضل سے تمام جلدیں پایہ تکمیل تک پہنچا دیں، حضرت مولانا نے ایک مستقل جلد میں معارف السنن کا مقدمہ لکھا ہے جس کا نام عوارف المنن ہے، اس مقدمے کے ایک باب کا اردو ترجمہ بغرض تعارف قارئین بینات کی خدمت میں پیش کیا جا رہا ہے۔''

اس قسط کے بعد دوسرے ابواب کا بھی ترجمہ شائع کیا جاتا رہا، اور یہ سلسلہ ماہ جمادی الاولی سن ۱۳۹۴ھ (جون ۱۹۷۴ء) تک جاری رہا، گو کہ اس عرصے میں ایک یا دو ماہ وقفہ بھی ہوا، آخری قسط کا عنوان: ''صحاح ستہ اور ان کی خصوصیات'' ہے۔

اس قسط وار ترجمے کے بہ غور مطالعے سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ ترجمہ ''عوارف المنن'' کی کسی خاص مرتب شکل کے مطابق نہیں ہوا، یہی وجہ ہے کہ اس ترجمے میں مؤلف محترمؒ کا تحریر کردہ ایک مکمل مضمون (شائع شدہ ''مجلة المجمع العلمی العربی'' جلد ۳۲، رمضان ۱۳۷۶ھ) کا ترجمہ رہ گیا تھا، جو زیر نظر طباعت میں شامل اشاعت ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ مؤلف محترمؒ نے ''عوارف المنن'' کو اس وقت تک مستقل کتابی ترتیب میں حتمی شکل نہیں دی تھی، اس لیے کہ وہ اس مقدمے میں مزید اضافہ وکمی کا ارادہ رکھتے تھے، جس کی مہلت وفرصت

انہیں نہ مل سکی اور یہ مقدمہ مسودات ہی کی صورت میں رہ گیا۔

زیر نظر ترجمے کے مرتبِ مکرم جامعہ کے استاذ حدیث حضرت مولانا محمد انور بدخشانی صاحب مدظلہم نے جب ان قسط وار مضامین کو ایک خاص ترتیب کے ساتھ یک جا کیا، تو جس قدر ترجمہ ہو چکا تھا، اسی ترجمے ہی کو ایک مستقل کتاب کے ڈھب پر تیرہ ابواب میں منطقی انداز اور مضامین کے لحاظ سے ایک مرتب صورت میں ''علم حدیث، محدثین اور کتب حدیث'' کے نام سے شائع کیا، جس کی وجہ سے عربی متن کے ترجمے کے الفاظ تو اپنی جگہ جوں کے توں رہے، البتہ اس ترجمے کی قسط وار شایع شدہ ترتیب و آہنگ میں کچھ تبدیلیاں لائی گئیں مثلاً: منتشر موضوعات کو یک جا کیا گیا، نئے عنوانات کا اضافہ کیا گیا، کچھ مباحث میں تقدیم وتاخیر کی گئی، کہیں کہیں عنوانات میں ضروری لفظی تبدیلی کی گئی اور ان ترمیمات کے ساتھ یہ ترجمہ موجودہ شکل میں پیش کیا گیا۔

چنانچہ یہ بات قاری کے ذہن میں رہے کہ مذکورہ ترمیمات کی وجہ سے ''عوارف المنن'' کے عربی متن میں پیش کیے گئے مباحث کی ترتیب و اسلوب اور اس اردو ترجمے کی ترتیب واسلوب میں فرق بہ ہر حال پایا جاتا ہے، تاہم مضامین میں کوئی تبدیلی نہیں کی گئی ہے۔

یہ کتاب اب نئے نام اور جدید طباعت کے ساتھ مکتبہ بینات سے شائع کی جا رہی ہے، دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہمیں اس سے فائدہ اٹھانے کی توفیق عطا فرمائے اور اسے حضرت والد صاحب اور حضرت میرٹھی وحضرت لدھیانوی رحمہم اللہ کے لیے ذخیرہ آخرت بنائے، آمین۔

وصلی اللہ وسلم علی سیدنا محمد وعلی آلہ وصحبہ اجمعین

سید سلیمان یوسف بنوری

نائب رئیس: جامعہ علوم اسلامیہ

علامہ محمد یوسف بنوری ٹاؤن کراچی

ذوالقعدہ ۱۴۳۶ھ

عرض مرتب

الحمدلله الذی منّ علی المؤمنین إذ بعث فیهم رسولا من أنفسهم یتلوا علیهم آیاته، و یزکّیهم و یعلّمهم الکتاب والحکمة و إن کانوا من قبل لفی ضلال مبین.

وصلّی الله وسلّم علی خیرخلقه محمدن الذی مانطق فی الشرع عن الهوی، وانماکان وحیاً یوحی، وعلّمه شدید القوی، و علی آله و اصحابه هداة الأمّة ورواة السنّة.

امابعد! محدث العصر حضرت مولانا سید محمد یوسف بنوری (رحمه الله تعالی رحمةً واسعة) کو اللہ تعالیٰ نے جن اوصاف اور کمالات سے نوازا تھا وہ اوروں کے لئے قابل رشک تھیں، علم وعمل، ورع وتقوی، حسنِ سیرت، جمالِ صورت، پختگی کردار، متانتِ گفتار، جودو سخا، شان واستغنا، بے مثال رعب ووقار، حسن بیان وکمالِ تحریر، فوق العادۃ قوت حافظہ، بے مثال قوت تحلیل وتلخیص، دوررَس نگاہ، قابلِ تعجب بصیرت، کثیر معلومات، تدریس وتألیف کا عمدہ ملکہ، ان جیسے اور نہ جانے کتنے کمالات سے وہ متصف تھے، اس لئے وہ اپنے مابعد والوں کے لئے ہر لحاظ سے قابل تقلید تھے اور رہیں گے۔

آیئے! ہم ان کے علمی مقام ومرتبے سے قدرے شناسائی کے لیے ان علمی کارناموں کا جائزہ لیں، اس بارے میں یہ بات بجا طور کہی جا سکتی ہے کہ حضرت محدث العصرؒ کئی ایک مروّجہ وغیر مروّجہ اسلامی علوم وفنون میں بذات خود امام ونا قد اور مبصّر تھے۔

علم تفسیر میں ان کی "یتیمة البیان فی شیئ من علوم القرآن" کو دیکھیں کہ

اصولِ تفسیر میں ضمناً کس طرح حکیمانہ اور متکلمانہ کلام فرمایا، اور ناواقف مدعیان علمِ تفسیر پر کس حسن وخوبی کے ساتھ جرح کی، نیز علم تفسیر کی جن اہم کتابوں کی طرف اشارہ کیا یا حوالہ دیا ہے اس سے حضرت الشیخ کی کثرتِ معلومات، وسعتِ نظر، شوقِ مطالعہ اور ان کے نزدیک علوم القرآن کی اہمیت کا بخوبی اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔

علم فقہ پر آپ کی دسترس ایسی تھی کہ گویا متونِ اربعہ (کنز الدقائق، الاختیار لتعلیل المختار، مختصر القدوری، مختصر الوقایۃ) ان کو ازبر یاد تھیں، ''بدائع الصنائع، مبسوط سرخسی، فتاویٰ عالمگیری، تاتارخانیہ، فتاویٰ شامی بمعہ تنویر الابصار والدر المختار، مراقی الفلاح'' ان سب کتب کی مباحث کا خلاصہ چند سطروں میں سہل انداز میں پیش فرماتے تھے۔

علم اصولِ فقہ میں تو متاخرین علماء حنفیہ میں حضرت الاستاذ (رفع اللہ درجتہ فی الفردوس) وہ واحد شخص ہیں کہ انہوں نے ابوبکر جصاص رازیؒ کے طرز پر ''طرق الاستنباط'' کو بہ عنوان ''تحقیق المناط، وتنقیح المناط، وتخریج المناط'' اپنی عظیم کتاب ''معارف السنن'' میں روشناس کرایا، سب ہی کو معلوم ہے کہ ہماری درسی کتابوں میں (بجز تلویح کی بحث قیاس کے) کہیں اور ان اصطلاحات کا ذکر نہیں۔

''معارف السنن'' تالیف کرتے وقت حضرت الاستاذؒ نے اصولِ فقہ کی مندرجہ ذیل کتابیں پیش نظر رکھیں:

ابن الہمامؒ صاحب فتح القدیر کی "اصول التحریر"، ابن امیر الحاجؒ کی "التقریر و التحریر شرح اصول التحریر"، سید امیر بادشاہ بخاریؒ کی "تیسیر التحریر شرح اصول التحریر"، ابوبکر ارمویؒ کی "التحصیل من المحصول"، امام رازیؒ کی "المحصول"، امام غزالیؒ کی "المستصفیٰ"، قاضی بیضاویؒ کی "المنہاج"، علامہ ابن حاجبؒ کی "مختصر المنتھی"، سیف الدین آمدیؒ کی "الاحکام فی أصول الأحکام"، مظفر الدین الساعاتیؒ کی "بدیع النظام"، محب اللہ بہاریؒ کی "المسلّم" اور اس کی شرح "فواتح الرحموت" جو بحر العلوم لکھنویؒ کی تصنیف ہے، عبید اللہ بخاریؒ کی

"توضیح"، اور علامہ تفتازانیؒ کی "تلویح"، امام سرخسیؒ کی "اصول الامام السرخسی"، فخر الاسلام البزدویؒ کی "اصول البزدوی" اور عبد العزیز بخاریؒ کی "کشف الاسرار شرح أصول البزدوی"، نیز اور بہت سی اہم کتابیں ہیں جن کو بغرض اختصار یہاں ذکر نہیں کیا جا سکتا۔

منطق وفلسفہ میں حضرت الاستاذؒ کے شوق کا اندازہ اس بات سے لگائیں کہ ایک بار جامعہ علوم اسلامیہ بنوری ٹاؤن کے دفتر میں اور ایک بار غالباً درس بخاری شریف کے دوران بھی فرمانے لگے کہ:

''فراغت کے بعد میں حضرت علامہ انور شاہ کشمیریؒ کے ساتھ (مقبوضہ) کشمیر گیا، سردیوں کا زمانہ تھا، چنانچہ میں حضرت کی خدمت کے لئے وہیں رک گیا، رات کے تقریباً تین بجے میں اٹھ کر حضرت کے لئے پانی گرم کرتا تھا، (تہجد میں وضو کے لئے) حضرت شاہ صاحبؒ کی صحت بھی (عمر کے آخری مراحل کی وجہ سے) زیادہ اچھی نہ تھی، اس وقت میں حضرت شاہ صاحبؒ سے ''بحر العلوم'' شرح سلم العلوم (جو بحر العلوم لکھنوی کی تصنیف ہے) اور ''مطوّل'' پڑھتا تھا''۔

آج تک سننے میں نہیں آیا کہ حضرت بنوری قدس سرہٗ کے علاوہ کسی نے درس ان کتب کو پڑھا ہو، ان کتب کا حل کرنا کتنا مشکل ہے اس کا اندازہ وہی لگا سکتا ہے جس نے انہیں پڑھا ہو، نیز درسِ بخاری شریف بحث ایمان میں کہ آیا ایمان کلی مشکّک ہے؟ یعنی زیادتی اور نقصان کو قبول کرتا ہے یا نہیں؟ تو حضرت شیخؒ نے ''سلّم'' کی عبارت "لا تشکیك فی الماھیات و لا فی الجسم بل فی اتصاف الافراد بھا" سے ابتداء کی اور تقریباً ڈیڑھ دو صفحے روانی کے ساتھ پڑھ ڈالے۔

حضرت بنوریؒ کو سننے اور پڑھنے والے بخوبی جانتے ہیں کہ آپ قدیم اور جدید فلسفے کا تقابل کرتے ہوئے صدرالدین شیرازیؒ کی "صدرا"، ملا محمود جونپوریؒ کی "شمسِ بازغہ" اور "شرح اشارات طوسی" کی عبارتوں کو بطور استشہاد پیش کیا کرتے تھے،

"ضرب الخاتم فی حدوث العالم" حضرت شاہ صاحبؒ کا منظوم فلسفہ ہے، یہ قصیدہ (جن کے ابیات کی تعداد تقریباً "۲۵۷" ہے) حضرت الاستاذؒ کو حرفاً حرفاً ازبر تھا، اس سے حضرت شیخ رحمہ اللہ کے کمالِ حافظہ کا اندازہ بھی لگایا جاسکتا ہے۔

رہا ادبِ عربی تو وہ ان کے لئے مادری زبان سے بھی زیادہ سہل اور متداول ومتناول تھا، جب بھی دورانِ تدریس کسی استشہاد کی ضرورت ہوتی تو کبھی دیوانِ حماسہ، کبھی دیوانِ متنبی، کبھی سبعہ معلقہ اور کبھی دوسری کتبِ ادب سے مکمل قصیدہ سنا دیتے تھے، نیز بعض پر نقد بھی فرماتے، حضرت بنوریؒ کے ادب عربی کے بارے میں یہی دلیل کافی ہے کہ حضرت الاستاذؒ کی "معارف السنن" کی زبان اور ادب واسلوب نیز اس کی فصاحت وبلاغت نے عالم عرب کو حیران کردیا، وہ یہ کہنے پر مجبور ہوگئے کہ یہ کیسے ممکن ہے کہ انتہائی فصاحت وبلاغت اور اعلیٰ ترین ادبی اسلوب میں چھ ضخیم جلدوں کی کتاب (وہ بھی ایک محدود دائرے یعنی علمِ حدیث میں کہ جس میں فقہی اور اصولی اصطلاحات سے کوئی مفر نہیں) کوئی عجمی لکھ ڈالے، اس پر ہم آگے چل کر مزید عرض کریں گے۔

نحو میں حضرت بنوریؒ نے "کتاب سیبویہ"، "شرح رضی علی الکافیہ"، "مغنی اللبیب" لابن ھشام، اور "شرح ابن عقیل" سے بھی مراجعہ فرمایا ہے۔

علم الہیئۃ اور نجوم میں حضرت الاستاذؒ کی "بغیة الأریب فی مسائل القبلة والمحاریب" ان کی مہارت وتبحر علمی کے لئے شاہدِ عدل ہے، اس کتاب کو درحقیقت عنایت اللہ مشرقی (جس کو عام لوگ علامہ مشرقی کے لقب سے پکارتے ہیں) کے رد میں لکھا تھا، علامہ مشرقی نے برِّصغیر پاک وہند کی تمام مساجد کے قبلوں کو غلط قرار دیا تھا، حضرت بنوری رحمہ اللہ نے قرآن کریم، حدیث نبوی، فقہاء متقدمین ومتاخرین کے اقوال کی روشنی میں نیز علم الہیئۃ کی مدد سے نہایت علمی انداز میں اس کا جواب دیا۔

علم بلاغت میں حضرت بنوریؒ نے "دلائل الاعجاز" و "أسرار البلاغة"، "عروس الافراح"، "حاشیه دسوقی علی المختصر"، "ایضاح

قزوینی"، "مفتاح سکاکی"، "مطول ومختصر تفتازانی"، "حاشیہ سید علی المطول"، اور "فیض الفتاح" سے استفادہ فرمایا۔

علم کلام میں حضرت بنوریؒ نے حدیث "نزول إلی السماء الدنیا" پر (معارف السنن جلد: ۳، ص: ۱۴۱ میں) جو متکلمانہ بحث کی ہے، اور امام ابن تیمیہ وابن القیم رحمہما اللہ کے اشکالات اور تعبیرات کا جس محققانہ انداز سے جواب دیا ہے وہ پڑھنے اور لطف اندوز ہونے کے قابل ہے، نیز اشاعرہ اور ماتریدیہ پر حضرت بنوریؒ نے وہاں مبسوط کلام فرمایا ہے، جس کے ذکر کرنے کی یہاں پر گنجائش نہیں۔

علم حدیث میں 'معارف السنن' شرح جامع ترمذی پر ذرا سرسری نظر ڈالئے! راقم یہاں "صاحب البیت ادریٰ بمافیه" کے محاورے کا سہارا لیتے ہوئے حضرت مولانا کے کلام کو نقل کرنے پر اکتفاء کروں گا جو کہ آپ نے اپنی کتاب کی ترتیب کے بارے میں فرمایا ہے:

"ورتّبته ترتيباً عصرياً واضحاً، و سميته "معارف السنن"، و راعيت فيه اموراً:

الاوّل: تخريج كل ماقال له الشيخ (علامه انور شاه كشميريؒ) و لو من مظان بعيدة من متناول اهل العلم.

الثانى: استيفاء كل موضوع يكون فيه للشيخ تأليف كـ"نيل الفرقدين" و "بسط اليدين" كلاهما فى مسئلة رفع اليدين، و كتاب "كشف السيرفى مسئلة الوتر" و "فصل الخطاب فى مسئلة أم الكتاب" و "خاتمة الخطاب فى فاتحة الكتاب"......

الثالث: توضيح ما أبهمه الشيخ وإيضاح ما أشار إليه بتخريض حوالات، وضم متعلقات حرصاً علىٰ تسهيل تلك الفوائد.

الرابع: التقاط نفائس و درر من مذكرة الشيخ المخطوطة من

تعليقاته على "آثار السنن" أو من برنامجته المخطوطة ما تيسر لى بتخريص وتوضيح وترتيب.

الخامس : كلما طال موضوع وانتشر او اتسع بحث واستغزر لخّصته فى آخر الباب تسهيلاً للتعاطى.

السادس : اجتهدت الى الغاية فى حسن التعبيروجمال الترتيب كى لايتعانى الناظر فى ترتيبه عندالبيان.

السابع : اتيت ببيان المذاهب عن مصادرهاالموثوقة كـ"عمدة القارى" للعينى، و"مجموع النووى"، و"مغنى ابن قدامة"و كم كنت أود أن لوعثرت على كتاب ابى بكربن المنذر، او كتاب ابى جعفر الطحاوى، او كتاب ابى جعفر الطبرى،او كتاب ابن نصرالمروزى وغيرها من امهات كتب الخلاف......

وقدذكرالشيخ(صاحب المعارف والعوارف)عشرة من محاسن كتابه ومزاياه ومايمتاز به عن سائرالشروح.

ثم يوجزالكلام و يقول : وبالجملة هو(معارف السنن) بفضل الله وكرمه، وحسن معونته وتوفيقه، شرح لـ"جامع الترمذى".أغزر مادةً، وأجمل تعبيراً ، و أوفى بحثاً واكثر جمعاً لغررالنقول بترتيب انيق. و بعد ما يبدو له ذكر بعض الامور الهامّة فيذكرها ثم يقول : قال الراقم : فعسى أن يقدّرها من عانى شدائد التاليف و عنى بحل المشكلات، والاتيان بالصفوة واللباب، و تلخيص عبارات المحققين المتقنين البارعين،كل ذلك بتوفيق الله تعالىٰ و تأييده و معونته و تسديده، و هوسبحانه ولى كل نعمة والموفق لكل خيروسعادة وهوحسبنا و نعم الوكيل.

وفی الآخر(حسب عادته الشريفه) يلخص الكلام و يقول :
فهذه معارف السنن ، و ما أدراك ما هى معارف السنن؟ شرح لأنفاس امام العصر المحدث الكبير الكشميرى فى درس "جامع الترمذى" و توضيح لأماليه، وجمع درره المبعثرة فى مذكراته وتاليفه بتعبير قاسيت فيه العناء وترتيب طار لاجله الرقاد، واستيفاء لكل موضوع من غرر النقول عثرت عليها بعد بحث طويل،ولم نعرج فى طرق أبحاث مفروغة فى كتب القوم، و تسو يد أوراق و "تهذيب التهذيب"، "تقر يب التهذيب" الا اذا دعت هناك حاجة ولا حول ولا قوة الا بالله العلى العظيم.

عوارف المنن مقدّمه معارف السنن

آمدم برسرمطلب! "عوارف المنن" "مقدمہ" "معارف السنن" کے بارے میں حضرت المحدث العلامہؒ فرماتے ہیں:

"ثم ألفت مقدمة حاو ية على فوائد وأبحاث فى غاية من الأهمية ملئى بها الفراغ الملموس من ترجمة الامام الترمذى ترجمة واسعة، ومنزلة السنة والأحاديث النبو ية فى الشريعة المحمدية و بيان مز ية الفقه فى الدين،وما الى ذلك من فوائد لا محيد عنها للباحث النبيه،والمحدث الفقيه،والله سبحانه وتعالىٰ هوالموفق والمعين وهو حسبنا ونعم الوكيل".

[تلخیص واقتباس من "معارف السنن" ج:٦،ص:٦٦٧ تا ٦٧٣]

اس مقدمہ (عوارف المنن) میں حضرت الاستاذؒ نے دریا کو کوزے میں بند کر کے علوم الحدیث کی تمام ضروری انواع سے بحث کی ہے،منصب رسالت،سنت وحدیث کی شرعی حیثیت، کتاب وسنت کا آپس میں ربط، کتابت حدیث، تدوین حدیث کی ارتقائی نشاۃ وتطوّر،

موضوعات اوراسلوب کے لحاظ سے کتب حدیث کی انواع واقسام، مصنفات ومسانید و جوامع، سنن ومعاجم، اطراف واجزاء سے تفصیلی بحث کے ساتھ صحاح ستہ کی اہمیت اوران کی خصوصیات، مؤلفین صحاح ستہ کے تراجم اوران کے آپس میں فرق ومرتبہ کے تمام انواع علوم الحدیث کوایجاز کے ساتھ احاطہ فرمایا ہے۔

دوسری طرف علل الحدیث، جرح وتعدیل، رواۃ کے طبقات، صحاح ستہ میں متکلم فیہ رجال، یہ تمام اہم مباحث اس مقدمہ میں موجود ہیں۔

اس مجموعے کی سب سے اہم خصوصیت تو یہی ہے کہ یہ علم حدیث کے متعلقہ مباحث میں حضرت بنوریؒ کا علمی نچوڑ ہے اوراس پر مستزاد جوکہ نورٌعلیٰ نور کا مصداق ہے کہ اس کا اُردوترجمہ استاذ محترم حضرت مولانا محمد ادریس میرٹھی رحمہ اللہ اور حکیم العصر حضرت مولانا محمد یوسف لدھیانوی شہید قدس سرہٗ نے کیا ہے، جوکہ ۱۳۹۲ھ میں قسط وار بینات سے شائع ہوا۔

یہ مضامین جامعہ سے شائع ہونے والے ماہنامہ بینات میں ۱۳۹۲ھ کے وسط سے ۱۳۹۴ھ کے وسط تک شائع ہوتے رہے، میرے پاس بینات ۱۳۹۲ھ کے کچھ شمارے موجود تھے اور کچھ میں نے جامعہ کے کتب خانے سے منگوا لئے، وقتاً فوقتاً میں ان جواہر پاروں سے استفادہ کرتا رہا، مگر دل میں ہروقت یہ آرزو رہی کہ اگر تمام اقساط میسر ہوجائیں تو اس سرچشمۂ علوم نبوت کو شائع کیا جائے تاکہ علماء وطلبا حدیث نبوی، اس سے زیادہ سے زیادہ استفادہ کرسکیں اور یہ کہ ضائع ہوکر یہ سرچشمہ خشک نہ ہوجائے، چنانچہ میں نے جامعہ علوم اسلامیہ بنوری ٹاؤن کے کتب خانہ، اور ''مجلس علمی'' کے مکتبہ میں تلاش کرنا شروع کیا اور اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم سے کچھ اقساط جامعہ کے کتب خانہ سے میرے ہاتھ لگیں۔

چونکہ ''بینات'' میں یہ اقساط موضوعات کی ترتیب سے نہ تھیں، جس کی ازسرنوترتیب کے لئے مجھے خاصی تگ ودوکرنی پڑی، چنانچہ ان تمام موضوعات کو اولاً ترتیب دیا، پھر ابواب قائم کئے، اور چونکہ عنوانات نہ ہونے کے برابر تھے، اس لئے حسب ضرورت کتاب کو عنوانات سے مزین کرنے کی کوشش کی (اور یہ بات مبالغہ نہ ہوگی کہ مخمل میں ٹاٹ کا پیوند

لگانے کی ناکام جسارت کی)۔

جامع ترمذی کی تفصیلی خصوصیت کے بیان میں ایک جگہ حضرت الاستاذؒ نے یہ فرمایا کہ:

''اس کے لئے میں نے الگ مضمون لکھا ہے''۔

تو میں نے وہ مضمون ڈھونڈ نکالنے کی ہر ممکن کوشش کی لیکن تلاش بسیار کے باوجود وہ قسط جو امام ترمذیؒ اور ان کی جامع کے متعلق ہے، مجھے کہیں دستیاب نہ ہوسکی(۱)، حضرت الاستاذ کے مقدمہ کا حوالہ'' مجلة مجمع العربي دمشق''(ج:۳۲)میں نودس جگہوں میں دیا گیا ہے، جب میں نے ان رسالوں کی طرف رجوع کیا تو وہاں سے کچھ حاصل نہ ہوا، اس لئے موجودہ ابواب کو غنیمت سمجھ کر علمائے کرام کی خدمت میں اس عظیم تحفہ کو پیش کرنے کی سعادت حاصل کر رہا ہوں۔

اللهم تقبله من المشائخ العظام (آمین)

محمد انور بدخشانی

۲۸/۱۲/۱۴۲۱ھ

(۱) خوش قسمتی سے امام ترمذیؒ سے متعلق مذکورہ مجلہ کی وہ قسط بعد میں دستیاب ہوگئی، چنانچہ طبع جدید میں وہ بھی شامل اشاعت ہے۔

مفتی اعظم پاکستان حضرت مولانا مفتی ولی حسن ٹونکی رحمہ اللہ

مقدمہ

محدث العصرؒ اور معارف السنن

مفتی اعظم پاکستان حضرت مولانا مفتی ولی حسن خان ٹونکی رحمہ اللہ نے محدث العصر حضرت بنوری رحمہ اللہ اور ان کی شہرہ آفاق تصنیف ''معارف السنن'' پر ایک تفصیلی مضمون تحریر فرمایا تھا، جو ماہنامہ ''بینات'' کی اشاعت خاص بیادِ حضرت بنوریؒ میں شائع ہوا، وہ مضمون ''مقدمہ معارف السنن'' کی مناسبت سے اس کتاب میں بطور مقدمہ پیش کیا جارہا ہے۔

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے مقاصد بعثت کو قرآنِ کریم میں مختلف سورتوں میں بیان کیا گیا ہے، مثلاً سورۂ بقرہ میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کی زبانی ارشاد ربانی ہے:

﴿ربنا وابعث فيهم رسولاً منهم يتلوا عليهم أياتك و يعلمهم الكتاب والحكمة و يزكيهم إنّك أنت العزيز الحكيم﴾

(بقرہ: ۱۲۹)

ترجمہ: اے ہمارے پروردگار، بھیج ان میں سے ایک رسول، ان ہی میں سے جو ان کے سامنے تیری آیات تلاوت کرے اور ان کو کتاب وحکمت کی تعلیم دے اور ان کو پاک کرے، بلاشبہ تو غالب اور حکمت والا ہے۔

سورۂ آل عمران میں اہلِ ایمان پر اللہ تعالیٰ کے احسان وامتنان کے ضمن میں اس مضمون کو اس طرح بیان کیا:

﴿لقد من الله على المؤمنين إذ بعث فيهم رسولاً من أنفسهم يتلوا

علیهم أیته و یزکیهم و یعلّمهم الکتاب والحکمة وإن کانوا من قبل لفی ضلال مبین﴾　　(آل عمران: ١٦٤)

ترجمہ: اللہ تعالیٰ نے اہلِ ایمان پر احسانِ عظیم فرمایا کہ ان میں ایک رسول ان ہی میں سے بھیجا، جو ان کے سامنے اس کی آیات تلاوت کرتا ہے اور ان کو پاک کرتا ہے اور ان کو کتاب وحکمت کی تعلیم دیتا ہے اور یہ لوگ اس سے پہلے واضح گمراہی میں مبتلا تھے۔

سورۂ جمعہ میں اللہ تعالیٰ کی تقدیس اور تسبیح کے بعد ہی ارشاد ہے:

﴿هو الذی بعث فی الأمیین رسولاً منهم یتلوا علیهم أیاته و یزکیهم و یعلمهم الکتاب والحکمة وإن کانوا من قبل لفی ضلال مبین﴾　　(الجمعه: ٢)

ترجمہ: وہی ہے جس نے بھیجا امیین میں، ایک رسول ان ہی میں سے جو ان کے سامنے اللہ کی آیات پڑھ کر سناتا ہے اور ان کو پاک وصاف کرتا ہے اور ان کو کتاب وحکمت کی تعلیم دیتا ہے اور یہ لوگ اس سے پہلے صریح گمراہی میں مبتلا تھے۔

آیاتِ بالا سے رسول اکرم ﷺ کے مقاصدِ بعثت مندرجہ ذیل معلوم ہوئے:

① تلاوتِ آیات　② تعلیم کتاب
③ تعلیم حکمت　④ تزکیہ نفوس

حکمت سے مراد کیا ہے؟ مختلف اقوال منقول ہیں، راجح قول یہی ہے کہ اس سے مراد سنت، یعنی حدیثِ نبوی ﷺ ہے، کیونکہ صحابہ وتابعین جن کی بصیرتِ قرآنی ہر زمانے میں سند وحجت رہی ہے، ان سب کی یہی رائے ہے کہ اس سے مراد حدیث وسنت ہے۔ حضرت عبداللہ ابن عباس، حسن بصری، قتادہ رضی اللہ عنہم اور دوسرے حضرات فرماتے ہیں کہ حکمت سے مراد سنت وحدیث ہی ہے۔ امام محمد بن ادریس الشافعی المطلبی نے اپنی کتاب الرسالۃ میں اطاعتِ رسول اور سنت وحدیث کی حجیت پر بڑی سیر حاصل بحث کی ہے۔ اسی سلسلہ میں وہ ایک جگہ فرماتے ہیں:

"فذكر الله الكتاب، وهو القرآن، وذكر الحكمة، فسمعت من أرضى به من أهل العلم بالقرآن، يقول: الحكمة سنة رسول الله ﷺ وذلك لأنها مقرونة مع كتاب الله، وإن الله افترض طاعة رسوله، وحتم على الناس اتباع أمره، فلا يجوز أن يقال لقول فرض إلا لكتاب الله ثم سنة رسوله لما وصفنا من أن الله جعل الإيمان برسوله مقروناً بالإيمان به". (ص: ۷۸)

ترجمہ: اللہ تعالیٰ نے "الکتاب" کا ذکر کیا، جس سے مراد قرآن کریم اور "الحکمۃ" کا ذکر کیا ہے، جس کے بارے میں، میں نے قرآن کے ان علماء سے جو میرے نزدیک پسندیدہ ہیں، یہ کہتے سنا کہ اس سے مراد سنت رسول اللہ ہے اور یہ اس لئے کہ وہ کتاب اللہ کے ساتھ ملی ہوئی ہے اور بلاشبہ اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول کی اطاعت فرض کی ہے اور اتباع رسول کو لوگوں پر حتمی قرار دیا ہے، لہٰذا کسی امر کو کتاب اللہ یا سنت رسول اللہ کے بغیر فرض نہیں کہہ سکتے۔ کیونکہ ہم پہلے بیان کر چکے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے پر ایمان لانے کے ساتھ ساتھ اپنے رسول پر بھی ایمان لانے کا ذکر کیا ہے۔

صحابہ کرامؓ، تابعین عظام، ائمہ ہدیٰ نے مندرجہ بالا مقاصدِ نبوت پر کام کیا، "العلماء ورثة الأنبياء" کے مصداق بنے۔

حضرات قراء مقصدِ اول کے مظہر ہیں، جنہوں نے قرآنِ کریم کو مختلف قرأتوں اور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی تلاوتِ آیات کی مختلف کیفیتوں کو محفوظ کیا، وہ سارے علماء اور وہ سب کتابیں جو قرأت و تجوید اور رسم الخط قرآنی کے سلسلے میں لکھی گئیں، مقصد اول کی شرح اور ایضاح ہیں۔

ائمہ تفسیر اور مفسرین سلف، مقصدِ دوم، یعنی تعلیم کتاب کے ذیل میں داخل ہیں، اس سلسلے میں مفسرین کے طبقات اور تفسیرِ قرآن کی خدمت اور اس سلسلے کی تصانیف مقصد ثانی الذکر کی ترجمان ہیں۔

فقہاء محدثین مقصد ثالث کے مظہر اتم ہیں۔ محدثین نے الفاظِ حدیث کی حفاظت کی

اور بسلسلہ حفاظتِ حدیث پچاس سے زیادہ علوم ایجاد اور تجویز کئے، جن کی تفصیل اصولِ حدیث کی کتابوں میں ملتی ہے۔ پھر چونکہ احادیث' رجال کے واسطے سے نقل ہوئی ہیں، اس لئے جرح وتعدیل کے اصول وضع کئے گئے۔ رجال کے طبقات مقرر کئے گئے اور ان کے سوانحی خاکے مرتب کئے گئے اور ایک لاکھ سے زیادہ اشخاص کے کوائف کا ایک ایسا ذخیرہ دنیا کے سامنے آیا جس کی نظیر ملنی مذاہب کی تاریخ میں محال ہے۔ مسلمانوں نے نہ صرف اپنے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مقدس زندگی کی ایک ایک حرکت وسکون کو جمع کیا' بلکہ حدیث وسنت رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حفاظت کے واسطے سے ایک لاکھ سے اوپر اشخاص کو زندہ وجاوید بنا دیا۔ آج کسی مذہب کے پاس نہ تو ان کی آسمانی کتاب محفوظ ہے اور نہ ان کے نبی ورسول کی زندگی۔ مسلمانوں کو یہ شرف وفخر حاصل ہے کہ ان کی آسمانی کتاب بھی محفوظ ہے اور ان کے نبی برحق صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زندگی کا نہ صرف ہر ورق' بلکہ ایک ایک سطر محفوظ ہے۔

فقہاء کرام معانی حدیث کے محافظ ہیں اور اس کے سب سے زیادہ جاننے والے ہیں' ان برگزیدہ نفوس نے اپنی زندگیاں صرف کر کے قرآن وحدیث سے استنباطِ احکام کا قابل فخر کارنامہ انجام دیا، جس سے آیاتِ احکام اور حدیث کے معانی ومطالب محفوظ ہو گئے اور قرآن وحدیث کے معانی ومطالب کو اربابِ ہوس (زنادقہ، باطنیہ اور تجدد پسند لوگوں) کے دست وبرد سے بچالیا۔ امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

"والفقهاء هم أعلم بمعاني الحديث"

(ترمذی: کتاب الجنائز، باب غسل المیت)

ترجمہ: فقہاء کرام حدیث کے معانی کو سب سے زیادہ جاننے والے ہیں۔

امت مسلمہ محدثین وفقہاء دونوں کے احسانات سے سرنگوں (ممنون وشکر گزار ہے) دونوں نے اپنے اپنے دائرے میں قابلِ قدر خدمات انجام دیں۔ رضی الله تعالىٰ عنهم و جزاهم أحسن الجزاء۔

تزکیہ نفوس کی نسبت کے حامل حضرات صوفیاء کرام ہیں، جنہوں نے اس نسبت

احسان کی پاسبانی کی اور قلوب کے تزکیہ و تصفیہ اور اصلاح امت و سیرت سازی کا گرانقدر کارنامہ انجام دیا، جس کی نظیر بھی ملنی مشکل ہے۔

مقاصدِ نبوت و بعثت پر مکرر نظر ڈالئے۔ مذکورہ بالا مقاصدِ نبوت کا تکمیل تک پہنچنا، حزب اللہ' جماعت حقہ اور جماعتِ باطلہ حزب الشیطٰن کے درمیان مابہ الامتیاز بھی ہے۔ یعنی اگر کسی جماعت کی حقانیت معلوم کرنی ہو تو دیکھا جائے گا کہ اس جماعت کی تگ ودو، محنت و کاوش کا میدان اگر یہی مقاصد ہیں اور ان کی تحقیقات' قراء، مفسرین، محدثین، فقہاء، صوفیاء کی تحقیقات کے خلاف تو نہیں ہیں، تو یہ جماعت حقہ سمجھی جائے گی اور وہ اہل السنت والجماعت کا صحیح مصداق ہوگی۔ برخلاف اس کے کہ اگر کسی جماعت کی جدوجہد کا دائرہ کار یہ مقاصد نہیں اور نہ ان کی تحقیقات سلف صالح کی تحقیقات کے موافق ہیں تو وہ جماعت باوجود اپنے بلند بانگ دعویٰ کے' جماعتِ اہلِ حق نہیں سمجھی جائے گی' پھر اس معیار حق و باطل سے جس جماعت میں جس قدر انحراف ہوگا، اسی قدر زیغ، ضلال، کفر کے درجات منطبق ہوں گے۔

قرونِ اخیرہ میں جبکہ ہندوستان میں کفر و شرک، بدعات کے گھٹا ٹوپ اندھیرے چھائے ہوئے تھے، عقائد کے پیچ وخم کفر و شرک کی سرحدیں پار کر رہے تھے' جاہل صوفیوں اور گمراہ پیروں نے اسلامی اعمال و اخلاق کی اینٹ سے اینٹ بجادی تھی' رفض و تشیع کی ظلمتیں اذہان پر چھائی ہوئی تھیں، دوسری طرف سیاسی طور پر ملک میں افراتفری مچی ہوئی تھی' مغلیہ سلطنت کا زوال ہو رہا تھا' اورنگزیب کے جانشین رفض و تشیع کی آلودگیوں میں ایک دوسرے سے بڑھ چڑھ کر حصہ لے رہے تھے کہ دہلی میں عین اسی وقت جبکہ یہ سب کچھ ہو رہا تھا، شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ پیدا ہوئے...... ان کو اللہ تعالیٰ نے ہونہار اور سعادت مند اور علومِ نبوت سے سرشار فرزند عطا کئے اور تزکیہ نفوس کے موتی اسلامیانِ ہند کے لئے بکھیر دیئے۔ عقائد کی اصلاح ہوئی، کتنی مردہ سنتیں زندہ ہوئیں اور ایک عالم کو اپنے چشمۂ فیض سے سیراب کیا۔ رفض و تشیع کے تار پود بکھیر دیئے' جاہل صوفیوں اور گمراہ علماء سے انسانوں کو آزاد کرایا' کتاب و حکمت کی تعلیم کو عام کیا اور برصغیر پاک و ہند قال اللہ و قال الرسول کی صدائے دلنواز سے گونج

اٹھا' یہ خانوادۂ علم وعرفان اس وقت جماعتِ حقہ کا مصداق بنا' پھر اس خاندان صدق وصفا کی خلافت جماعت علمائے دیوبند کے حصے میں آئی، جنہوں نے مذکورہ بالا مقاصد سے ہر مقصد کے تحت کام کیا۔

ان حضرات میں اللہ تعالیٰ نے قرا، مفسرین، محدثین، فقہاء، اربابِ فتویٰ اور تزکیہ نفوس واصلاح کا کام کرنے والے پیدا کئے' قرأت وتجوید کی کتابیں لکھیں' قرآن کریم کے تراجم، تفسیر، تصنیف فرما کر پہلے اور دوسرے مقصد کو پورا کیا' کتب حدیث کی طباعت اور اس پر تحشیہ اور صحاح ستہ کی مبسوط شروح لکھ کر تعلیم حکمت کا فریضہ انجام دیا' ہزاروں بھٹکے ہوئے انسانوں کو راہِ حق دکھا کر، ذمائمِ اخلاق کی آلودگیوں سے پاک کر کے تزکیہ نفوس اور سیرت سازی کا عظیم کام سرانجام دیا' بلکہ ان میں سے بعض حضرات نے سلوک وتصوف کو قرآن و حدیث وفقہ سے ہم آہنگ کر کے تجدیدی کارنامہ انجام دیا۔ یہ جو کچھ لکھا جا رہا ہے، اجمالی اشارات ہیں، اس جماعت حقہ کے کارناموں پر تفصیل سے لکھنے کے لئے ایک دفتر چاہئے۔ غرض یہ جماعت ظلمت کدہ ہندوستان میں ستارۂ نور بنی رہی اور ہے اور تشنگان علوم نبوت کے لئے چشمۂ صافی۔ اس جماعت میں حضراتِ ذیل سرفہرست ہیں:

① حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ۔

② حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ۔

③ حضرت مولانا محمد یعقوب صاحب نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ۔

④ حضرت مولانا محمد مظہر سہارنپوری رحمۃ اللہ علیہ۔

⑤ حضرت مولانا احمد علی سہارنپوری رحمۃ اللہ علیہ۔

⑥ حضرت شیخ الہند مولانا محمد حسن دیوبندی رحمۃ اللہ علیہ۔

⑦ حضرت مولانا خلیل احمد صاحب انبٹھوی رحمۃ اللہ علیہ۔

⑧ حضرت شاہ عبدالرحیم رائے پوری رحمۃ اللہ علیہ۔

⑨ حضرت مولانا محمد انور شاہ کشمیری دیوبندی رحمۃ اللہ علیہ۔

⑩ حضرت مولانا حسین احمد صاحب مدنی رحمۃ اللہ علیہ۔

⑪ حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحب مدظلہ العالی۔

اس بزم وعرفان کے رکن رکین، خاندان بنوریہ کے چشم و چراغ، نابغۃ العصر، محدث کبیر حضرت مولانا محمد یوسف صاحب بنوری قدس اللہ سرہ العزیز (جن کا سانحہ ارتحال، چند دن ہوئے پیش آیا ہے) کی خدمت علم حدیث پر تفصیلی اور دیگر گرانقدر تصانیف پر اجمالی نظر ڈالنا راقم اثیم کے سپرد ہے۔ اس لئے تھوڑی سی فرصت کو غنیمت جانتے ہوئے یہ چند سطور حاضر ہیں۔ مولانا کی خدمتِ حدیثِ نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو سمجھنے کے لئے ضروری ہے کہ غیر منقسمہ ہندو پاک میں علم حدیث کی تاریخ کا ایک مختصر سا خاکہ پیش کیا جائے، تاکہ حضرت موصوف کے کام کا صحیح اندازہ لگایا جاسکے۔

ہندوستان میں علم حدیث

یہ تو سب کو معلوم ہے کہ ۹۳ھ میں مسلمانوں نے سندھ پر حملہ کیا اور اسے فتح کیا اور یہ ملک اس وقت سے تیسری صدی ہجری کے شروع تک عربوں کے قبضہ میں رہا۔ اس طویل عرصے میں سندھ میں تابعین، اس سرزمین کو اپنے شرف قدوم سے زینت بخشتے رہے اور بعض نے یہیں سکونت اختیار کی اور یہیں دفن ہوئے۔ یہ وہ زمانہ تھا جب سارا عالمِ اسلام قال اللہ قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے گونج رہا تھا۔ اس لئے ناممکن تھا کہ سرزمین سندھ میں اس کی صدائے بازگشت سنائی نہ دے، چنانچہ اس عرصے میں جو محدثین اور رواۃ حدیث مشہور ہوئے یا جن کے اسمائے گرامی تاریخ نے محفوظ رکھے، وہ یہ ہیں:

① اسرائیل بن موسیٰ البصری نزیل الہند۔

② منصور بن حاتم النحوی۔

③ ابراہیم بن محمد الدیبلی۔

④ احمد بن محمد المنصوری۔

⑤ ابوالعباس، قاضی المنصورۃ، مؤخر الذکر نے امام داؤد ظاہری کے مذہب پر کچھ

کتابیں بھی لکھیں۔

⑥خلف بن محمد الدیبلی۔

⑦شعیب بن محمد الدیبلی۔

⑧ابو محمد عبداللہ المنصوری۔

⑨علی بن موسیٰ الدیبلی

⑩فتح محمد بن عبداللہ السندی۔

⑪محمد بن ابراہیم الدیبلی (۱)

پھر اس سرزمین کو اسی دور میں ایک محدث سے بھی شرف حاصل ہوا، جن کا نام نامی ربیع بن صبیح السعدی البصری ہے، جن کو تابعی ہونے کا شرف حاصل تھا اور جو بزمانہ مہدی خلیفہ عباسی فوج کے ایک سپاہی کی حیثیت سے سرزمین سندھ میں داخل ہوئے تھے اور جنہوں نے واپسی پر وفات پائی تھی، ربیع بن صبیح کے متعلق صاحبِ کشف الظنون کا بیان ہے:

"قیل هو أوّل من صنّف و بوّب فی الإسلام"

ترجمہ: کہا گیا ہے کہ یہ پہلے شخص ہیں جنہوں نے اسلام میں تصنیف فرمائی۔

طبقات ابن سعد میں ہے:

"خرج غاز یا إلى الهند فی البحر فمات فدفن فی جزیرة من جزائر البحر سنة ستین و مائة".

ترجمہ: وہ غزوہ کے لئے ہندوستان میں گئے تو وہاں انتقال کیا اور کسی جزیرہ میں ۱۶۰ھ میں دفن ہو گئے۔ (۲)

ان کے علاوہ حباب بن فضالۃ تابعی، اسرائیل بن موسیٰ تبع تابعی، ابو معشر نجیح سندھی، رجاء سندھی کے نام بھی اس دور میں ملتے ہیں۔ (۳)

---

(۱) الثقافة الإسلامية فی الهند صفحه ۱۳۶ و أبجد العلوم.

(۲) ہندوستان میں علم حدیث، مقالات سید سلیمان ندوی۔

(۳) ہندوستان میں علم حدیث، مقالات سید سلیمان ندوی۔

عرب حکومتوں کا دور ختم ہو گیا، اب دوسرا دور شروع ہوا' جس میں اسلام خشکی کے راستے سے ترکوں، پٹھانوں' مغلوں اور ایرانیوں کے ذریعے داخل ہوا، یہ زمانہ چوتھی صدی کے آخر سے دسویں صدی تک پھیلا ہوا ہے، یہ دور علم حدیث کے لئے خزاں کا دور تھا، منطق، فلسفہ، کلام، فقہ اور اصول فقہ کی تدریس جاری تھی' لیکن حدیث کی تعلیم سے بے اعتنائی اس دور کی خصوصیت رہی، اگر حدیث پڑھنے کا کسی کو شوق ہوتا تو صرف علامہ صغانی بدایونی ثم اللاہوری کی کتاب مشارق الانوار پڑھتا یا زیادہ سے زیادہ بغوی کی کتاب مصابیح یا مشکوٰۃ المصابیح زیر درس رہتیں، ان کو صرف تبرک کے لئے پڑھایا جاتا، مولانا حکیم عبدالحئی صاحبؒ اس دور کا نقشہ اس طرح کھینچتے ہیں:

''عرب حکومت جب سندھ سے ختم ہوگئی اور غزنوی اور غوری بادشاہوں کا دور شروع ہوا، خراسان اور ماوراء النہر سے لوگ آنے شروع ہو گئے تو علمِ حدیث اس دیار میں کبریت احمر اور عنقا کی طرح ہو گیا اور لوگوں پر، شعر، نجوم، فنون ریاضیہ نے غلبہ پالیا، علوم دینیہ میں صرف فقہ اور اصول فقہ پر اختصار کیا گیا، اور اس پر ایک طویل عہد گزر گیا، اہل ہند کی تگ ودو کا محور یونانی فلسفہ اور منطق بن گیا' علوم قرآن وسنت سے انحراف ان کا شیوہ ہو گیا' فقہ واصول فقہ بھی دوسرے علوم کے مقابلہ میں قلیل تھا' حدیث میں ان کی نگاہ صرف صغانی کی مشارق الانوار یا زیادہ سے زیادہ بغوی کی مصابیح' مشکوٰۃ المصابیح کی طرف جاتی تھی اور جوان کتابوں کو پڑھ لیتا تھا وہ سمجھتا تھا کہ وہ محدثین کے درجہ تک پہنچ گیا، یہ صرف علم حدیث سے جہالت کا نتیجہ تھا، اس لئے اس دور کی کتابوں میں حدیث کا ذکر تک نہیں ملتا' یہ لوگ نہ حدیث پڑھتے تھے اور نہ اس کی تعلیم وتدریس کی طرف لوگوں کو آمادہ کرتے تھے اور نہ محدثین کو جانتے تھے، تھوڑے لوگ جو مشکوٰۃ وغیرہ پڑھتے تھے، وہ بھی برکت کے لئے' فہم کے لئے نہیں۔ (۱)

دسویں صدی کا اخیر علم حدیث کے لئے بڑا خوش آئند تھا کہ اس زمانہ میں حدیث کے علماء ہندوستان کے بعض علاقوں میں اسلامی دنیا سے وارد ہوئے اور ''حدثنا و أخبرنا'' کی

(۱) الثقافة الإسلامية فی الهند، صفحه ۱۳٦: أبجد العلوم.

صدائے عطر بیز گونجنے لگی، جس سے ہندوستان معطر ہوگیا، مثلاً: شیخ عبدالمعطی بن الحسن بن عبداللہ المکی المتوفی باحمد آباد ۹۸۹ھ شہاب احمد بن بدر الدین المصری المتوفی باحمد آباد ۹۹۲ھ، شیخ محمد بن احمد بن علی الفاکہی حنبلی المتوفی باحمد آباد ۹۹۲ھ شیخ محمد بن محمد عبدالرحمن المالکی المصری المتوفی باحمد آباد ۹۱۹ھ، شیخ رفیع الدین الچشتی الشیرازی المتوفی باکبر آباد ۹۵۴ھ۔ شیخ ابراہیم بن احمد بن الحسن البغدادی، شیخ ضیاء الدین المدنی المدفون بکاکور، شیخ بہلول بدخشی، خواجہ میر کلاں ہروی المتوفی ۹۸۱ھ رحمہم اللہ تعالیٰ۔ اسی دور میں بعض علمائے ہند نے حرمین شریفین کا علمی سفر اختیار کیا اور علوم سنت وحدیث سے آراستہ ہوکر ہندوستان واپس ہوئے اور یہاں درس وافادہ کی مجلسیں آراستہ اور گرم ہوئیں۔ ان میں چند حضرات کے نام یہ ہیں:

شیخ عبداللہ بن سعد اللہ السندیؒ، شیخ رحمت اللہ بن عبداللہ بن عبدالرحیم السندیؒ، شیخ یعقوب بن الحسن کشمیریؒ، شیخ جویر کشمیری، شیخ محمد بن طاہر فتنیؒ صاحب مجمع البحار، مؤخر الذکر نے حدیث میں متعدد کتابیں تصنیف کیں۔ مجمع البحار، المغنی، التذکرۃ فی الموضوعات آپ کی یادگار کتابیں ہیں۔ شیخ محمد طاہر کے استاذ اور شیخ علی متقی گجراتی نے بھی حجاز کا سفر اختیار کیا تھا اور وہاں کے مشہور ومعروف اساتذہ حدیث سے علم ظاہر وباطن کی تحصیل کی تھی۔ کنزالعمال فی سنن الأقوال والأفعال جیسی دائرۃ المعارف علم حدیث میں تصنیف فرمائی، جس نے اس نوع کی بہت سی کتابوں پر خط تنسیخ پھیر دیا۔ موصوف کی مشہور ومعروف کتاب کا زمانہ ترتیب ۹۵۷ھ سے ۹۷۱ھ تک بتلایا جاتا ہے۔ (۱)

دسویں صدی کے آخر میں ایک محدث سید عبدالاول الحسینی المتوفی ۹۶۸ھ کا نام بھی ملتا ہے، یہ ہندوستان میں صحیح بخاری کے سب سے پہلے شارح ہیں۔ ''فیض الباری'' کے نام سے صحیح بخاری کی شرح لکھی اور فیروز آبادی کی سفرالسعادۃ کا خلاصہ کیا۔ (۲)

گیارہویں صدی میں علم حدیث کا ایک ماہتاب شیخ عبدالحق البخاری الدھلوی

---

(۱) ہندوستان میں علم حدیث: مقالات سید سلیمان ندوی۔

(۲) ہندوستان میں علم حدیث: مقالات سید سلیمان ندوی۔

المتوفی ۱۰۵۲ھ کے نام سے چمکا، جس نے اکبر کے دور کی بدعت، الحاد، زندقہ کو حدیث نبوی ﷺ کے نور سے ختم کر دیا، شیخ نے حدیث کی خدمت کی، مشکوٰۃ المصابیح کی دو شرحیں لکھیں۔ ''لمعات التنقیح'' عربی میں اور ''اشعۃ اللمعات'' فارسی میں اور ہندوستان میں عمومی طور پر حدیث کو غور و فکر اور تدبر و معانی سے پڑھنے پڑھانے کا رواج دیا۔ شیخ کے صاحبزادوں اور شاگردوں نے بھی خدمت علم حدیث کو اپنا موضوع بنایا۔ تیسیر القاری شرح شیخ الاسلام، محلیٰ حدیث میں ان کی یادگار تصانیف ہیں۔

حضرت مجدد الف ثانی شیخ احمد بن عبدالاحد السرہندی کا نام نامی بھی بہ ضمن خادمانِ حدیث نبوی ﷺ ہندوستان کی تاریخ میں جلی حروف میں لکھا ہوا نظر آتا ہے۔ حضرت کے صاحبزادے خواجہ محمد سعید رحمۃ اللہ علیہ نے مشکاۃ المصابیح کی شرح لکھی۔ حضرت محمد سعید کے صاحبزادے فرخ شاہ کے متعلق کہا جاتا ہے کہ ان کو ۷۰ ہزار حدیثیں متن، سند اور جرح و تعدیل کے مباحث کے ساتھ یاد تھیں (۱)۔ سلسلہ مجددیہ کے ایک اور فرد شیخ سراج احمد سرہندی بھی ہیں، جنہوں نے فارسی زبان میں جامع ترمذی کی فاضلانہ مگر مختصر شرح لکھی اور امام ترمذی ''فی الباب'' کے عنوان سے جن احادیث کی طرف اشارہ اجمالی کرتے ہیں، ان کی تخریج کی، صاحبِ تحفۃ الاحوذی مبارک پوری کا ماخذ اس سلسلے میں یہی کتاب مستطاب ہے۔ (۲)

ہندوستان میں علم حدیث کی تاریخ اپنے مراحل طے کر رہی تھی اور مختلف علاقوں میں محدثین اور اصحاب حدیث خدمتِ حدیث انجام دے رہے تھے، لیکن حدیث کا علم ابھی خواص بلکہ اخص الخواص کا موضوع سخن تھا کہ علم حدیث کی تاریخ میں ایک انقلاب آتا ہے۔ یعنی حضرت شاہ ولی اللہ بن عبدالرحیم العمری الدهلوی المتوفی ۱۱۷۶ھ سریر آرائے مسندِ حدیث ہوتے ہیں۔ حضرت شاہ صاحب نے ہندوستان میں متداول علوم کی تحصیل کے بعد

---

(۱) الثقافة الإسلامية في الهند، صفحه ۱۳۸ .

(۲) شروح اربعہ کے نام سے والیٔ ٹونک نواب محمد علی خاں کی علم دوستی کی بناء پر یہ کتاب چھپی تھی، کتب خانہ مدرسہ عربیہ اسلامیہ میں اس کی دو جلدیں موجود ہیں۔

سفر حجاز اختیار کیا۔ شیخ ابو طاہر ابن ابراھیم الکورانی سے صحاح ستہ کا درس لیا۔ شیخ ابو طاہر بھی اپنے اس ہندی شاگرد سے اس قدر متاثر ہوئے کہ برملا کہنے لگے:

''یہ مجھ سے لفظ حدیث کی تصحیح کرتے ہیں، اور میں ان سے معانی حدیث کی تصحیح کرتا ہوں۔''

ان کے خاندان میں حافظ ابن حجر کے علوم اور ان کی کتابیں موجود تھیں۔ شیخ نے اپنے سارے علوم اپنے ہونہار شاگرد کے سامنے کھول دیئے۔ حضرت شاہ صاحب بار بار فرماتے ''أقرأني أبو طاهر بخط ابن حجر'' شاہ صاحب نے کتاب الأم للشافعی اور دیگر کتب شافعیہ مطالعہ کیں۔ جب واپس لوٹے تو شافعیت سے خاصے متاثر تھے۔ حضرت شاہ صاحب نے ہندوستان آ کر مشکاۃ المصابیح کے درس پر اکتفا نہیں کیا، بلکہ صحاح ستہ کا درس شروع کیا اور ظلمت کدہ ہند، حدیث نبوی کے نور سے منور ہو گیا۔ حضرت شاہ صاحب نے حدیث میں تفقہ فی الحدیث اور اسرار و حکم کا ایک نیا باب کھولا، خطابی شرح حدیث میں اور علامہ طیبی بلاغت حدیث کے ذیل میں اور امام غزالی مہلکات و منجیات کے ضمن میں اور مہائمی تصوف اور اشارات کی زبان میں بیان کرتے تھے، لیکن اس کو مستقل فن بنا دینا اور اس کے ذریعے قرآن و حدیث کی علمی مشکلات حل کرنا شاہ ولی اللہ اور ان کے فرزندانِ گرامی کا حصہ ہے۔ اسی طرح تعلق مع اللہ اور صفاء باطن کے ذریعہ علوم نبوت کا حل تلاش کرنا بھی اسی جماعت کا خاصہ ہے۔ مولانا حکیم عبدالحیؒ رحمۃ اللہ علیہ حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے تذکرے میں لکھتے ہیں:

''وحصل له الفتح العظيم فى التوحيد والجانب الواسع فى السلوك ونزل على قلبه العلوم الوجدانية فوجًا فوجًا وخاض فى بحار المذاهب الأربعة وأصول فقههم خوضًا بليغا ونظرا فى الأحاديث التى هى متمسكاتهم فى الأحكام وارتضى من بينها

بإمدا دالنور الغيبي طر يق الفقهاء المحدثين". (١)

ترجمہ: حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کو توحید میں فتح عظیم اور سلوک میں حصہ وافر حاصل ہوا اور وجدانی علوم، گروہ در گروہ ان کے قلب پر نازل ہوئے۔ مذاہب اربعہ اور ان کے اصول فقہ کے سمندر میں غوطہ زن ہوئے اور ان احادیث میں غور وفکر کیا جو ان کے احکام میں ان کے ادلہ ہیں اور نور باطن کی مدد سے فقہاء، محدثین کا طریقہ پسند کیا۔

حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب رحمۃ اللہ علیہ اپنی بے نظیر تفسیر "فتح العزیز" کے دیباچہ میں بطور تواضع فرماتے ہیں:

"ہر چند استعداد بلند فطرت ارجمند و قدرت معنی آفرینی و قوت خیال گزینی و ربطی بمبدأ فیاض و دلی بقواعد تصفیہ مرتاض". (٢)

ترجمہ: باوجود اس کے کہ کامل استعداد اور فطرت بلند اور معنی پیدا کرنے کی قدرت اور اللہ تعالیٰ سے تعلق اور صفاء باطن نصیب نہ تھا۔

لیکن اس سے یہ ضرور معلوم ہوا کہ ان حضرات کے نزدیک قرآن وحدیث کے فہم کے لئے تعلق مع اللہ اور صفاء باطنی ضروری ہے۔

حضرت شاہ ولی اللہ کی گوناگوں خصوصیات کے حامل آپ کے بعد آپ کے فرزند گرامی ہوئے، جن میں مسند وقت حضرت شاہ عبدالعزیز کا نام نامی سرفہرست ہے۔ حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا لقب سراج الہند اور حجۃ اللہ ہے۔ مولانا حکیم عبدالحئی رحمۃ اللہ علیہ آپ کا تذکرہ اس طرح شروع کرتے ہیں:

"الشيخ الإمام العالم الكبير العلامة المحدث عبدالعزيز ابن

---

(١) نزهة الخواطر، ج ٦، صفحه ٣٩٩.

(٢) تفسیر فتح العزیز پارہ اول۔

ولی الله بن عبدالرحیم العمری الدهلوی سید علمائنا فی زمانه ابن سیدهم". (۱)

شاہ عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ کو اللہ تعالیٰ نے ایسے کمالات عطا کئے تھے کہ اس کی نظیر نہیں ملتی۔ تفسیر فتح العزیز کے دیباچہ میں جن صفات کی تواضعاً نفی فرمائی ہے، وہ سب صفات آپ میں بدرجہ اتم موجود تھے۔

صاحب الیانع الجنی لکھتے ہیں:

"إنه قد بلغ من الکمال والشهرة بحیث تری الناس فی مدن أقطار الهند یفتخرون باعتزائهم إلیه وانسلاکهم فی سمط من ینتمی إلی اصحابه". (۲)

حضرت شاہ عبدالعزیزؒ کمال اور شہرت کے اس درجہ پر پہنچ گئے تھے کہ ہندوستان کے مختلف اہل شہران کی طرف نسبت اور ان کے شاگردوں کے زمرہ میں شامل ہونے پر فخر کرتے تھے۔

حضرت شاہ عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ نے حدیث اپنے والد ماجد صاحب سے پڑھی، والد ماجد کی وفات کے بعد شیخ نوراللہ بڑھانوی اور شیخ محمد امین کشمیری سے کچھ کتابیں حدیث کی پڑھیں، شیخ محمد عاشق بن عبیداللہ پھلتی نے اجازت دی، مؤخرالذکر حضرت شاہ ولی اللہ کے اجلہ تلامذہ میں سے تھے۔

حضرت شاہ عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ نے عامی کے لئے تقلید مذہب معین کو ضروری قرار دیا اور مذہب حنفی کو اختیار کیا۔ مذہب حنفی کے کچھ قواعد کی تشریح کی اور واضح طور پر تحریر فرمایا کہ حنفیہ احادیث کلیہ جو بطور قواعد وارد ہوئی ہیں (۳) ان کی حفاظت کرتے ہیں اور جوان

---

(۱) نزهة الخواطر ج ۷ صفحه ۲٦۸.

(۲) الیانع الجنی فی اسانید الشیخ عبدالغنی.

(۳) فتاویٰ شاہ عبدالعزیز، اردو ترجمہ، صفحہ: ۳۸۹۔

کے خلاف بطور جزئیات وارد ہوئی ہیں، ان کی تاویل کردیتے ہیں یا شاذ سمجھتے ہیں۔ اسی طرح تلفیق بین المذاہب کی ممانعت کی، اجتہاد کے لئے کڑی شرطیں عائد کیں۔(۱)

راقم آثم کو یاد پڑتا ہے کہ کہیں حضرت نے یہ بھی فرمایا ہے کہ کسی نے پوچھا کہ فرق میان مذہب حنفی وشافعی چیست؟ گفت مذہب حنفی کلی است، ومذہب شافعی جزئی است۔ یعنی دونوں مذہبوں میں فرق یہ ہے کہ مذہب شافعی جزوی ہے اور مذہب حنفی کلی ہے۔ حضرات شوافع جزئیات سے متاثر ہوکر احادیث کلیہ میں ترمیم اور استثناء کرتے رہتے ہیں۔ البتہ حنفیہ احادیث کلیہ کی حفاظت کرکے جزئیات میں تاویل کردیتے ہیں۔ اس طرح حضرت شاہ عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ نے ہندوستان کو عدم تقلید اور تلفیق بین المذاہب کے فتنے سے بچالیا۔ عدمِ تقلید' سلف کے ساتھ بے ادبی، گستاخی کبھی انکارِ حدیث، بلکہ الحاد اور زندقہ کی طرف لے جاتی ہے۔ اس کی شہادت منکرینِ حدیث کی تاریخ سے مل سکتی ہے جو زیادہ تر غیر مقلد تھے۔ تلفیق بین المذاہب کا نتیجہ اتباع ہویٰ کے سوا کچھ نہیں۔ حضرت مولانا بنوری قدس اللہ سرہ العزیز حضرت شاہ عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ کے بڑے مداح تھے' بار بار اپنے دروس اور مجالس میں فرمایا کرتے تھے:

''اگر کسی شخص کو آنکھیں بند کرکے مقتدیٰ اور امام بنایا جاسکتا ہے تو وہ حضرت شاہ عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ ہیں، کیونکہ موصوف علم ظاہر وباطن کے جامع اور فقہ وکلام میں مسلک اعتدال پر عامل تھے۔''

ایک صاحب مصر کی الازہر یونیورسٹی سے علوم قرآنی میں تخصص کرکے آئے تو ان سے دریافت کیا کہ نسخ کی مختلف صورتوں کی حکمت پر روشنی ڈالئے۔ جب وہ عاجز ہوئے تو فرمایا کہ:

''حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے اس مسئلہ پر سیر حاصل بحث کی ہے اور مختلف صورتوں کی حکم ومصالح اس طرح تحریر فرمائی ہیں کہ کہیں

---

(۱) کتاب مذکورہ، صفحہ: ۴۰۲۔

کسی کتاب میں دیکھنے میں نہیں آئیں۔"

اپنے شیخ حضرت انور شاہ کشمیری رحمۃ اللہ علیہ کا قول نقل کرتے تھے:

"حضرت شاہ عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ کی تفسیر فتح العزیز مکمل ہو جاتی تو کسی تفسیر کی حاجت نہیں رہتی۔"

حضرت بنوری رحمۃ اللہ علیہ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کی کتاب کے"الابواب والتراجم" کے متعلق فرمایا کرتے تھے:

"اگر اس طرف حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب رحمۃ اللہ علیہ توجہ فرماتے تو حق ادا ہو جاتا۔"

حضرت شاہ عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ سے آپ کے برادران جلیل الشان شاہ عبدالقادر، شاہ رفیع الدین اور ایک عالم نے علومِ حدیث حاصل کئے۔ حضرت شاہ محمد اسحٰق نے جو اپنے زمانے میں مسند وقت تھے، حدیث حضرت شاہ عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ سے پڑھی اور طویل عرصہ تک ساتھ رہے۔ حضرت شاہ محمد اسحٰق کے متعلق مولانا حکیم عبدالحیٔ رحمۃ اللہ علیہ رقم فرماتے ہیں: "انتهت إليه رياسة الحديث فى الهند"

ترجمہ: حضرت شاہ محمد اسحٰق پر علم حدیث کی ریاست ختم ہوگئی۔

حضرت شاہ محمد اسحٰق رحمۃ اللہ علیہ کے بعد حضرت شاہ عبدالغنی رحمۃ اللہ علیہ مہاجر مدنی المتوفی: ۱۲۹۶ھ مسند وقت تھے، شاہ عبدالغنی رحمۃ اللہ علیہ سے ایک جہان فیضیاب ہوا۔ خاندان ولی اللہی کے بعد حق وصداقت، علم وعرفان، صدق وصفا، علوم دینیہ خصوصاً قرآن کریم و حدیث نبوی کی تعلیم و تدریس اور درس وافادہ کی خلافت حضرات علماء دیوبند وسہارنپور کی طرف منتقل ہوئی۔ حضرات علماء دیوبند وسہارنپور نے سو سال تک تجدید کا کام کیا ہے اور جیسا کہ ہم نے تمہید میں لکھا تھا کہ اس جماعت نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے مقصد نبوت و بعثت کو بدرجہ اتم پورا فرمایا۔ یہ سلسلہ علومِ حدیث اس جماعت میں سرفہرست محدث کبیر، فقیہ بے عدیل حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔ حضرت گنگوہی قدس اللہ سرہ العزیز نے حضرت شاہ

عبدالغنی رحمۃ اللہ علیہ سے حدیث پڑھی، حضرت گنگوہی آیۃ من آیات اللہ تھے۔آپ کے متعلق مولانا حکیم عبدالحیؒ لکھتے ہیں:

"منهم الشيخ رشيد أحمد الگنگوهی المتوفی: ۱۳۲۳ھ أخذ عن الشيخ عبدالغنی المذكور و درس ثلاثين سنة، وكان تدريسه للأمهات الست فی سنة كاملة علی وجه التدبر والإتقان والضبط والتحقيق لايعاد له فی ذلك أحد من معاصريه". (۱)

ترجمہ:"شیخ رشید احمد گنگوہی المتوفی: ۱۳۲۳ھ آپ نے حدیث حضرت شاہ عبدالغنی رحمۃ اللہ علیہ سے پڑھی اور ۳۰سال تک حدیث کا درس دیا۔ایک سال میں صحاح ستہ کا درس دیا کرتے تھے' کامل غور وفکر، پختگی اور تحقیق کے ساتھ'ان کے معاصرین میں سے کوئی بھی ان کے ہم پلہ نہیں تھا"۔

حضرت گنگوہی قدس اللہ سرہ العزیز سے حضراتِ ذیل فیضیاب ہوئے:

① حضرت مولانا خلیل احمد رحمۃ اللہ علیہ المہاجر مدنی شارح ابی داؤد۔

② حضرت مولانا محمود الحسن شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ۔

③ حضرت مولانا حسین احمد مدنی رحمۃ اللہ علیہ۔

④ حضرت مولانا محمد صدیق انبھٹوی رحمۃ اللہ علیہ۔

⑤ شاہ محمد یٰسین صاحب نگینوی رحمۃ اللہ علیہ۔

⑥ حضرت مولانا محمد یحییٰ کاندھلوی رحمۃ اللہ علیہ'والد ماجد شیخ الحدیث مولانا زکریا صاحب مدظلہ۔(۲)

حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کے علوم و معارف خصوصاً بہ سلسلہ علم حدیث کے باقی رکھنے کا سہرا حضرت مولانا محمد یحییٰ کاندھلوی کے سر پر ہے کہ آپ نے بخاری وترمذی کی تقاریر

---

(۱) الثقافة الإسلاميه فی الهند.

(۲) مقدمہ لامع الدراری۔

قلمبند فرمائیں۔ پھر آپ کے نجل مسعود حضرت شیخ الحدیث مدظلہ العالی نے ان کی ایضاح و توضیح اور شرح وتخریج کے ساتھ شائع کیں۔ الکوکب الدری دو جلدوں میں اور لامع الدراری شرح البخاری دس جلدوں میں ترتیب دی، علوم رشیدی کے یہ جواہر ریزے محفوظ ہو گئے۔ علماء حدیث کے اساتذہ وطلبہ ان دونوں حضرات کے احسان علمی کو کبھی فراموش نہیں کریں گے۔

حضرت شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ نے تفقہ فی الحدیث کا جو پودا لگایا تھا' حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ نے اسے تناور درخت بنا دیا۔ اسی طرح نور باطن اور تعلق مع اللہ سے حدیث سمجھنے کا سلسلہ حضرت گنگوہی پر ختم ہو گیا۔ حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کو اللہ تعالیٰ نے فقاہتِ نفس سے سرفراز فرمایا تھا۔ مسلک حنفی کو ادلہ حدیث سے ثابت کرنا اور جو حدیث بظاہر مخالف نظر آئے' اس کا جواب دینا، حضرت گنگوہی نے اس فریضہ کو کامیابی سے ادا کیا۔ اس کے علاوہ فقہاء حنفیہ متاخرین کی تفریعات جو حدیث کے خلاف تھیں، ان کی فقہ حنفی سے برأت کی، علاوہ ازیں فقہ میں توسع اور تضیق کے درمیان اعتدال کی راہ اختیار کی۔ شراح حدیث: ابن بطال، مہلب، ابن التین، ابن المنیر، قاضی عیاض، خطابی، ابن حجر، عینی رحمہم اللہ سے بہتر احادیث کی شرح کی۔

الکوکب الدری اور لامع الدراری میں اس کی بے شمار مثالیں ہیں۔ خصوصاً لامع میں حل تراجم کے سلسلے میں حضرت گنگوہی کی ایسی توجیہات ہیں کہ عقل حیران ہے۔ حافظ ابن حجر اور علامہ عینی رحمہم اللہ تعالیٰ کی توجیہات سے فائق ہیں۔ یہ مضمون فرصت کا متقاضی ہے۔ اللہ تعالیٰ حضرت موصوف کے علوم و جواہر ظاہر کرنے کی توفیق عنایت فرمائے۔ آمین۔ حضرت مولانا محمد یوسف بنوری رحمۃ اللہ علیہ حضرت گنگوہی کی فقاہتِ نفس کا بار بار اظہار فرمایا کرتے تھے۔ حضرت شیخ الہند مولانا محمود حسن رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ سے حدیث پڑھی اور دارالعلوم دیوبند کی مسندِ صدارت پر رونق افروز ہوئے۔ حضرت شیخ الہند سے ایک عالم فیض یاب ہوا۔ جن میں حضرت مولانا محمد انور شاہ کشمیری ثم دیوبندی خصوصیات کے حامل ہیں' جن کی تفصیل اپنے موقع پر آئے گی۔

محدث کبیر حضرت مولانا بنوری رحمۃ اللہ علیہ

نام ونسب

حضرت مولانا نے اپنا نسب مفتی غلام سرور کی کتاب خزینۃ الاصفیاء کے ابتدائی اوراق پر اپنے قلم سے اس طرح تحریر فرمایا ہے:

احقر محمد یوسف بن محمد زکریا بن سید مزمل شاہ بن سید میر احمد شاہ بن سید میر موسیٰ بن سید غلام حبیب بن سید رحمت اللہ شاہ بن سید عبد الاحد بن حضرت سید محمد اولیاء بن سید السادات شیخ المشائخ صفوۃ الشجرۃ النبویۃ معدن علوم الاولین والآخرین، قطب الاقطاب سلطان العارفین حاجی الحرمین الشریفین مخزن اسرار الٰہی السید آدم بنوری (علیہ وعلیٰ اولادہٖ الی یوم القیامۃ من اللہ الرحمۃ والرضوان) بن سید اسمٰعیل بن سید یہوا ابن سید حاجی یوسف بن سید یعقوب بن سید حسین بن سید دولت بن سید قلیل بن سید سعدی بن سید قلندر کہ از فرزندان حضرت سید محمد کہ از اولاد سید اسمٰعیل ولد ابراہیم برادر خورد امام حضرت موسیٰ بن حضرت امام موسیٰ کاظم بن سید امام جعفر صادق بن سید امام باقر بن سید امام زین العابدین بن سید شہاب اہل الجنۃ قرۃ العینین لرسول الثقلین الحسین بن امیر المومنین علی کرم اللہ وجہہ (امہ سیدۃ النساء فاطمۃ الزہرا بنت نبی الانبیاء محمد مصطفی احمد مجتبیٰ علیہ وعلیٰ آلہ افضل الصلوٰۃ واز کی التحیات واتم السلام) انتھیٰ بلفظہ۔

اور مولانا محمود حسن خان ٹونکی نے حضرت آدم بنوری رحمۃ اللہ علیہ کا نسب آدم اول علیہ وعلیٰ نبینا الصلوٰۃ والسلام تک پہنچایا ہے۔(۱)

حضرت آدم بنوری رحمۃ اللہ علیہ حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ کے اجلہ خلفاء میں سے تھے، حضرت مجدد رحمہ اللہ کے سیرت نگار خواجہ محمد معصوم کے بعد آپ کا نام نامی لکھتے ہیں۔

''بنور'' ریاست پٹیالہ میں سرہند کے قریب ایک قصبے کا نام ہے، حضرت بنوری رحمۃ

(۱) معجم المصنفین، ج: ۲.

اللہ علیہ کے والد ماجد مولانا محمد زکریا رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ میں نے سرہند جاتے قصبہ ''بنور'' دیکھا تھا۔ حضرت آدم رحمۃ اللہ علیہ کے مکان، خانقاہ اور لنگر خانے کے آثار موجود تھے۔ مولانا بنوری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

''میں ایک دن حضرت محدث کشمیری رحمۃ اللہ علیہ کے پاس بیٹھا ہوا ''مرقاة الطارم فی حدوث العالم'' کے حوالے ''اسفارِ اربعہ للشیرازی'' سے نکال رہا تھا کہ مولانا حبیب الرحمن شیروانی تشریف لائے، حضرت محدث نے میری طرف اشارہ کرتے ہوئے میرا تعارف کرایا کہ یہ حضرت آدم بنوری رحمۃ اللہ علیہ کی اولاد میں سے ہیں، صاحب سواد ہیں، یہ جو کام کررہے ہیں، مشکل کام ہے، میرا ایک قصیدہ ہے، جس کا موضوع اثبات باری تعالیٰ ہے لیکن مجھے اس نام میں شناعت معلوم ہوئی، اس لئے ''مرقاة الطارم فی حدوث العالم'' نام رکھا ہے۔ یہ صاحب اس کے حوالے نکال رہے ہیں، ان کے خاندان میں حضرت آدم رحمۃ اللہ علیہ کی بعض کتابیں بھی ہیں۔''

حضرت مولانا رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

''میں جب دیوبند گیا تو اساتذہ دارالعلوم نے عزت واحترام سے میری پذیرائی کی اور کہا گیا کہ تم تو ہمارے پیرزادہ ہو''۔

مولانا محمود حسن خاں رحمہ اللہ ٹونکی سید آدم بنوری رحمہ اللہ کے متعلق کہتے ہیں:

"وهو أعظم خلفاء الشيخ أحمد السرهندی وكان من أجلّة الصوفياء من أهل الصفا، وكان كبير المشائخ، له شأن عال، وأحوال سامية، وله يد طولیٰ فی تربية المريدين الطلبة، وكان يوصل أهل العالم السفلی إلی الملأ الأعلیٰ فی أدنیٰ مرة". (۱)

ترجمہ: آپ حضرت شیخ احمد سرہندی رحمۃ اللہ علیہ کے اجلہ خلفاء میں سے تھے اور بڑے صوفی صافی کبیر القدر شیخ تھے، آپ کی شان بلند، احوال اونچے، مریدین اور طالبانِ ہدایت

(۱) معجم المصنفين، ج: ۲.

کی تربیت میں مہارت تھی، تھوڑی سی مدت میں زمین والوں کو ملا اعلیٰ تک پہنچا دیتے تھے"۔

حضرت مولانا فرماتے تھے:

"ہمارے شیخ حضرت محدث کشمیری رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ: حضرت آدم رحمۃ اللہ علیہ کے بعض ملکات اپنے شیخ سے بھی بلند تھے اور ان کا طریقہ زیادہ لطیف تھا۔"

حضرت شاہ ولی اللہ رحمہ اللہ کا سلسلہ بیعت وارشاد بھی "آدمیہ" تھا، یعنی حضرت شاہ صاحب اپنے والد ماجد حضرت شاہ عبدالرحیم صاحب سے بیعت تھے، حضرت شاہ عبد الرحیم رحمہ اللہ صاحب، حافظ عبداللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے اور حضرت حافظ عبداللہ صاحب رحمہ اللہ حضرت آدم بنوری رحمہ اللہ سے بیعت تھے۔ اسی طرح حضرت سید احمد شہید رحمہ اللہ کے جدِ امجد حضرت شاہ علم اللہ بھی حضرت آدم رحمہ اللہ سے بیعت تھے، حضرت شاہ ولی اللہ رحمہ اللہ تو بڑے فخر ومباہات سے فرماتے تھے "ما آدمیان ایم" (۱) غرض ہندوستان کے یہ دو بڑے گھرانے (جن سے ہندوستان کی ظلمتیں دور ہوئیں، علمِ دین کے چراغ روشن ہوئے، حدیث وسنت کا احیاء ہوا، جہاد بالسیف اور جہاد باللسان والقلم کا فریضہ ادا ہوا) حضرت آدم بنوری رحمۃ اللہ علیہ سے تعلق رکھتے تھے۔ (۲)

بنوری خاندان کے کچھ لوگ پشاور "گڑھی میر احمد شاہ" اور "بھانہ ماڑی" میں اور کچھ لوگ شہر کوہاٹ میں آباد ہیں۔ گڑھی میر احمد شاہ کے بانی سید میر احمد شاہ پشاور شہر کے مشاہیر اور اہل صفا میں سے تھے۔ مولانا بنوری رحمۃ اللہ علیہ کے والد ماجد مولانا سید محمد زکریا جید عالم، حاذق طبیب، تعبیر رؤیا کے امام اور صاحب حال بزرگ تھے۔ کئی کتابوں کے مصنف ہیں، بعض طبع ہو چکی ہیں اور بعض غیر مطبوعہ ہیں۔ ان کتابوں میں سے بعض عربی میں لکھی ہیں اور

---

(۱) ملاحظہ ہو: ملفوظات حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب، طبع میرٹھ۔

(۲) حضرت سید آدم بنوری رحمۃ اللہ علیہ کے مزید حالات کے لئے ملاحظہ ہو: خزینۃ الاصفیاء از مفتی غلام سرور لاہوری۔ حضرات القدس نزہۃ الخواطر ج: ۲ وانفاس رحیمیہ از شاہ عبدالرحیم قدس اللہ سرہ، حضرت شاہ علم اللہ کے لئے ملاحظہ ہو: سیرۃ سید احمد شہید رحمۃ اللہ علیہ از مولانا ابوالحسن علی ندویؒ۔

بعض اردو میں۔ اس لحاظ سے حضرت مولانا کا خاندان ''این خانہ ہمہ آفتاب است'' کا مصداق تھا، مولانا کی دادی سیدہ فاطمہ ولیہ تھیں۔ حضرت مولانا رحمۃ اللہ علیہ ان کے واقعات سنایا کرتے تھے، مولانا کو دعاؤں کا ذوق ان ہی سے حاصل ہوا تھا۔ فرماتے تھے کہ: میں نے بہت چھوٹی عمر میں ظفر جلیل شرح حصن حصین از نواب قطب الدین دہلوی پڑھی تھی۔ اس کتاب سے دعائیں بھی یاد کیں اور اردو بھی سیکھی۔

مولانا محمد زکریا کی ہمشیرہ یعنی مولانا علیہ الرحمہ کی پھوپھی سیدہ مریم بھی صاحب کرامات ولیہ تھیں۔ حضرت مریم کی طرح بے وقت میوے ان کے پاس آتے تھے۔ انہوں نے حضرت بنوری کو بڑی دعائیں دی تھیں۔

مولانا بنوری رحمۃ اللہ علیہ کے والد سید محمد زکریا رحمۃ اللہ علیہ کی والدہ یعنی مولانا بنوری رحمۃ اللہ علیہ کی دادی محمد زئی ذراتی شاہی خاندان سے تھیں' ان کے خاندان کو جلال آباد کے پاس خوگیانی مقام میں ایک باغ بھی امیر حبیب اللہ نے عطا کیا تھا' جس میں انہوں نے انار کا باغ لگایا' بعد میں مولانا محمد یوسف بنوری رحمۃ اللہ علیہ اسی تعلق سے بہت چھوٹی عمر میں کابل تشریف لے گئے' جس کی وجہ سے فارسی' آپ کی مادری زبان جیسی ہوگئی تھی' بعد میں مولانا اپنے ماموں فضل ہمدانی کے ہمراہ پشاور آئے۔ یہاں آ کر پشاور کے بعض علماء سے صرف ونحو کی ابتدائی کتابیں پڑھیں' اس سلسلہ میں مولانا بعض واقعات سنایا کرتے تھے کہ کس طرح ابتدائی تعلیم میں آپ کو مشکلات پیش آئیں' معمولی سا سبق لینے کے لئے اپنی بستی سے کافی دور جانا پڑتا تھا' صبح سویرے سردی کے زمانہ میں سبز چائے اور مکئی کی روٹی کا ناشتہ کر کے اتنی دور جانا پڑتا تھا' یہ وہ زمانہ تھا کہ مولانا کے والد مکرم تارک الدنیا ہو کر سیاحت اور خانہ بدوشی کی زندگی گزار رہے تھے' جنگلوں میں چلہ کشی آپ کا مشغلہ تھا' مولانا کو یہ شکایت ہمیشہ رہی کہ میری ابتدائی تعلیم باقاعدہ نہیں ہوئی اور والد ماجد کو میری مطلق فکر نہ تھی' لیکن قدرت کو اس چمن کی خود آبیاری کرنا تھی:

میری مشاطگی کی کیا ضرورت حسنِ معنی کو
کہ فطرت خود بخود کرتی ہے لالہ کی حنا بندی

چنانچہ مولانا کو اللہ تعالیٰ نے غیر معمولی ذکاوت اور حافظہ عطا فرمایا تھا' اس لئے جو کچھ پڑھتے' یاد ہو جاتا تھا۔ جب شمسیہ کی شرح قطبی پڑھی تو اس کا دیباچہ ادبیت کے لحاظ سے ممتاز تھا، اسے یاد کر لیا۔ غالباً یہ بھی فرمایا کرتے تھے کہ اسی زمانہ میں مولانا کے کسی بھائی کا چھوٹی عمر میں انتقال ہوا تو مولانا نے عربی میں مرثیہ لکھا۔ مولانا کے صرف کے استاذ مولانا حافظ عبداللہ ساکن لنڈی ارباب تھے، جو بعد میں شہید کر دیئے گئے۔ مولانا نے ابن حاجب کی شافیہ بھی پڑھی تھی۔ فرمایا کرتے تھے کہ: میں نے تجوید کسی سے نہیں پڑھی' لیکن شافیہ کی مدد سے قرأۃ و تجوید میں کافی درک حاصل ہوا۔ چنانچہ ہمیشہ قرأت و تجوید کی بحثوں میں حصہ لیتے تھے اور اس سلسلہ میں بہت ہی صائب رائے رکھتے تھے۔ اس کے بعد پھر دوبارہ کابل تشریف لے گئے' وہاں قاضی مرافعہ مولانا عبدالقدیر صاحب کا ذکر کرتے تھے کہ: ان سے منطق کی کتابیں، میر زاہد، ملا جلال اور بعض دوسری کتابیں پڑھیں۔ کنز ثانی قاضی صاحب سے پڑھی۔ قاضی صاحب ہدایہ اخیرین پڑھاتے تھے اور مولانا صرف سنا کرتے تھے' لیکن ہدایہ اخیرین پڑھنے والوں سے زیادہ سمجھتے تھے اور اس کے مباحث اب تک یاد تھے۔ شروط و دعویٰ کے متعلق مفصل تقریر فرماتے اور کہتے کہ یہ سب کچھ مجھے اسی زمانہ سے یاد ہے۔ کابل کے زمانہ قیام میں امیر امان اللہ خان کے کسی وزیر سے تعارف ہو گیا تھا، جس کو جدید مصری ادب سے شغف تھا' اس نے مولانا کی ذہانت اور فطانت دیکھ کر آپ کو ادبِ جدید کی کچھ کتابیں بھی دی تھیں۔

کابل سے واپسی کے بعد دارالعلوم دیوبند میں داخلہ لیا، یہاں آپ نے مشکوٰۃ المصابیح کے درجہ میں داخلہ لیا۔ فرمایا کرتے تھے کہ: میں نے مشکوٰۃ کے ساتھ حضرت شاہ ولی اللہ دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کی "حجة الله البالغة" اور ابن رشد کی "بداية المجتهد" کا مطالعہ کیا تھا۔ یہ دونوں کتابیں میرے پاس اپنی نہ تھیں' اس لئے بمبئی سے منگوائیں اور جب وہ کتابیں ڈاک سے وصول ہوئیں تو مجھے بہت خوشی ہوئی۔ حجۃ اللہ البالغہ کا یہ نسخہ کتب خانہ مدرسہ عربیہ اسلامیہ (جامعہ علوم اسلامیہ علامہ بنوری ٹاؤن) میں محفوظ ہے' جگہ جگہ اس کے حواشی پر

مولانا کی تحریرات ہیں' دیوبند کے ابتدائی قیام کے زمانہ کے مولانا بہت سے واقعات سناتے تھے جو راقم کو محفوظ ہیں' لیکن تطویل کی بناء پر ترک کرتا ہوں۔

مولانا نے حضرت مولانا انور شاہ کشمیری رحمۃ اللہ علیہ سے سب سے پہلے مؤطا امام مالک پڑھی۔ واقعہ یوں ہوا کہ جب دیوبند میں اختلاف واقع ہوا تو حضرت شاہ صاحب نے تدریس دارالعلوم ترک کردی۔ طلباء کا ایک جم غفیر ساتھ تھا۔ دارالعلوم میں حضرت مدنی قدس اللہ سرہ العزیز نے بخاری و ترمذی شروع کرادی' طلباء کا اصرار ہوا کہ حضرت شاہ صاحب بھی یہی دو کتابیں شروع کرادیں' لیکن آپ نے فرمایا کہ: میں صرف وہ کتاب پڑھا سکتا ہوں جو دارالعلوم میں شروع نہ ہو۔ معلوم ہوا کہ مؤطا امام مالک شروع نہیں ہوئی' چنانچہ مؤطا شروع کرادی' مولانا بھی سبق میں شریک ہوئے۔ پہلے دن ہی درس کے دوران عالم مثال کا ذکر فرمایا۔ مولانا رحمۃ اللہ علیہ نے اس پر ایک اعتراض کیا۔ فرماتے تھے کہ حضرت محدث کشمیری رحمۃ اللہ علیہ نے اس پر مجھے غور سے دیکھا اور فرمایا کہ: یہ آپ کہاں سے کہہ رہے ہیں؟ میں نے حجۃ اللہ کا حوالہ دیا۔ حضرت نے اول حجۃ اللہ کی تقریر کی، پھر اس کو رد کیا اور فرمایا کہ: شاہ صاحب کی یہ تحقیق مرجوح ہے۔ خود حضرت دہلوی نے دوسری کتابوں میں اس سے زیادہ تحقیق سے بیان کیا ہے اور وہ تحقیق راجح ہے۔ مولانا فرماتے ہیں کہ: یہ سب سے پہلا نقش تھا جو استاد کی حذاقت و مہارت کا میرے دل پر پڑا' پھر اس میں اضافہ ہی ہوتا رہا' بعد میں حضرت شاہ صاحب ڈابھیل تشریف لے گئے تو مولانا بھی ساتھ گئے۔ فرماتے تھے کہ: حضرت شاہ صاحب کے درس کے انتظار میں منٹ اور سیکنڈ تک شمار کرتا تھا اور درس میں اس طرح شریک ہوتا تھا کہ ایک ایک حرف اور استاذ کی ایک ایک حرکت و سکون تک یاد ہوتی تھی' ایسا محسوس ہوتا تھا کہ میرا قلب شاہ صاحب کے علوم کو جذب کر رہا ہے' درحقیقت استاذ گرامی کے علوم کا یہی انعکاس تھا جس نے حضرت مولانا بنوری رحمۃ اللہ علیہ کو محدث کبیر بنادیا۔ فرماتے تھے کہ: میں نے ڈابھیل میں حضرت شاہ صاحب سے ترمذی "باب مس الذکر" تک اور بخاری "باب حب الانصار من الایمان" تک پڑھی تھی۔ اس کے بعد حضرت شیخ بیمار ہوکر

دیوبند تشریف لے گئے، فرماتے تھے کہ: بظاہر میں حضرت شاہ صاحب کے تلامذہ میں اقل استفادۃً ہوں' لیکن شیخ سے عشق ومحبت نے علوم سے مناسبت تامہ پیدا کردی تھی' بعد میں حضرت مولانا کی رفاقت حضرت شاہ صاحب کے ساتھ فراغتِ دورۂ حدیث کے بعد کچھ عرصہ دیوبند میں، اس کے بعد چھ سات ماہ کشمیر میں رہی۔ اس کا اقعہ سناتے تھے کہ:

''حضرت شاہ صاحب بیماری کی وجہ سے ڈابھیل سے دیوبند تشریف لے آئے' فراغت کے بعد میں بھی دیوبند آیا اور حضرت الاستاذ کی خدمت میں ایک عریضہ عربی میں تحریر کیا کہ میں آپ سے اور آپ کے علوم سے استفادہ کا متمنی ہوں' میں نے عربی تحریر میں جس قدر زور پیدا ہوسکتا تھا' پیدا کیا۔ شیخ سے قلبی تعلق کا اظہار کیا اور اپنی تشنگی علم کا ذکر کیا۔ حضرت شاہ صاحب اپنے مکان پر تشریف فرما تھے۔ عریضہ دیکھ کر فرمایا کہ: ادب کہاں پڑھا ہے؟ میں نے عرض کیا: کہیں نہیں۔ فرمایا: آپ کو ادب پڑھنے کی حاجت نہیں۔ پھر حکم دیا کہ بدھ کے دن دیوبند میں جو بازار لگتا ہے' وہاں سے ایک چٹائی خرید کر لانا' میں چٹائی خرید لایا۔ حضرت شاہ صاحب نے اپنی کتاب ''مرقاۃ الطارم فی حدوث العالم'' حوالہ کی' اور فرمایا: اس کے حوالہ جات ''أسفار أربعه للشيرازي'' سے نکالو۔ حالانکہ مشکل کام تھا' لیکن مجھے بحمد اللہ! کوئی دقت نہیں ہوئی۔ (اس سلسلہ میں مولانا حبیب الرحمن شیروانی کا واقعہ پیش آیا، جس کا ذکر پہلے آچکا ہے)۔''

مولانا یہ کام کررہے تھے کہ حضرت شاہ صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ کو کشمیر کا سفر درپیش ہوا' مولانا بنوری رحمہ اللہ نے ساتھ جانے کا اشتیاق ظاہر کیا اور اجازت چاہی' حضرت شاہ صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ آپ کے اشتیاق وعقیدت سے واقف تھے، اجازت دے دی اور مولانا بنوری رحمۃ اللہ علیہ بھی ساتھ رہے۔ اس سفر اور کشمیر میں قیام کے حالات ایک خاص انداز میں بیان فرمایا کرتے تھے۔ اپنے شیخ کے ساتھ والہانہ عشق کے واقعات مزے لے لے کر سناتے تھے۔ اسی سفر میں مولانا نے شیخ رحمۃ اللہ علیہ سے کچھ اور کتابیں بھی پڑھیں۔ مطول اور شرح سلم بحر العلوم کا نام لیتے تھے، یہ دونوں کتابیں حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ

نے اپنے بھائی سیف اللہ شاہ کے لئے شروع کرائی تھیں، مولانا بھی شریک درس ہو گئے تھے۔
مولانا بنوری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے کہ: میرا یہ سفر حاصل زندگی تھا، میرے شب و روز کا ایک منٹ اور ایک سیکنڈ بھی حوائج ضروریہ کے علاوہ شیخ کے علوم کے لئے وقف تھا۔ بہترین صحت، جوانی کا زمانہ، کشمیر کی آب وہوا، اچھی غذا جس کی بنا پر نیند آتی تھی، لیکن میں دو اڑھائی گھنٹے سے زیادہ نہیں سوتا تھا، کشمیر میں سردی کافی تھی، مگر رات کے اڑھائی تین بجے اٹھ جاتا اور شیخ کے لئے پانی گرم کرتا اور وضو کا انتظام کرتا، کبھی ایسا نہیں ہوا کہ شیخ اٹھ جائیں اور میں ابھی بیدار نہ ہوا ہوں۔ اسی زمانے کے دو واقعے بیان کرتے تھے:

① ایک تو یہ کہ رمضان کا زمانہ تھا، میں حسب معمول ظہر کی نماز کے بعد حوالہ جات کا کام کرتا تھا اور شیخ تلاوت کچھ بلند آواز سے فرماتے۔ شیخ جب تلاوت کرتے تو میں شیخ کی لذیذ قرأۃ سے روح وقلب کو شاد کام بناتا اور اپنا کام تھوڑی دیر کے لئے چھوڑ دیتا، پھر شیخ جب آیات قرآنیہ میں تفکر وتدبر کرنے لگتے تو جلدی جلدی اپنا کام کرلیتا۔ ایک روز شیخ اسی طرح تفکر کر رہے تھے کہ میری طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا:

”سامنے الماری میں فتح الباری رکھی ہے، اس کی فلاں جلد اور فلاں صفحہ پر دیکھئے کہ حدیث ابن عباس رضی اللہ عنہ مسند احمد کے حوالہ سے حافظ ابن حجر نے نقل کی ہے یا ابن حبان کے حوالہ سے؟“

میں نے حسب ہدایت دیکھ کر عرض کیا کہ صحیح ابن حبان کے حوالے سے نقل کی ہے اور پھر تلاوت میں مشغول ہو گئے۔ اسی زمانہ میں مولانا بنوری رحمۃ اللہ علیہ نے فتوے کا کام بھی کیا۔ حضرت محدث کشمیری کے پاس استفتاء آتے تھے، آپ ضروری ہدایات دے کر مولانا بنوری کو جواب لکھنے کا حکم فرماتے اور ”الجواب صواب“ لکھ کر دستخط فرماتے تھے۔ فرمایا کرتے تھے کہ: اس عرصہ میں کبھی ایسا نہیں ہوا کہ آپ نے میرے تحریر کردہ فتویٰ پر دستخط نہ کئے ہوں اور اتفاق نہ کیا ہو۔ ایک مرتبہ طلاق کا کوئی فتویٰ آیا جس کے بارے میں علماء کشمیر میں شدید اختلاف ہو گیا تھا۔ ایک فریق عدم وقوع طلاق کا مدعی تھا اور دوسرا فریق وقوع طلاق

کا۔ پہلا فریق ''فتاویٰ عمادیہ'' کی عبارت سے استدلال کرتا تھا۔ جب یہ اختلافی فتویٰ آیا تو حضرت شاہ صاحب متفکر ہوگئے کہ اس مسئلہ میں قضاء کی ضرورت ہے اور تحقیق واقعہ کے بغیر فیصلہ نہیں کیا جاسکتا' تحقیق واقعہ میں مشکلات تھیں' اس لئے حضرت شیخ متفکر ہوگئے۔ مولانا فرماتے ہیں کہ میں نے عرض کیا:

''حضرت! آپ قاضی بنتے ہیں؟ مفتی بن کر فتویٰ تحریر فرمادیں۔''

شیخ کا چہرہ مسرت سے چمک اٹھا اور فرمایا کہ: یہ بات ٹھیک ہے۔ اور مجھ سے کہا کہ: آپ جواب لکھئے' اور اس میں یہ بھی لکھیں کہ فتاویٰ العمادیہ کی عبارت سے جو فریق استدلال کررہا ہے وہ غلط ہے' کیونکہ ''العمادیہ'' کا صحیح مخطوط میں نے کتب خانہ دارالعلوم دیوبند میں دیکھا ہے' اس میں یہ عبارت نہیں ہے۔ اس لئے یا تو یہ تصحیف ہے یا تدلیس۔ میں نے شیخ کی ہدایت کے بموجب جواب لکھا۔ شیخ نے بہت پسند کیا اور ایک حرف بھی تبدیل نہیں کیا اور جب اس جملہ پر پہنچے: وقد طالع الشیخ الحبر البحر مولانا محمد أنور شاہ الفتاوی العمادیہ الخ تو غصہ ہوگئے اور فرمایا: قلم لائیے! اور لفظ ''الحبر، البحر'' کو قلم زد کیا اور کہا کہ: آپ کو صرف مولانا محمد انور شاہ لکھنے کی اجازت ہے۔ (۱)

② اسی زمانہ قیام کا یہ واقعہ بھی سناتے تھے کہ میں نے عرض کیا: حضرت میں جو کام کررہا ہوں' اس میں مولوی سیف اللہ شاہ کو بھی شریک کرلیا جائے تو بہتر ہے۔ فرمایا: ''آپ جو کام کررہے ہیں سیف اللہ شاہ ایک دن بھی کرے گا تو چیخ اٹھے گا۔''

(انتہی بلفظ الشیخ وھکذا کان یقول الشیخ البنوری بعد ھذہ الحکایۃ)

محدث کبیر حضرت مولانا بنوری رحمۃ اللہ علیہ نے دوسرے اساتذہ سے بھی پڑھا تھا۔ ابتدائی دور کے دو استاذوں کے نام پہلے ذکر بھی کئے جاچکے ہیں۔ دیوبند اور ڈابھیل میں بعض اساتذہ سے پڑھا۔ مثلاً: دیوبند میں مسلم الثبوت حضرت مولانا رسول خاں صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے، مشکوٰۃ المصابیح حضرت مولانا محمد ادریس کاندھلوی رحمۃ اللہ علیہ سے، جلالین مفتی

---

(۱) نفحۃ العنبر فی ھدی الشیخ الأنور، ص: ۲۸ پر یہی واقعہ تحریر ہے۔

عزیز الرحمن رحمۃ اللہ علیہ سے، مقاماتِ حریری مولانا مفتی محمد شفیع دیوبندی رحمۃ اللہ علیہ سے۔
حضرت شاہ صاحب کی بیماری کے بعد جامع ترمذی مولانا شبیر احمد عثمانی شارح مسلم اور بخاری مولانا عبدالرحمن صاحب امروہی سے۔ اپنی بے نظیر شرح ترمذی' معارف السنن میں حضرت مولانا عثمانی کا نام "شیخنا" کہہ کر بڑے ادب واحترام سے لیتے ہیں۔

حضرت مولانا اپنے اساتذہ کا ادب واحترام فرماتے اور ہر شخص کے کمالات کے معترف تھے اور فروق بین الرجال کے تو امام تھے، شخصی تحلیل وتجزیہ میں کمال رکھتے تھے' لیکن عالم کامل صرف حضرت شاہ صاحب کو سمجھتے تھے۔ ان کے نبوغ، کمال فی العلم، حذاقت کے سامنے ان کی نگاہ میں کوئی نہیں تھا۔ حضرت محدث کشمیری رحمۃ اللہ علیہ کے تذکرہ سے ان کی محفلیں آباد رہتی تھیں' انہیں کا تذکرہ زبان پر جاری رہتا تھا، کبھی کبھی فرماتے تھے کہ مجھ سے کوئی انور شاہ کے متعلق پوچھے تو میں یہ کہوں گا: "عالماً صالحاً" لیکن عالماً کے معنی یہ ہوں گے: "کان غیرہ لیس بعالم"، محدث کشمیری کے متعلق یہ بھی فرماتے تھے کہ: مجھ سے اگر کوئی پوچھے کہ آپ کو کن علوم میں امامت کا درجہ حاصل تھا تو میں کہوں گا: ① عربیت ② فقہ۔

ان دونوں میں امام سمجھتے تھے، الغرض مولانا نے اپنی نظر وقلب میں صرف انور شاہ ہی کو پوری طرح سمولیا تھا اور وہی ان کے یہاں مثالی شخصیت تھی، دوسری شخصیت جن سے مولانا متاثر تھے وہ علامہ محمد زاہد الکوثری تھے' ان دونوں حضرات کا مختصر تذکرہ ہدیہ ناظرین ہے۔

امام العصر مولانا محمد انور شاہ کشمیری ثم دیوبندی رحمۃ اللہ علیہ

حضرت مولانا شیخ الہند محمود حسن قدس اللہ سرہ کے تلامذہ میں سب سے زیادہ نامور اور حدیث وسنت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کی نسبت کے حامل اور قدماء محدثین کی طرح واسع الاطلاع حضرت محدث کشمیری ہیں۔

آپ ۱۲۹۲ھ میں کشمیر کی ایک بستی "وَدْوان" میں پیدا ہوئے۔ کشمیر کے علماء سے ابتدائی اور متوسطات پڑھنے کے بعد ہزارہ کے علماء سے فنون پڑھے اور اس کے بعد دار العلوم دیوبند پہنچے۔ اس وقت دار العلوم دیوبند کی صدارت تدریس اور مسند حدیث حضرت شیخ الہند

مولانا محمود حسن قدس اللہ سرہ سے آراستہ تھی۔ حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ علوم قرآن وحدیث اور حقائق ومعارف سے سرشار اور اس نسبت کے حامل تھے جو حضرت شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ اور ان کے خانوادۂ علم وعرفان کا طرۂ امتیاز تھا اور جس کی طرف گزشتہ صفحات میں روشنی ڈالی جاچکی ہے۔ حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ کو حدیث میں حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ اور حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ سے تلمذ تھا۔ حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ اگر علوم قرآن و سنت اور تفقہ فی النفس کے امام تھے تو دوسری طرف حضرت نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ معارف و حقائق و اسرارِ شریعت وتکوین کے ناپیدا کنار سمندر تھے۔ حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ ان دونوں چشموں سے سیراب تھے، پھر تعلق مع اللہ اور نورِ ایمان نے قلب ونظر کو روشن کردیا تھا۔ حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ کی حدیث نبوی ﷺ میں حذاقت اور مہارت کی جھلک ہم صحیح بخاری کے الابواب والتراجم میں دیکھ سکتے ہیں۔ ابن خلدون مغربی نے اپنے مقدمہ تاریخ میں لکھا ہے:

"لقد سمعت كثيرا من شيوخنا رحمهم الله تعالىٰ يقولون شرح كتاب البخاری دين على الأمة، يعنون أن احداً من علماء الأمة لم يوف مايجب له من الشرح بهذا الاعتبار".

ترجمہ: میں نے اپنے بہت سے شیوخ سے سنا کہ صحیح بخاری کی شرح امت پر قرض ہے، یعنی کسی نے بھی اس کا وہ حق ادا نہیں کیا، جس کی وہ مستحق تھی۔

اس پر حافظ شمس الدین السخاوی تلمیذ حافظ ابن حجر نے اپنی مشہور کتاب "الضوء اللامع" میں لکھا کہ میرے شیخ حافظ ابن حجرؒ نے اس کا حق ادا کردیا ہے۔

حضرت شیخ الہندؒ فرماتے تھے "مگر حافظ سے الابواب والتراجم کا حق ادا نہیں ہوا۔ بہت سے ابواب وتراجم ابھی تک تشنہ تحقیق ہیں"، مولانا یوسف بنوری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

"لو كمل ماحاوله مولانا شيخ الهند رحمه الله تعالىٰ من شرح أبواب الصحيح وتراجمه، لقضى دين التراجم إن شاء الله تعالىٰ،

والأسف أنه لم يكمل ماحاوله، مع هذا فالقطعة التى ألّفها وطبعت اليوم صارت للمستفيدين نبراسًا ومعيارًا".(١)

ترجمہ: اگر حضرت شیخ الہند صحیح بخاری کے ابواب وتراجم کی شرح مکمل فرمالیتے تو تراجم کا قرض ادا ہوجاتا، لیکن افسوس کہ وہ پورا نہیں ہوا' تاہم وہ حصہ جو آپ نے تحریر کیا اور طبع ہوچکا ہے، استفادہ کرنے والوں کے لئے معیار بن چکا ہے۔

راقم آثم عرض کرتا ہے کہ حضرت گنگوہی قدس اللہ سرہ کی تقریر بخاری اور محدث العصر برکۃ الدھر حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا کاندھلوی ثم مدنی کی شرح لامع الدراری اور مقدمہ میں بیان کردہ سو سے زیادہ اصول جن سے ابواب وتراجم کے حل میں مدد لی جاسکتی ہے، سے بھی یہ قرضہ ان شاء اللہ تعالیٰ ادا ہوگیا۔

اسی طرح شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ کی تقریر ترمذی اگرچہ بہت مختصر ہے، لیکن اس کی بعض مباحث خوب تر ہیں اور ان سے متعارض احادیث میں جمع وتطبیق کے اصول سمجھ میں آتے ہیں اور حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ کی دقتِ نظر اور علومِ حدیث میں مہارت وحذاقت روزِ روشن کی طرح ظاہر ہوتی ہے۔ حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ اپنے وقت میں مسند حدیث تھے اور آپ پر اسنادِ حدیث کا مدار تھا اور حضرت علامہ کشمیری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے:

"ثم تلمذ على الشيخ محمد قاسم شيخنا العدل الحجة، مسند وقته الشيخ محمود حسن ، متع الله المسلمين بطول بقائه' وهو شيخ المدرسة الآن ، وعليه المدار فى الاسناد فى هذه البلاد' وهو على طريقة مشائخه ، ساعده التوفيق الإلٰهى فى التوفيق بين المتعارضات، وحل المشكلات". (٢)

ترجمہ: ''حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ سے ہمارے شیخ' عدل' حجت'

---

(١) نفحة العنبر ، ص: ١٠٤.

(٢) تقریر حضرت محدث کشمیری رحمۃ اللہ علیہ از نفحة العنبر ، ص: ٨١.

مسند وقت حضرت مولانا محمود حسن نے تلمذ حاصل کیا' اللہ تعالیٰ مسلمانوں کو ان کی زندگی سے فائدہ دے' وہ آج کل مدرسہ کے شیخ الحدیث ہیں اور ان پر ہمارے ملک میں اسناد حدیث کا مدار ہے اور وہ اپنے مشائخ کے طریقہ پر قائم ہیں' اللہ تعالیٰ نے ان کو متعارض روایات کے درمیان تطبیق دینے اور مشکلات کے حل کرنے میں خاص توفیق سے نوازا ہے"۔

اس مسندِ وقت سے حضرت علامہ کشمیری رحمۃ اللہ علیہ نے حدیث میں تلمذ حاصل کیا۔ صحیح بخاری، جامع ترمذی، سنن ابی داؤد اور صحیح مسلم حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ سے پڑھیں۔ صحیح بخاری نہایت ہی اہتمام سے پڑھی کہ بخاری شروع ہونے سے قبل عمدة القاری للعلامہ العینی رمضان اور شوال کی ابتدائی تاریخوں میں پوری ختم کرلی اور اس کے ساتھ ساتھ فتح الباری للحافظ ابن حجر کا مطالعہ شروع کردیا۔ عموماً مطالعہ درس کے ساتھ ہی ساتھ چلتا۔ شاہ صاحب فرماتے تھے: کبھی کبھی مطالعہ درس سے زیادہ ہوجاتا' ایک مرتبہ سترہ روز بیمار رہا' بڑی فکر ہوئی' لیکن جب درس میں حاضر ہوا تو معلوم ہوا کہ میرا مطالعہ جہاں پہنچا تھا' درس وہاں تک ابھی نہیں پہنچا۔ حضرت بنوریؒ کے الفاظ ہیں:

"ولكن لما حضرت في الدرس ، رأيت أنه لم يصل الدرس إلى موضع بلغت إليه مطالعتي".(۱)

ترجمہ: "لیکن جب میں درس میں حاضر ہوا تو میں نے دیکھا کہ درس ابھی تک وہاں نہیں پہنچا تھا جہاں تک میرا مطالعہ پہنچ چکا تھا"۔

مولانا حکیم عبدالحئیؒ رحمۃ اللہ علیہ نے دارالعلوم دیوبند میں محدث کشمیری رحمۃ اللہ علیہ کے اساتذہ میں حضرت شیخ الہند کے علاوہ' مولانا اسحٰق امرتسری اور مولانا خلیل احمد صاحب انبیٹھوی کو بھی ذکر کیا ہے(۲)۔

حضرت محدث کشمیری کی سیرت نگاری ہمارا مقصود نہیں، اس لئے ان کے حالات

---

(۱) نفحة العنبر، ص: ٤٩.

(۲) نزهة الخواطر، ج: ٨، ص: ٨١

زندگی کی تفصیل آپ اس مضمون میں نہیں پائیں گے۔ مختصراً یہ کہ حضرت انور شاہ کشمیری رحمۃ اللہ علیہ دار العلوم دیوبند سے نہایت اعزاز واکرام وامتیاز کے ساتھ فارغ ہوئے۔ فراغت کے بعد دہلی کے ''مدرسہ عبد الرب'' میں استاذ مقرر ہوئے۔ پھر مولانا محمد امین کی معیت اور رفاقت میں ''مدرسہ امینیہ دہلی'' کی بنیاد ڈالی اور وہاں کام کیا' اور قیام دہلی کے زمانہ میں ایک غیر مقلد اور ایک بدعتی سے مناظرہ بھی ہوا۔ اسی زمانہ میں علم غیب پر فارسی میں ایک رسالہ لکھا، پھر کشمیر چلے گئے۔ وہاں ''فیض عام'' کے نام سے ایک مدرسہ قائم کیا۔ اس کے بعد حج اور زیارت سے سرفراز ہوئے۔ دوسری مرتبہ اپنے شیخ سے ملاقات کے لئے دیوبند تشریف لائے اور اہل مدرسہ کے اصرار پر شادی کی اور دار العلوم دیوبند کے مدرس مقرر ہوئے۔ حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ نے بوقت سفر حجاز اپنا قائم مقام بنایا۔ حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ کی غیر موجودگی میں اور حضرت کی وفات کے بعد دار العلوم کے صدر مدرس اور شیخ الحدیث مقرر ہوئے۔

نزہۃ الخواطر میں ہے:

"ولما سافر شيخه العلامة محمود حسن إلى الحجاز سنة ثلاث وثلاثين وثلث مائة وألف ، وكان ينوي الإقامة الطويلة هناك، استخلفه فى تدريس الحديث، وولاه رياسة التدريس فى ديو بند، فاشتغل بتدريس سنن الترمذى وصحيح البخارى، وانتهت إليه رياسة تدريس الحديث فى الهند، وبقي مشتغلاً به مدة ثلاث عشرة سنة في تحقيق وإتقان، وتوسع فى نقل المذاهب ودلائلها، واستحضار النقول واطلاع على دواوين السنة، وشروح الحديث وكتب المتقدمين. أكبرهم التطبيق بين الحديث والفقه، ينتصر المذهب الحنفى، ويقيم الدلائل على صحته وأرجحيته، وقد نفع الله بدرسه خلقاً كثيراً، وتخرج على يده عدد

كثير من الفضلاء، واشتغلوا بتدريس الحديث ونشر العلوم.(۱)

ترجمہ: ''اور جب آپ کے شیخ علامہ محمود حسن نے ۱۳۳۳ھ میں سفرِ حجاز اختیار فرمایا اور ان کا ارادہ وہاں زیادہ مدت تک قیام کا تھا تو تدریسِ حدیث میں مولانا انور شاہ کو اپنا قائم مقام بنایا اور صدر مدرسی کا منصب بھی آپ کو عطا کیا' سنن ترمذی اور صحیح بخاری پڑھاتے رہے' ہندوستان میں تدریسِ حدیث کے مدار بن گئے اور تیرہ سال تک تحقیق واتقان' مذاہب کے نقل کرنے اور ان کے دلائل کے بیان کرنے میں توسع اور نقول کا استحضار آپ کی خصوصیت تھی، کتبِ حدیث اور شروحِ حدیث اور قدماء کی کتابوں سے واقفیت میں ممتاز تھے' آپ کا بڑا مقصد حدیث اور فقہ میں تطبیق دینا، مذہب حنفی کی نصرت اور اس کی صحت پر دلائل قائم کرنا تھا' اور آپ کے درس سے ایک بڑی مخلوق کو فائدہ پہنچا اور آپ سے پڑھ کر فضلاء کی ایک جماعت نکلی جو حدیث کی تدریس اور علم کی خدمت میں مشغول رہی''۔

دارالعلوم دیوبند میں ایک فتنہ واقع ہوا، جس سے دلبرداشتہ ہو کر آپ ڈابھیل سورت چلے گئے' آپ کی وجہ سے ڈابھیل کا معمولی مدرسہ دارالعلوم بن گیا' علم وعرفان وحدیث نبوی کے علوم کے چشمے سورت میں بہنے لگے اور سورت اور گجرات کا علمِ حدیث میں عہدِ رفتہ لوٹ آیا' پانچ سال وہاں آپ کا قیام رہا' مرض کا غلبہ ہوا، دیوبند تشریف لائے' شب دوشنبہ صفر ۱۳۵۲ھ کی تیسری تاریخ کو اپنے رب سے جا ملے۔ حضرت میاں اصغر حسین دیوبندی رحمۃ اللہ علیہ نے نماز جنازہ پڑھائی اور قصبہ سے باہر ایک باغ میں دفن ہوئے۔

حضرت بنوری رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے ڈابھیل کے زمانہ قیام میں ترمذی اور بخاری پڑھی، جس کا ذکر پہلے آچکا ہے۔ حضرت محدث کشمیری رحمۃ اللہ علیہ کے مآثر علمیہ، علوم قرآن وسنت، فقہ واصول، منطق، ریاضی، فلسفہ، ادب وشعر میں آپ کی حذاقت اور مہارت ہمارا موضوع نہیں' حدیث میں آپ کا کام اور اس سلسلہ میں آپ نے جو نئی طرحیں ڈالی ہیں' ان کا بقدرِ استطاعت باختصار بیان مقصود ہے۔

---

(۱) نزهة الخواطر، ص: ۸۱.

وسعت معلومات: علم حدیث کے لئے غیر معمولی حافظہ، ذکاوت، قوتِ مطالعہ، متون وشروح حدیث کی اطلاع، رجال وتاریخ، جرح وتعدیل، طبقات رواۃ کی واقفیت، تقویٰ، زہداور ورع درکار ہے۔ان میں سے ہر ایک میں قدرت نے آپ کو وافر حصہ عطا فرمایا تھا، حافظہ کا یہ عالم تھا کہ فتح القدیر جیسی کتاب جو فقہ وحدیث، اصول، جدل وخلاف میں بے عدیل کتاب ہے، ۱۳۲۱ھ میں بیس سے کچھ اوپر دنوں میں مطالعہ کی تھی اور کتاب الحج تک تلخیص بھی کی تھی اور کمال ابن الہمام نے صاحب الہدایہ پر جو اعتراضات کئے تھے ان کے جوابات بھی دیئے تھے۔ یہ سب کچھ بیس سے زیادہ دنوں میں کیا' پھر کبھی مراجعت کی ضرورت نہیں آئی اور جب ۱۳۴۷ھ میں دورۂ حدیث کے درس میں اس کتاب کا حوالہ دیا تو فرمایا:

''چھبیس سال ہوئے پھر مراجعت کی ضرورت نہیں پڑی اور جو مضمون اس کا بیان کروں گا، اگر مراجعت کروگے' تفاوت کم پاؤ گے۔''(۱)

مسند احمد کا مطالعہ شروع کیا' تمام مشاغل کے ساتھ دوسو صفحے روزانہ مطالعہ کا اوسط تھا' سرسری نہیں بلکہ متون واسانید میں تفکر وتدبر اور حل مشکلات کے ساتھ۔ پھر اس سے ادلۂ حنفیہ منتخب کئے، اور جب کسی موقعہ پر حوالہ دیتے تو متن کی صحت اور رواۃ کے احوال، ضبط تام کے ساتھ بیان فرماتے۔ دوسری مرتبہ پھر اس کتاب کو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے نزول کی احادیث جمع کرنے کے لئے مطالعہ کیا۔ حضرت مولانا حسین احمد مدنی رحمۃ اللہ علیہ حضرت محدث کشمیری رحمۃ اللہ علیہ کا قول نقل فرماتے تھے:

"إذا طالعت كتاباً مرتجلاً و لم أرد ادخار مباحثه، يبقى فى حفظى إلى نحو خمس عشرة سنة".

''جب میں کسی کتاب کو جلدی میں دیکھتا ہوں اور اس کی مباحث محفوظ رکھنے کا ارادہ نہیں ہوتا تو میرے حافظہ میں اس کے مباحث پندرہ سال تک باقی رہتے ہیں''۔

حضرت محدث کشمیری رحمۃ اللہ علیہ کے مطالعہ کا طریقہ عام علماء مدرسین کے مطالعہ

---

(۱) نفحة العنبر، ص: ٢٦.

سے مختلف تھا' عام مدرسین اور اصحاب افتاء کتاب اس وقت دیکھتے ہیں جبکہ ان کو درس، فتویٰ اور تصنیف وتالیف میں ضرورت ہوتی ہے۔

حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کو جو بھی کتاب مل جاتی خواہ کسی موضوع کے متعلق ہو' مطبوع ہو یا مخطوط اور کسی بھی علم کے متعلق ہو، آپ اس کو ضرور مطالعہ فرماتے، علم حدیث میں آپ نے صحاح ستہ کے علاوہ مسند دارمی، مسند احمد، المنتقیٰ لابن الجارود، مستدرک حاکم، سنن الدارقطنی، مصنف ابن ابی شیبہ، مجمع الزوائد للحافظ نور الدین الہیثمی، جامع الصغیر، کنز العمال للشیخ علی المتقی کا مطالعہ کیا تھا، ان کے علاوہ مطبوعات اور مخطوطات میں سے حدیث کی جو بھی کتاب ملی، ہندوستان کے کتب خانوں میں یا حرمین کے کتب خانوں میں، وہ آپ نے مطالعہ کی۔

شروح حدیث میں دو سو سے زیادہ کتابیں مطالعہ کیں۔ صحیح بخاری کے متعلق تقریباً تیس سے زیادہ شرحیں دیکھیں۔ فتح الباری، عمدۃ القاری، ارشاد الساری کو بار بار دیکھا' صحیح بخاری کا تیرہ مرتبہ اس طرح مطالعہ کیا کہ صرف متن پر غور کیا، حواشی اور بین السطور کو قطعاً نہیں دیکھا اور فرماتے تھے کہ: ہر مرتبہ نئے علوم و معارف سامنے آئے جو اس سے پہلے نہیں آئے تھے۔(۱)

طبقات ورجال کے متعلق حضرت بنوری رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

"حافظاً مستوعباً للطبقات والتاريخ والسيرحتى صار رحلة فى الأقطار لشرح مشكل الآثار ومسندا ثبتًا لمعانى منتقى الأخبار"(۲)

ترجمہ:"رواۃ کے طبقات، تاریخ اور سیرت کے حافظ تھے، یہاں تک کہ مشکل احادیث کی شرح میں آپ کی طرف رجوع کیا جاتا ہے"۔

حافظ ابن حجر کی شرح فتح الباری کے بڑے مداح تھے' البتہ کبھی کبھی اس پر نقد فرماتے کہ حافظ نے فتح الباری میں یہ بات نہیں لکھی' تلخیص الحبیر میں تحریر فرمائی ہے، کبھی

---

(۱) نفحة العنبر ، ص : ٤٩.

(۲) نفحة العنبر ، ص : ٢٥ .

فرماتے کہ: تہذیب التہذیب میں فلاں راوی کے ترجمہ میں یہ بات لکھی۔

غرض اللہ تعالیٰ نے حدیث اور علومِ حدیث میں آپ کو وافر حصہ عطا فرمایا تھا۔

حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے اساتذہ اور اساتذہ کے اساتذہ کا مطمح نظر تفقہ فی الحدیث تھا، خود حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ دار العلوم دیوبند کی بناء کی غرض بیان فرماتے ہیں:

"وغاية المدرسة درس الحديث وفقه الحديث"(۱)

ترجمہ: مدرسہ کی بنیاد کی غرض درسِ حدیث اور فقہ حدیث ہے۔

حضرت شاہ ولی اللہ دہلوی رحمۃ اللہ علیہ نے تفقہ کے اصول مرتب کئے اور حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ نے فروع کو اس پر منطبق کیا' حضرت کشمیری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

"وكثرت الفتيا وازدحمت المسائل على الشيخ رشيد أحمد، حين التبس الحق بالباطل، فأجاب فيها بالصواب، كان فقيهًا مجتهداً فاخذنا ذلك إمامًا فى الأصول، وهذا إمامًا فى الفروع".(۲)

[ذلك إشارة إلى العلامه الدهلوى رحمة الله عليه]

ترجمہ: ''جب حق و باطل کا التباس ہوا تو حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں کثیر استفتاء اور سوالات آنے لگے' انہوں نے ہر سوال کا جواب بالصواب دیا، وہ فقیہ، مجتہد تھے۔ پس ہم نے ان کو (شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ) کو اصول میں اور ان کو فروع میں مقتداء ٹھہرایا''۔

غرض تفقہ فی الحدیث اور فقہ حنفی کی نصرت اب تک علماء دیوبند کی درس کی خصوصیت تھی' رجالِ طبقات رواۃ، عللِ حدیث، طرق حدیث کی تحقیق جو قدماء محدثین کا طریقہ تھا، اس سے اعتناء کم تھا۔ محدث کشمیری رحمۃ اللہ علیہ جب درسِ حدیث میں داخل

---

(۱) نفحة العنبر، ص: ۷۷

(۲) نفحة العنبر، ص: ۷۷.

ہوئے تو آپ نے جہاں درس حدیث کا یہ نیا طریقہ اختیار کیا' وہاں قدماء محدثین کے علوم زندہ کردیئے۔ ان فنون میں گفتگو کرنے کے لئے قوت حافظہ اور وسعت معلومات کی ضرورت تھی اور یہ سب کچھ حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کو حاصل تھا' اس لئے ان فنون میں دخل دینا موصوف کا حق تھا' رجال' طرق اور علل کی بحث کی ضرورت اس لئے بھی تھی کہ غیر مقلدین کے سرخیل نواب صدیق حسن بھوپالی اور میاں نذیر حسین دہلوی اور ان کے تلامذہ وغیرہ نے رفع یدین، آمین بالجہر اور اس قسم کے سینکڑوں اختلافی مسائل پر کتابیں اور رسالے لکھنے شروع کردیئے تھے اور اس کے ذیل میں رواۃ اور طبقات کی بحثیں زندہ ہوگئی تھیں۔ دوسری طرف مولانا ابوالحسنات محمد عبدالحی لکھنوی رحمۃ اللہ علیہ جن کے پاس جامع کتب خانہ موجود تھا، قدماء کی کئی کتابیں بھی موجود تھیں' وہ رجال، طبقات کی کتابوں کے حوالے دیتے اور بعض مسائل میں محاکمہ کرتے اور حنفیہ کے مسلک کو ضعیف کہتے۔ التعلیق الممجد اور سعایہ میں یہ سب کچھ آپ دیکھ سکتے ہیں۔ غیر مقلدین ان کی تحریریں پیش کرتے اور الزام دیتے کہ ایک حنفی عالم وہ بات کہہ رہا ہے جو ہم کہہ رہے ہیں' اس لئے ضرورت تھی کہ احادیث احکام پر رواۃ کی جرح و تعدیل سے بحث کی جاتی اور حدیث کے طرق جمع کر کے فیصلہ کیا جاتا۔ چنانچہ اس ضرورت کو حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے نہ صرف پورا کیا' بلکہ حق ادا کردیا۔ علاوہ ازیں اب تک حنفیہ کے ادلہ کا سرمایہ طحاوی، فتح القدیر اور عمدۃ القاری تک محدود تھا۔ حضرت شاہ صاحب نے اس میں اضافہ کیا۔ حضرت بنوری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔ (یہ حضرت بنوری رحمۃ اللہ علیہ کا ایک ملفوظ ہے، جس کو مولانا محمد امین صاحب مدرس مدرسہ عربیہ اسلامیہ و رفیق مجلس دعوت و تحقیق اسلامی نے قلم بند کیا ہے۔ موصوف کے شکریہ کے ساتھ نقل کیا جاتا ہے۔)

"۲ ذیقعدہ ۱۳۹۶ھ بروز منگل بعد از نماز عصر عقب مسجد کے سبزہ زار میں شرح معانی الآثار پر کام کی مناسبت سے محقق العصر حضرت الاستاذ الشیخ البنوری رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: امام طحاوی بڑے وسیع النظر انسان ہیں، ہر موضوع پر اتنا مواد جمع کر کے پیش کرتے ہیں کہ عقل حیران ہے' آپ نے جو علمی سامان فراہم کیا ہے' اس کی اگر تنقیح ہوجائے تو حنفیہ کے

لئے کافی ثابت ہو۔ چند مباحث میں کمی نظر آتی ہے۔ ان کی تکمیل حضرت محدث کشمیری رحمۃ اللہ علیہ کے علوم و معارف سے کی جاسکتی ہے۔ امام طحاوی رحمۃ اللہ علیہ کے پایہ کا آدمی کہیں نظر نہیں آتا' نہ دارقطنی ان کے مقام تک پہنچ سکتا ہے، نہ خطیب، نہ بیہقی نہ کوئی اور۔ البتہ ان تینوں حضرات کو ملا کر اگر ایک پلڑے میں ڈالا جائے تو امام طحاوی رحمۃ اللہ علیہ کے برابر ہوں گے، لیکن پھر بھی درایت کے لحاظ سے امام طحاوی رحمۃ اللہ علیہ کا پلہ بھاری رہے گا' اس لئے کہ طحاوی کی عقلیت بے نظیر ہے' وہ حدیث میں بھی چلتی ہے، تفسیر میں بھی اور کلام میں بھی۔ حالانکہ مذکورہ بالا تینوں شخصیتوں میں سے ہر ایک اپنی جگہ پر بڑی بھاری شخصیت ہے۔ طحاوی رحمۃ اللہ علیہ کے بعد پھر حنفیہ میں ایک ہزار سال تک کوئی ایسا آدمی نہیں آیا جس نے امام طحاوی رحمۃ اللہ علیہ کے فراہم کردہ علوم پر اضافہ کیا ہو، اِلّا مولانا محمد انور شاہ...... کہ ان کے ہاں یہ اضافے ملتے ہیں۔ علامہ ماردینی کے پاس کچھ زوائد و فوائد ہیں۔ بیہقی وغیرہ پر گرفت کرتے ہوئے بعض قابل قدر چیزیں ذکر کی ہیں' ان کے شاگرد حافظ زیلعی رحمۃ اللہ علیہ کے پاس اگرچہ کافی سامان ہے، مگر استعمال میں نہیں لائے' ایک تو مزاج صوفیانہ ہے، پھر ان کے مشائخ میں اکثر شوافع ہیں' یہ چیزیں مانع رہی ہیں۔ رہے ابن الہمام رحمۃ اللہ علیہ تو ان کی فتح القدیر ابن حجر کے استدلال کا جواب فراہم نہیں کرسکی' بہت کچھ لکھا ہے، مگر فتح الباری کا توڑ نہیں۔ حافظ بدر الدین العینی رحمۃ اللہ علیہ نے بھی بہت کچھ لکھا ہے، لیکن ان کے کلام میں زور نہیں ہے۔ ہمارے اکابر دیوبند توجیہات کے باب میں بہت آگے ہیں' حضرت شاہ عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ اور ان کے بعد حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ نے بہترین توجیہات پیش کی ہیں۔ جبکہ حضرت شاہ عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ کے بعد حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ وہ واحد شخص ہیں جنہوں نے محض اپنے نورِ قلب سے حدیث کی مشکلات حل کی ہیں اور کچھ تھوڑا سا حصہ حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ کو بھی اس سے ملا ہے۔ ان حضرات کی توجیہات اپنی جگہ بہت اہم اور وقیع ہیں' لیکن مخالف پر حجت نہیں بن سکتیں' احادیث کے ذخیرہ میں سے اتنا مواد جمع نہیں کیا کہ غیر پر حجت بن سکے۔ یہ کام حضرت انور شاہ صاحب نے کیا۔ ہمارا ارادہ ہے کہ امام طحاوی رحمۃ اللہ

علیہ کی بحث جن مسائل میں ناکافی ہے وہاں تعلیقات کی صورت میں حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے علوم سے استفادہ کر کے اضافہ کریں، یہ بیک وقت دین، حدیث اور حنفیت کی بڑی خدمت ہوگی اور اپنے مسائل پر حنفیہ کے لئے بھی کچھ کافی رہے گا۔"

حضرت محدث کشمیری رحمۃ اللہ علیہ نے "اصول حدیث" میں بھی اضافے کئے۔ مثلاً تواتر کی منقح تقسیم کی، تواتر کی اقسام اربعہ کو ذکر کیا:

① تواتر الاسناد ② تواتر الطبقہ

③ تواتر التعامل ④ تواتر القدر المشترک (۱)

علامہ شبیر احمد عثمانی رحمۃ اللہ علیہ مقدمہ فتح الملہم میں فرماتے ہیں:

"وهذه الأقسام الأربعة للتواتر وإن كانت جزئياتها منتشرة فى كتبهم، لكنهم لم يكونوا يذكرونها عند التقسيم، وأول من ربّع القسمة وسمى كل قسم باسمه فيما نعلم الشيخ العلامة الأنور أطال الله بقاءه (قدس الله سره) وهو تقسيم حسن. (۲)

ترجمہ: "تواتر کی یہ چار قسمیں ہیں، اگرچہ ان کی جزئیات کتب اصول میں منتشر و پراگندہ تھیں، لیکن تواتر کی تقسیم کے وقت لوگ ان کو بیان نہیں کرتے تھے، سب سے پہلے (ہمارے علم کے مطابق) جس نے چار قسمیں بیان کیں اور ہر قسم کا علیحدہ نام رکھا، وہ شیخ علامہ انور شاہ ہیں اور یہ بہتر تقسیم ہے"۔

اسی طرح حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے حدیث صحیح کی چار قسمیں ذکر کیں، اس کے ساتھ حدیث غریب کی اقسام ذکر کیں۔ معارف السنن پر بحث کے موقع پر ان کی تفصیل آپ پڑھیں گے۔ علاوہ ازیں حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے تعبیرات تبدیل کیں، رجال کے متعلق بعض غلطیوں کی نشاندہی کی، رجال و رواۃ حدیث کے متعلق ایک ضابطہ

---

(۱) إكفار الملحدين.

(۲) مقدمه فتح الملهم.

ذکر فرمایا:

"ولم أكثر من نقل كلامهم فى الرّجال ومافيه من كثرة القيل والقال، لأنه ليس عندى كبير ميزان فى الاعتدال، وبعضهم يسكت عند الوفاق ويجرح عند الخلاف".(۱)

ترجمہ:"رجال کے سلسلہ میں، میں نے زیادہ اقوال ذکر نہیں کئے اور نہ اس میں زیادہ قیل وقال ذکر کی، کیونکہ میرے پاس اس سلسلہ میں بجانب اعتدال کوئی میزان نہیں ہے'لوگوں کی عادت یہ ہے کہ اتفاق کی صورت میں سکوت اختیار کرتے ہیں اور اختلاف کی صورت میں جرح کردیتے ہیں"۔(۲)

حدیث کے اعلال کے بارے میں فرمایا:

"والذى ينبغى أن يعتمد فيه، أن ماصح سنده اصطلاحاً ثم وجد عمل بعض السلف فهو صحيح فِى الواقع لايسمع فيه إعلال وتعلل، كما يفعله الناس من النقد عند الخلاف، والمسامحة عندالوفاق".(۳)

ترجمہ:"اس سلسلے میں اس بات پر اعتماد کرنا چاہئے کہ اصطلاح کے لحاظ سے جس حدیث کی سند صحیح ہواور پھر بعض سلف کا عمل بھی اس پر ثابت ہوتو وہ حدیث واقعی صحیح ہے'اس میں اعلال وتعلیل کی کوئی شنوائی نہیں ہوگی۔جیسا کہ لوگوں کی عادت ہے کہ اختلاف کے وقت توتنقید کردیتے ہیں اور اتفاق کے موقع پر چشم پوشی کرتے ہیں"۔

---

(۱) نيل الفرقدين فى مسئلة رفع اليدين.

(۲) مثلاً امام ابوبکر بیہقی نے اپنی کتاب الاسماء والصفات میں محمد بن اسحٰق پر جرح کردی اور کتاب الفاتحہ خلف الامام میں توثیق کردی۔(راقم)

(۳) نيل الفرقدين ، ص:۱۳۵، ۱۳۶.

علاوہ ازیں حنفیہ رحمہم اللہ تعالیٰ کی بعض تعبیرات تبدیل کیں اور ایسی تعبیرات اختیار کیں جن پر اعتراض واقع نہ ہو یا کم سے کم واقع ہو۔ مثلاً حنفیہ کی مشہور تعبیر یہ ہے کہ خبر واحد سے کتاب اللہ پر زیادتی نہیں ہوسکتی۔ حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ اس کی تعبیر یوں فرماتے تھے کہ کتاب اللہ پر خبر واحد سے زیادتی جائز ہے، لیکن رکنیت اور شرط کے مرتبہ میں نہیں، بلکہ وجوب یا سنیت کے مرتبے میں۔ یہ تو ایک مثال ہے، اس کے علاوہ دوسری مثالیں بھی موجود ہیں۔

محدث کشمیری رحمۃ اللہ علیہ کا درس خصوصاً درس بخاری بھی ممتاز اور بے نظیر خصوصیات کا حامل ہوتا تھا، بس اس کی تفصیل نفحۃ العنبر اور فیض الباری کے مقدمہ میں دیکھی جاسکتی ہے۔

حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی حدیث اور علوم حدیث میں یہی خصوصیات تھیں، جنہوں نے ان کو مسند وقت اور امام بنا دیا تھا۔ حضرت رحمۃ اللہ علیہ کی وفات پر محقق شبیر احمد عثمانی رحمۃ اللہ علیہ نے تعزیتی جلسہ میں جو دل ہلا دینے والی تقریر کی تھی، اس میں فرمایا تھا:

"اگر تم مجھ سے پوچھو کہ تم نے حافظ ابن حجر عسقلانی، حافظ تقی الدین بن دقیق العید، سلطان العلماء، عزالدین بن عبدالسلام رحمہم اللہ تعالیٰ کو دیکھا تھا تو اگر میں ہاں کہہ دوں تو سچا ہوں گا، کیونکہ میں نے انور شاہ کو دیکھا تھا، کیونکہ اگر انور شاہ ان علماء کے دور میں ہوتے تو یہی ہوتے۔ (۱)

ایک دوسرے موقع پر حضرت عثمانی رحمۃ اللہ علیہ نے محدث کشمیری رحمۃ اللہ علیہ کی وفات کو علاماتِ قیامت میں سے قرار دیا۔ علوم حدیث میں محدث کشمیری رحمۃ اللہ علیہ کا فضل و کمال اس سے بھی واضح ہے کہ آپ کے عہد کے کبار علماء، بلکہ آپ کے اساتذہ آپ سے معلومات حاصل کرتے تھے۔ حضرت عثمانی رحمۃ اللہ علیہ کے بہت سے واقعات نفحۃ العنبر میں دیکھے جاسکتے ہیں اور وفات پر تقریر کرتے ہوئے فرمایا کہ: اب مشکلاتِ علوم میں کون راہنمائی کرے گا؟

---

(۱) نفحة العنبر، عربی سے ترجمہ۔

مشہور محدث مولانا ظہیر احسن صاحب بہاری صاحب ''آثار السنن'' حدیث کی مشکلات میں آپ سے مشورہ لیتے اور استفادہ کرتے، بلکہ اپنی کتاب کے اجزاء آپ کے پاس بھیجتے رہتے تھے' آپ کی تصویب کے بعد ان کو شائع کیا جاتا۔ نیل الفرقدین میں ایک جگہ خود فرماتے ہیں:

''وقد كان الشيخ النيموى المرحوم حين تأليفه ذلك الكتاب يرسل إليّ قطعةً قطعةً حتى إني كنت مرافقِا فيه وزدت عليه أشياء كثيرة بعده''.(۱)

ترجمہ: ''شیخ نیموی مرحوم اپنی کتاب کی تالیف کے وقت میرے پاس اس کے اجزاء بھیجتے رہتے تھے' اس کتاب کی تالیف میں میری بھی رفاقت رہی ہے' میں نے ان کے بعد اس کتاب پر بہت کچھ اضافہ کیا ہے''۔

آثار السنن کے حواشی پر حضرت محدث کشمیری رحمۃ اللہ علیہ کی تحریرات راقم نے خود دیکھی تھیں، یہ آثار السنن مولانا بنوری رحمۃ اللہ علیہ کے پاس تھی اور آپ نے شرح ترمذی معارف السنن میں اس سے استفادہ بھی کیا ہے۔ حضرت بنوری رحمۃ اللہ علیہ کو یہ خزینہ بے بہا مل گیا تھا اور معارف السنن نے ان حواشی وتحریرات کو اپنے سینہ میں جمع کرلیا ہے، وللہ الحمد۔ حکیم الامت مولانا تھانوی رحمۃ اللہ علیہ مشکلاتِ علوم اور مسائل میں آپ سے استصواب فرماتے تھے۔ حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کی دو تحریریں اس سلسلہ میں نفحۃ العنبر کے آخر میں دیکھی جاسکتی ہیں۔

علامہ محدث فقیہ مولانا خلیل احمد صاحب ''بذل المجہود'' اس کتاب مستطاب کی تالیف کے وقت آپ سے استصواب فرماتے تھے۔(۲)

حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ حدیث کی مشکلات کے سلسلہ میں آپ سے پوچھتے

---

(۱) نيل الفرقدين، ص: ٥٦.

(۲) نفحة العنبر.

''کیا آپ نے اس بارے میں کسی کا قول دیکھا ہے۔کیا اس مشکل کا حل آپ کے پاس ہے؟''(۱)

محقق عثمانی رحمۃ اللہ علیہ نے آپ کے بارے میں ایک حقیقت سے پردہ اٹھایا ہے، حضرت عثمانی رحمۃ اللہ علیہ کی تقریر کا ایک جملہ ہے جو آپ نے تعزیتی جلسہ میں کہا۔ حضرت بنوری رحمۃ اللہ علیہ نے عربی میں اس کو اس طرح تحریر فرمایا ہے:

"ولكن الذى هو أكبر مزاياه عندى،-أنه كان خبيرا مطلعا على أرواح العلوم وحقائقها وهٰذه هى غاية معارج العلم ونهاية مدارجه".

ترجمہ:''آپ کی سب سے بڑی خصوصیت یہ تھی کہ آپ علوم کی روح اور اس کے حقائق سے واقف تھے اور یہ علم کی معراج اور اس کا کمال ہے''۔

حضرت بنوری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

"فلذا اشتهر فى العالم الإسلامى بالمحدث وشيخ الحديث فصار الحديث له شعار ودثار".(۲)

ترجمہ:''عالم اسلامی میں آپ محدث اور شیخ الحدیث کے لقب سے مشہور ہوئے۔ حدیث آپ کا اوڑھنا بچھونا تھی''۔

مسلکِ علماء دیوبند کے مدارس واداروں میں آپ کے درس کا طریقۂ درس حدیث عام ہو گیا۔حضرت بنوری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

"فشاعت اليوم بأكثر المعاهد الدينية طريقته العذراء فى الدرس والتأليف".

---

(۱) نفحة العنبر ، ص : ۹۹

(۲) نفحة العنبر ، ص: ۹۹.

ترجمہ: ''پس آج اکثر دینی مدارس میں آپ ہی کا طریقہ درس وتدریس و تألیف رائج ہے''۔

آخر میں مولانا محمد یوسف کیمبل پوری کے مقابلہ عربی کا ایک اقتباس نقل کیا جاتا ہے جو حضرت محدث کشمیری رحمۃ اللہ علیہ کی خصوصیات کا آئینہ دار ہے، ''نفحة العنبر'' میں یہ مقالہ موجود ہے۔(۱)

''وكان يجرى على طراز الأولين فى تحقيق الحديث، وكان بحاثة نقادة للحديث لم يكن فوق اديم الأرض أعلم منه قرآنا وحديثا وفقها وكلامًا ولغةً وعربيةً وتصوفاً، و كان حاذقا فى علوم المعقول بأنواعها، وكان يحض أصحابه على مطالعة كتب فحول الحفاظ وشراح الحديث، وكان كلمة الحكمة ضالته فاستفاد منه رجال لايحصيهم عدد، واستفاض منه فحول عصره فى الفتاوى والمشكلات، فاغتبط العلماء بحاله، وجروا على محجته فازدادوا تحقيقًا ومطالعة للحديث وتركوا الجمود فارتقوا إلى ذروة العلى، فكان خاتم المحدثين فى الهند وإمام هذه النشأة العلمية الحديثة مبهتا، وكان الناس قبيل هذا العصر يكتفون بأدنى الحظ فى الحديث، وكان غاية سعيهم أنهم إذا اطلعوا على حديث يخالف مذهب واحد من أئمة الاجتهاد تصدوالتأويله من دون أن يستفزوا طرق الحديث وما فى طرقه من الاختلاف''.

ترجمہ: ''آپ حدیث کی تحقیق میں متقدمین کے طرز پر چلتے تھے، حدیث کی بحث وتنقید کے فن میں امام تھے۔ روئے زمین پر ان سے بڑھ کر قرآن وحدیث، فقہ وکلام، لغت و

(۱) ص:۲۲۲

عربیت اور تصوف کا عالم نہیں تھا' ہر نوع کے عقلی علوم کا ماہر تھا' اپنے تلامذہ کو چوٹی کے حفاظ اور شارحینِ حدیث کی کتابوں کے مطالعہ کی ترغیب دیتے تھے' کلمہ حکمت ان کی متاعِ گم گشتہ تھی' ان سے بے شمار لوگوں نے استفادہ کیا اور اپنے زمانے کے سر برآوردہ حضرات نے فتاویٰ و مشکلات میں ان سے فیض پایا، علماء کے لئے ان کی شخصیت لائقِ رشک تھی' اس لئے سب نے انہی کی روش اختیار کی اور جمود کو چھوڑ کر تحقیق اور مطالعۂ حدیث میں کافی ترقی کی' نتیجہ یہ نکلا کہ وہ سب کمال کی بلندیوں کو پہنچ گئے' الغرض آپ ہندوستان میں خاتم المحدثین اور حدیث کی نشاۃ جدیدہ کے امام تھے' ان کے دور سے پہلے لوگ حدیث میں معمولی حصہ پر اکتفا کرتے تھے' اور ان کی انتہائی کاوش یہ ہوتی تھی کہ جب کوئی ایسی حدیث سامنے آئے جو ائمہ مجتہدین میں سے کسی کے فقہی مسلک کے خلاف ہو تو اس کی تاویل کے درپے ہوں بغیر اس کے کہ طرقِ حدیث کو تلاش کر کے اختلافِ طرق کا سراغ لگائیں''۔

محقق العصر حضرت عثمانی رحمۃ اللہ علیہ نے فتح الملہم میں آپ کے بارے میں فرمایا:

"سألت الشيخ العلامة التقي النقي الذى لم تر العيون مثله، ولم يرهو مثله، ولو كان في سالف الزمان لكان له شأن فى طبقة أهل العلم عظيم وهو سيدنا ومولانا الأنور الكشميرى أطال الله بقاءه عن تفسير أوائل سورة النجم، وتحقيق رؤية النبى ﷺ ربه، فقرر الشيخ تقريراً حسناً بليغاً جامعاً لأشتات الروايات وأطراف الكلام مبنيًا على أغوار القرآن، فالتمست منه أن يقيده بالكتاب ليتم الفائدة فاستجاب لملتمسى وعلى الله أجره مع وجود الشواغل الكثيرة".(۱)

ترجمہ: ''میں نے سوال کیا شیخ علامہ تقی نقی سے جس کی نظیر آنکھوں نے نہیں دیکھی، اور خود انہوں نے بھی اپنی نظیر نہیں دیکھی، اگر وہ گزشتہ دور میں ہوتے تو اہل علم کے طبقہ میں وہ

(۱) فتح الملهم (۱،۳۳۵)

عظیم الشان امام شمار ہوتے، اور وہ ہیں سیدنا مولانا انور شاہ کشمیری، اللہ تعالیٰ ان کی حیات کو طویل کرے، میں نے ان سے سورۃ نجم کی ابتدائی آیات کی تفسیر دریافت کی، اور یہ کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے حق تعالیٰ کے دیدار کرنے کے بارے میں تحقیق کیا، پس شیخ نے ایسی عمدہ اور بلیغ تقریر فرمائی جو مختلف روایات اور اطراف کلام کی جامع اور قرآن کی گہرائیوں پر مبنی تھی، میں نے آپ سے درخواست کی کہ اس کو قلمبند فرما دیا جائے' تاکہ فائدہ عام ہو۔ چنانچہ آپ نے بہت سی مصروفیتوں کے باوجود میری درخواست قبول فرمائی، اس کا اجر وثواب ان کو اللہ تعالیٰ سے ملے گا"۔

محدث کشمیری رحمۃ اللہ علیہ کی سیرت اور ان کے علوم و معارف کا ایک ہلکا سا تعارف آپ نے پڑھا، اس بحر بیکراں کے علم وعرفان کو سمیٹنے کے لئے ایک دفتر رکار ہے۔ مولانا بنوری رحمۃ اللہ علیہ کو محدث کشمیری رحمۃ اللہ علیہ سے محبت ہی نہیں' بلکہ والہانہ عشق تھا۔ اگرچہ حضرت بنوری رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت شاہ صاحب سے رسمی طور پر استفادہ کم کیا تھا' لیکن عشق اور شیفتگی نے وہ سارے مراحل طے کرا دیئے تھے جو رسمی استفادہ سے بہت کم حاصل کئے جاتے ہیں۔ حضرت بنوری رحمۃ اللہ علیہ نے آپ کے علوم ومعارف کو اپنے قلب میں جذب کرلیا تھا اور زندگی بھر انہی کا تذکرہ وردِ زبان تھا۔ جس سے آپ اپنے شیخ کے جانشین اور ان کے علوم ومعارف کے ترجمان بن گئے تھے۔

دوسری شخصیت جس سے حضرت بنوری رحمۃ اللہ علیہ متاثر تھے اور ان کی تحقیقات کو وقعت واہمیت کی نگاہ سے دیکھتے تھے' وہ حضرت علامہ محمد زاہد الکوثری رحمۃ اللہ علیہ تھے۔

آپ حضرت بنوری رحمۃ اللہ علیہ کے شیخ الاجازۃ بھی تھے اور مولانا نے بزمانۂ قیام مصر ان سے علمی استفادہ کیا تھا' اس لئے ان کا مختصر تذکرہ بھی ضروری ہے۔

علامہ محقق محمد زاہد الکوثری رحمۃ اللہ علیہ

سلسلہ نسب اس طرح ہے:

محمد زاہد بن الحسن الحلمی بن علی رضا بن نجم الدین خضوع الخ ۲۸ شوال ۱۲۹۶ھ کو سہ

شنبہ کے روز' اذانِ فجر کے وقت ''قریۃ الحاج حسن آفندی'' میں پیدا ہوئے جو ''دوزجہ'' سے تین میل کے فاصلہ پر ہے اور ''دوزجہ'' استنبول سے تین مرحلوں پر ہے۔ ابتدائی تعلیم ''دوزجہ'' کے علماء و مدرسین سے حاصل کی۔ ۱۳۱۱ھ میں استنبول آ گئے' یہاں شیخ ابراہیم حقی اور شیخ زین العابدین سے علوم متداولہ پڑھے۔

علوم وفنون میں مہارت حاصل کی۔ عالمیت یا فاضلیت کا امتحان (جس کی ترکی میں بہت اہمیت تھی اور جو شاہی حکم کے صادر ہونے کے بعد علماء کی کمیٹی کی نگرانی میں لیا جاتا تھا) دیا۔ شیخ کوثری رحمۃ اللہ علیہ کے امتحان کے لئے جو کمیٹی تشکیل پائی تھی' اس میں اس دور کے بڑے بڑے علماء نامزد کر دیئے گئے تھے۔ احمد عالم المتوفی ۱۳۲۹ھ اس کمیٹی کے صدر تھے۔ دیگر ارکان میں محمد اسعد الاخسوی (جو بعد میں شیخ الاسلام ہوئے) مصطفی بن عظیم الاختنانی المتوفی ۱۳۳۶ھ' اسمٰعیل زہدی الطوسیوی المتوفی ۱۳۲۷ھ اور دیگر نامور علماء مقرر کئے گئے۔ یہ امتحان پانچ سال کے بعد ہوتا تھا۔ شیخ اس امتحان میں بڑے امتیاز کے ساتھ کامیاب ہوئے۔ شیخ رحمۃ اللہ علیہ کامیابی کے بعد ''جامع فاتح'' میں مدرس مقرر ہوئے۔ یہ زمانہ جنگ عظیم کا تھا۔ اتحادیوں کے قبضہ کے بعد اصلاح کے نام سے ''علوم دینیہ'' کو ختم کرنے کی کوشش جاری تھی۔ سب سے پہلے ان لوگوں نے علوم دینیہ کی مدت کم کرنا چاہی۔ اب تک تعلیم کی مدت پندرہ سال تھی۔ شیخ رحمۃ اللہ علیہ نے اس کی مخالفت کی' بلکہ مدت میں اضافہ کیا اور سترہ سال تک مقرر کرائی۔ اتحادی اس سال بہت ناراض ہوئے اور اس وقت کے شیخ الاسلام کو معزول کرایا اور اپنے حسب منشا خیری آفندی الارکوانی کو شیخ الاسلام مقرر کیا۔ شیخ کوثری رحمۃ اللہ علیہ کو بھی تدریس سے علیحدہ کرنا چاہا' لیکن علوم وفنون میں ان کی مہارت اور طلبہ میں ان کی مقبولیت کی وجہ سے یہ لوگ اپنے مقصد میں کامیاب نہ ہو سکے۔ البتہ شیخ کو دوسری جگہ منتقل کر دیا۔ تین سال کے بعد شیخ وہاں سے استعفیٰ دے کر دوبارہ استنبول آ گئے۔ اسی زمانہ میں استنبول یونیورسٹی میں فقہ کے ایک فاضل استاد کی ضرورت تھی۔ یونیورسٹی نے اس کے لئے امتحان مقرر کیا۔ بہت سے فضلاء اس امتحان میں شریک ہوئے۔ شیخ امتحان میں اول آئے'

لیکن شیخ کو یہ عہدہ نہ دیا گیا۔ بعد میں شیخ کو درجہ تخصص کا استاذ مقرر کیا گیا۔ شیخ اپنے ساتھیوں میں سب سے کم عمر استاذ تھے۔ اس کے بعد شیخ وکیلِ شیخ الاسلام مقرر ہوئے۔ ترکی میں شیخ الاسلام کا منصب بہت اہم منصب تھا۔ تدریس علوم دینیہ، قضاء، اوقاف وغیرہ بہت سے امور اس سے متعلق ہوتے تھے اور ظاہر بات ہے کہ تنہا اس سے اس قسم کے کام نہیں ہو سکتے تھے۔ اس لئے وہ اپنے وکلاء مقرر کرتا تھا۔ شیخ کوثری رحمۃ اللہ علیہ وکلاء درس کی کمیٹی کے ایک رکن تھے۔ بعد میں کمیٹی کے رئیس بھی بنے۔ ترکی کے حالات علوم دینیہ اور اسلام و مسلمانوں کے لحاظ سے بدتر ہوتے جارہے تھے' یہاں تک کہ شیخ نے ترکی چھوڑ کر مصر میں اقامت اختیار کرلی۔ مولانا بنوری رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے:

''میں شیخ سے اس زمانہ میں ملا جب میں مجلس علمی ڈابھیل کی طرف سے فیض الباری، نصب الرایہ کی طباعت کے لئے مصر گیا۔ میں نے شیخ سے ہندوستان کے علماء کا تعارف کرایا، حضرت نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ، حکیم الامت حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ۔ مولانا عثمانی رحمۃ اللہ علیہ کی کتاب فتح الملہم اور اعلاء السنن کا تعارف میں نے کرایا اور شیخ یہاں کے علماء سے متعارف ہوئے۔ میں نے بزمانہ قیام مصر دارالعلوم دیوبند اور اس کے علماء اور ان کی خدمات کے سلسلہ میں ایک مضمون لکھا' جو وہاں کے ہفت روزہ ''الاسلام'' میں کئی قسطوں میں چھپا۔ شیخ نے اس مضمون کو ذوق وشوق سے پڑھا اور داد دی۔ استاذ نا کشمیری رحمۃ اللہ علیہ کی کتاب ''نیل الفرقدین'' دیکھی۔ شیخ بڑے متاثر ہوئے اور وہ الفاظ کہے جو میں نے نفحۃ العنبر میں اس رسالہ کے سلسلہ میں لکھے ہیں۔ میں یہاں شیخ الاسلام مصطفی صبری سے بھی ملا تھا اور شیخ کا رسالہ ''مرقاۃ الطارم فی حدوث العالم'' دیا۔ شیخ صبری اس سے بہت محظوظ ہوئے اور اپنی کتاب موقف العقل والنقل میں اس کا ذکر بھی کیا ہے۔''

مولانا بنوری رحمۃ اللہ علیہ، علامہ کوثری رحمۃ اللہ علیہ کے تبحر علمی کے مداح تھے۔ مصر و شام اور ترکی کے مخطوطات پر شیخ کی نظر تھی۔ حنفیت اور ماتریدیت میں شیخ کوثری کو تصلب تھا۔ شیخ کوثری کی تصانیف و مقالات' علم و عرفان کے خزانے ہیں۔

شیخ کی مستقل تصانیف کی تعداد ۵۱ ہے۔ مقدمات اور مقالات اس کے علاوہ ہیں۔ آپ کی بعض تصانیف زیورِ طبع سے آراستہ ہوچکی ہیں اور بعض ہنوز محفوظ ہیں۔

مشہور تصانیف یہ ہیں:

① المدخل العام لعلوم القرآن.

② الإشفاق على أحكام الطلاق.

③ بلوغ الأماني فى سيرت محمد بن الحسن الشيباني.

④ تأنيب الخطيب على ماساقه فى ترجمة أبي حنيفة من الأكاذيب.

⑤ إحقاق الحق بإبطال الباطل فى مغيث الخلق.

⑥ الحاوى في سيرة الامام أبي جعفر الطحاوي.

⑦ النكت الطريفة فى التحدث عن ردود ابن أبي شيبه على أبي حنفيه رحمة الله عليه.

⑧ الاستبصار فى التحدث عن الجبر والاختيار.

⑨ الإمتاع بسيرة الإمامين الحسن بن زياد وصاحبه محمد بن شجاع.

⑩ حسن التقاضى في سيرة الإمام أبي يوسف القاضي.

حضرت بنوری رحمۃ اللہ علیہ، شیخ کے متعلق فرماتے ہیں:

''وہ ایک ایسے شخص تھے جو انتہائی وسعت علمی، حیران کن مہارت، دقتِ نظر، خارقِ عادت حافظہ، محیّر انہ استحضار جیسی خصوصیات کے ساتھ ساتھ روایت کے تمام انواع و اقسام، علمِ درایت کے تمام مقاصد و مدارک، مکارمِ اخلاق، خصائلِ حمیدہ، تواضع، قوت لایموت پر قناعت، زہد و تقویٰ، مصائب پر صبر و استقامت، کریمانہ ذات، اپنے خزائن علمیہ اور معارف گنجینہ میں سخاوت کے جامع تھے۔ اس کے ساتھ ساتھ بسیطہ ارض کے مختلف گوشوں کے نادر مخطوطات اور دنیا کے کتب خانوں کی معلومات پر وسیع علم رکھتے تھے۔

مزید برآں دین کی آبرو کی محافظت پر حمیت و غیرت اور ملت اسلامیہ تک حق بات

پہنچانے میں صاف گو اور بے باک تھے“۔(مقدمہ مقالاتِ کوثری)

ایک جگہ فرماتے ہیں:

”قرأت الكوثري من قريب وقرأت الكوثري كثيرا من قريب وبعيد وأرى أن الحق والحق يقال، إن القوم لم يقدروا الكوثرى بما يستحقه من تقدير وإجلال ذلك المحقق وذلك البحاثة الناقد وذلك الخلق الجميل والنبل الجزيل“.

ترجمہ:”میں نے علامہ کوثری رحمۃ اللہ علیہ مرحوم کو قریب سے پڑھا اور ان کی تصانیف کا بنظر غائر مطالعہ کیا اور میں سمجھتا ہوں کہ حق بات تو یہ ہے کہ قوم نے علامہ کوثری مرحوم جیسے ایک بڑے محقق، ناقد، متکلم، حسن و جمال کے مرکب اور چوٹی کے عالم کی شایانِ شان قدر نہیں کی“۔

اپنی پہلی ملاقات کا واقعہ سناتے ہوئے لکھتے ہیں:

”میں جب ان کی خدمت میں حاضر ہوا تو میں نے انہیں اپنی ملاقات کا ایسا ہی راغب اور شائق پایا جیسا کہ میں ان کا تھا۔ پھر جب میں نے تفصیلی ملاقات کی تو مجھے یقین ہو گیا کہ اس شخص کا علمی مقام اپنی تصانیف اور مقالات سے بہت بلند و بالا ہے اور حقیقت تو یہ ہے کہ وہ مملکت مصر میں علم کا ایک بیش بہا خزانہ ہیں۔“

شیخ کی زندگی آلام و مصائب میں گزری جس کی داستان بہت طویل ہے آخر یہ آفتاب علم وعرفان ۱۹ ذیقعدہ ۱۳۷۱ھ اتوار کے روز ظہر کے بعد غروب ہو گیا۔ شیخ کے مرقد پر جو لوح لگی ہوئی ہے اس میں شیخ کے یہ تین شعر ہر زائر کو اپنی طرف متوجہ کر لیتے ہیں:

یاواقفاً بشفير اللحد معتبراً　قد صار زائرأمس اليوم قد قبرا
فالموت حتم فلا تغفل وكن حذراً　من الفجأة وادع للذى عبرا
فالزاهد الكوثرى ثاوٍ بمرقدہٖ　مسترحمًا　للصفح　منتظرًا

مولانا بنوری رحمۃ اللہ علیہ اور علمِ حدیث

مولانا بنوری رحمۃ اللہ علیہ کے دو اکابر مشائخ کا تعارف کرانے کے بعد اب ہم مولانا کے علمی وحدیثی مقام کا جائزہ لیں گے۔

مولانا بنوری رحمۃ اللہ علیہ نے علمِ حدیث میں حسبِ ذیل کام چھوڑا ہے:

١ معارف السنن.
٢ عوارف المنن، مقدمه معارف السنن.
٣ مقدمه فيض الباري.
٤ مقدمة نصب الرايه.
٥ مقدمه أوجز المسالك.
٦ مقدمه لامع الدراري.
٧ بغية الأريب فى احكام القبلة والمحاريب.

مؤخر الذکر اس کتاب کو علمِ حدیث کے نام میں اس لئے شمار کیا، کیونکہ اس میں احادیث قبلہ کی شرح کی گئی ہے۔ سردست معارف السنن پر تبصرہ پیشِ خدمت ہے۔

معارف السنن

یہ مولانا کی شاہکار تصنیف ہے، جو ان کے علم وفن کی آئینہ دار ہے، چھ جلدوں میں اب تک کتاب الحج ختم کی ہے، کتاب الجنائز سے کتاب باقی ہے، معارف السنن جامع ترمذی کی مبسوط شرح ہے۔

جامع ترمذی

امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ کی کتب امام ابوداؤد سجستانی رحمۃ اللہ علیہ اور امام بخاری دونوں کے طریقوں کی جامع ہے۔ ایک طرف انہوں نے اپنی کتاب میں احادیثِ احکام میں سے صرف ان احادیث کو لیا ہے کہ جن پر فقہاء کا عمل رہا ہے۔ دوسری طرف اس کو صرف احکام کے لئے مختص نہیں کیا، بلکہ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کی طرح سب ابواب کی احادیث کو لے کر

اپنی کتاب کو جامع بنا دیا۔ پھر اس پر مستزاد یہ کہ علوم وفنونِ حدیث کو اپنی کتاب میں اس طرح سمویا ہے کہ وہ علمِ حدیث کا گنجِ گرانمایہ بن گئی۔ حافظ ابوجعفر بن الزبیر المتوفی ۸۰۷ھ صحاح ستہ پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"وللترمذي في فنون الصناعة الحديثية مالم يشاركه غيره".

ترجمہ: "امام ترمذی کو حدیث کے مختلف فنون کو جمع کرنے کے لحاظ سے جو امتیاز حاصل ہے اس میں کوئی اوران کا شریک نہیں"۔

حافظ ابوبکر بن العربی المتوفی ۹۴۳ھ اپنی شرح عارضۃ الاحوذی میں رقم فرما ہیں:

"اس کتاب میں حسب ذیل چودہ علوم ہیں:

① احادیث کی اس طرح تدوین کی جو عمل سے قریب کر دیتی ہے۔

② بیان اسناد ③ تصحیح ④ تضعیف ⑤ تعداد طرق

⑥ جرح ⑦ تعدیل ⑧ بیان اسم رواۃ ⑨ کنیت رواۃ

⑩ بیان وصل ⑪ بیان انقطاع

⑫ معمول بہ اور متروک العمل روایات کی توضیح۔

⑬ بعض احادیث کے رد وقبول میں علماء کا بیان۔

⑭ حدیثوں کی توجیہ وتاویل میں علماء کے اختلاف وآراء کا ذکر۔

یہ وہ علوم ہیں کہ ان میں سے ہر ایک علم اپنی جگہ مستقل حیثیت رکھتا ہے۔"

حافظ ابوبکر بن نقط بغدادی المتوفی ۶۲۹ھ امام ترمذی کی زبان سے ناقل ہیں:

"صنفت هذا المسند الصحيح وعرضته على علماء الحجاز، فرضوا به، وعرضته على علماء العراق، فرضوا به، وعرضته على علماء الخراسان، فرضوا به، ومن كان في بيته هذا الكتاب فكأنما في بيته نبي ينطق.(۱)

ترجمہ: "میں نے اس المسند الصحیح کو تصنیف کر کے علماء حجاز کے سامنے پیش کیا تو

(۱) ماخوذ از: ابن ماجہ وعلم حدیث از فاضل محقق مولانا عبدالرشید نعمانی دامت برکاتہم۔

انہوں نے اس کو پسند کیا۔ علماء عراق کے سامنے پیش کیا تو انہوں نے اس کو پسند کیا اور علماء خراسان کے سامنے پیش کیا تو انہوں نے اس کو پسند کیا اور جس گھر میں یہ کتاب موجود ہے اس کے گھر میں گویا پیغمبر موجود ہے جو خود بتار ہا ہے''۔

محدث بنوری رحمہ اللہ نے اخیر جملہ اپنے ایک شعر میں نظم کیا ہے، فرماتے ہیں:

کتاب أبی عیسٰی کتاب مبارك

فطوبی لسفر کالنبی المکلم (۱)

خانوادہ شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ میں بھی اس کتاب کو بڑی اہمیت حاصل تھی۔

حضرت شاہ عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

''مجموعی حدیثی فوائد کے لحاظ سے اس کتاب کو تمام کتابوں پر فوقیت دی گئی:

① **اول:** اس وجہ سے کہ اس کی ترتیب عمدہ ہے اور تکرار نہیں ہے۔

② **دوم:** اس وجہ سے کہ اس میں فقہاء کا مذہب اور اس کے ساتھ ساتھ ہر ایک کا استدلال بیان کیا گیا ہے۔

③ **سوم:** اس وجہ سے کہ اس میں حدیث کے انواع مثلاً صحیح، حسن، ضعیف، غریب اور معلّل بعلل وغیرہ کو بیان کیا گیا ہے۔

④ **چہارم:** اس وجہ سے کہ اس میں راویوں کے نام، ان کے القاب اور کنیت کے علاوہ ان فوائد کو بھی بیان کیا گیا ہے جن کا علم الرجال سے تعلق ہے''۔(۲)

اس کے علاوہ جامع ترمذی احادیث ''حسان'' کا ایک معتبر مجموعہ ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ امام ترمذی کا مقصد احادیث ''حسان'' سے واقف کرانا ہے۔ احادیث صحاح کا بیان استطر اداً ہے۔(۳) امام ترمذی کی ولادت وفات اور عمر کے متعلق محدث بنوری رحمۃ اللہ علیہ

---

(۱) قصیدہ للمؤلف فی معارف السنن، ج: ٦.

(۲) بستان المحدثین اردو ترجمہ، ص: ۱۸۵۔

(۳) توجیہ النظر للجزائری کے بیان سے ایسا ہی معلوم ہوتا ہے۔

اپنے شیخ کا ایک بیت ذکر کرتے ہیں:

الترمذی محمد ذو زین "عطر" وفاة عمره فی "عین"(۱)
۲۷۹ ۷۰

امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ کے فقہی مسلک کے متعلق لکھتے ہیں:

"ترمذی کے متعلق یہ جو کہا جاتا ہے کہ وہ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے مقلد ہیں تو اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ بہ نسبت امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے مجتہد منتسب ہیں اور دقیق و مشکل جزئیات و مسائل میں ان کی تقلید کرتے ہیں' جیسا کہ جمہور محدثین کی تقلید کا طریقہ تھا۔ امام ترمذی، امام شافعی کے قول قدیم کو بروایت زعفرانی نقل کرتے ہیں اور اس کو جانتے ہیں اور قول قدیم کو ہی ان کا مذہب سمجھتے ہیں' حالانکہ قولِ قدیم شوافع کے نزدیک بعض مسائل میں متروک ہے۔"

شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ اپنی کتاب الانصاف میں ان کو امام احمدؒ و اسحقؒ کی بہ نسبت مجتہد منتسب کہتے ہیں۔ بہرحال یا تو یہ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کی طرف مجتہد منتسب ہیں' جیسا کہ اکثر علماء طبقات و تراجم کی رائے ہے یا امام احمدؒ و اسحقؒ کی طرف' جیسا کہ بعض کی رائے ہے، ان کی تقلید فروع میں امام طحاویؒ کی تقلید ابی حنیفہؒ کی طرح ہے۔ منتسبین فی المذہب کا طبقہ اصحابِ تخریج، اصحابِ ترجیح، اصحابِ تمیز سے بہت بلند ہے' اور ان میں سے ہر طبقہ کے درمیان وسیع میدان ہے۔(۲)

راقم آثم نے حضرت بنوری رحمۃ اللہ علیہ کے درس جامع ترمذی میں (۳) بارہا سنا کہ "میرے نزدیک امام ترمذی اسحاقی ہیں یعنی اسحق کے مجتہد منتسب ہیں۔"

---

(۱) ۲۷۹ھ ۷۰ سال۔

(۲) معارف السنن، ج: ۲ ص: ۵٦.

(۳) راقم آثم نے دار العلوم دیوبند میں صحیح بخاری اور جامع ترمذی شیخ العرب والعجم مولانا حسین احمد مدنی قدس سرہ العزیز سے پڑھی۔ اس طرح راقم کو حضرت موصوف کی کفش برداری کا فخر حاصل ہے، اس کے پندرہ سال بعد محدث بنوریؒ سے جامع ترمذی جلد اول اور بخاری جلد اول کتاب العلم تک اور جلد ثانی کتاب المغازی عام درس میں شریک ہوکر سماع کی۔

امام ترمذی کی کتاب اوراس کے مختلف ابواب غور سے پڑھنے سے محدث بنوری کی رائے کی تائید ہوتی ہے۔ان ہی گونا گوں خصوصیات کی بناء پر امام ترمذی کی کتاب ''الجامع'' علماء امت کا مرکزِ توجہ رہی۔ابن سید الناس الیعمر ی رحمۃ اللہ علیہ، ابوبکر عربی، حافظ ابوالفضل العراقی نے اس کی شرحیں لکھیں' جن میں ثانی الذکر کے علاوہ نایاب اور اہلِ علم کے استفادہ سے بعید ہیں۔جلال الدین السیوطی رحمۃ اللہ علیہ اور علامہ سندھی نے عربی میں اور شیخ سراج احمد سرہندی رحمۃ اللہ علیہ نے فارسی میں شرحیں لکھیں۔شروحِ اربعہ میں یہ شرحیں دیکھی جاسکتی ہیں، جس کی دوجلدیں دستیاب ہیں۔باقی جلدیں یا تو طبع نہیں ہوئیں یا نایاب ہیں۔ریاست ٹونک کے بعض امراء کی قدردانی سے یہ کتاب زیور طبع سے آراستہ ہوئی تھی۔

حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ اور دارالعلوم دیوبند کے دورۂ حدیث میں بھی سنن ترمذی کو خاص اہمیت حاصل تھی' اختلافی مباحث اسی کتاب کے درس میں بیان کئے جاتے تھے۔رجال اور جرح وتعدیل کی ابحاث بھی اسی کتاب میں اٹھائی جاتی تھیں۔ہندوستان کے غیر مقلدین میں سے مولانا عبدالرحمن مبارک پوری نے ''تحفۃ الاحوذی'' کے نام سے اس کی مبسوط شرح لکھی تھی اور اس میں حنفیہ رحمہم اللہ تعالیٰ پر بعض رکیک اعتراضات کئے تھے۔فقیہ الملت امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کو سیئ الحفظ وغیرہ کے القاب سے نوازا گیا تھا۔بذل المجہود اور العرف الشذی کی بعض عبارتوں کو بلاوجہ نشانۂ طعن بنایا گیا تھا(۱)۔ان حضرات نے عون المعبود اور غایۃ المقصود میں حنفیہ اور فقہ حنفی پر جو کچھ کہا تھا اس کا جواب محدث جلیل فقیہ کبیر حضرت علامہ خلیل احمد صاحب انبیٹھوی رحمۃ اللہ علیہ نے کافی وشافی دے دیا تھا۔اس لئے ضرورت تھی کہ جامع ترمذی کی شرح مبسوط حلقہ علماء دیوبند وسہارنپور کی جانب سے کی جائے' جس کے ذریعہ بیک وقت علمِ حدیث اور حنفیت کی خدمت کی جائے۔محدث کشمیری رحمۃ اللہ علیہ بھی اس کی شرح لکھنا چاہتے تھے۔(۲)

---

(۱) دیکھئے ابواب المستحاضہ، جلد اول۔

(۲) نفحة العنبر.

محدثِ جلیل حضرت مولانا خلیل احمد صاحب نے اپنے نامور شاگرد محدث العصر برکۃ الدہر حضرت شیخ الحدیث مدظلہ العالی کو بھی بذل المجہود کی تالیف کے بعد ترمذی کی شرح لکھنے کی ترغیب ہی نہیں، بلکہ باصرار امر کیا تھا۔ حضرت شیخ الحدیث فرماتے ہیں:

''میرے آقا و مرشد کا مجھے مکتوب گرامی ملا، جس میں ترمذی کی شرح لکھنے کا امر تھا۔ خدا جانتا ہے کہ میں اس امر عظیم سے کانپ گیا اور میں نے حضرت شیخ کو بار بار معذرت لکھی اور اس پر اصرار کیا، لیکن شیخ نے عذر قبول نہیں کیا اور جبراً تعمیل کرنے کا حکم فرمایا اور ضرورت کے موقعہ پر مدد کا وعدہ فرمایا''۔(۱)

حضرت شیخ الحدیث مدظلہ العالی نے اس کی تعمیل بظاہر نہیں فرمائی۔ اس کی وجوہ حضرت شیخ کی باقی تحریر میں دیکھی جاسکتی ہیں۔ حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کی تقریر ترمذی ''الکوکب الدری'' اور تقریر بخاری کی شرح اور مبسوط حواشی لکھ کر شیخ نے عظیم الشان کارنامہ انجام دیا ہے اور دنیائے علم شیخ کے اس کارنامہ کو ہمیشہ یاد رکھے گی، اور ان کے شیخ و مرشد کی روح مبارک اپنے نامور تلمیذ و مسترشد سے ان شاء اللہ راضی و خوش ہوگی۔ اس پس منظر میں آپ جامع ترمذی پر ایک مبسوط شرح لکھنے کی عمومی ضرورت محسوس کرسکتے ہیں۔

خصوصی وجہ تحریر ''معارف السنن'' اور اس کے مختلف ادوار پر خود مولانا بنوری رحمۃ اللہ علیہ تفصیلی روشنی ڈالتے ہیں:

''ہمارے شیخ محدث کبیر، حجۃ وثقہ، امام العصر مولانا محمد انور شاہ الکشمیری ثم الدیوبندی رحمہ اللہ اپنے زمانہ میں علومِ روایت کے مسند اور مشکلاتِ علوم اور مشکلاتِ حدیث کے مدار تھے۔ آپ کے بخاری اور ترمذی کے دروس، بے نظیر ابحاث، نفیس تحقیقات، روایت و درایت اور حدیث و فقہ کے لحاظ سے ممتاز تھے' مشکلاتِ علوم کے حل' جس میں آپ نے عمر کا ایک بڑا حصہ خرچ کیا تھا، آپ کے درس کا طرۂ امتیاز تھا۔

شرکاء درس آپ کی درسی تقاریر قلمبند کرتے تھے' لیکن حقیقت یہ ہے کہ صحیح طور پر

---

(۱) مقدمہ اوجز المسالک طبع سہارنپور۔

آپ کے دروس کو وہی شخص ضبط کرسکتا تھا جو علومِ روایت و درایت سے سرشار، ذکی، بیدار، قوی الحواس ہو، ایک لمحہ اور ایک سیکنڈ بھی بغور سننے سے غافل نہ ہو' اور ایسے لوگ کم ہیں۔ پھر جو لوگ لکھتے تھے وہ یا تو درس میں لکھتے تھے یا درس سے فراغت کے بعد قید کتابت میں لاتے تھے۔ یہ بھی واضح رہے کہ شیخ کے یہاں املاء کا طریقہ بھی نہ تھا۔ شرکاء درس کی تحریرات کی حیثیت یادداشت سے زیادہ نہ تھی، یہ حضرات پورے درس کو قطعاً ضبط نہیں کر سکتے تھے۔

درس میں لکھنے والوں میں سے تیز رفتار بھی ثلث یا اس سے زیادہ کو چھوڑ دیتا تھا۔ جامع ترمذی کی تقاریر میں سے ایک تقریر ''العرف الشذی'' کے نام سے طبع ہوئی تھی۔ اس تقریر میں ضبط کی غلطیاں، تعبیرات میں سہو، بیان میں نقص اور مباحث تشنہ تھے۔

مجلس علمی ڈابھیل (جس کا مقصد حضرت امام العصر کی تصانیف کی اشاعت تھا) کے کارپردازوں نے تقریر مذکور کی خدمت میرے سپرد کی' میں ان کی غلطیوں کی تصحیح، نقائص کا ازالہ، فوت شدہ مباحث کا اضافہ، مصادق وماٰخذ کی مراجعت سے کروں، یہ پچیس سال پہلے کی بات ہے (اس پر مولانا نے لکھا ہے کہ یہ تحریر میں نے سات سال پہلے لکھی ہے۔ جب چھٹی جلد طبع ہو رہی تھی اور چھٹی جلد کے طبع کو بھی ۵، ٦ سال ہو چکے ہیں)۔

میں نے اس طرح کتاب پر کام شروع کر دیا اور کتاب الطہارت سے کتاب الحج تک پہنچ گیا' لیکن یہ طرزِ تالیف موجودہ ذوق کے مطابق نہ تھا۔ اس پر پندرہ سال گزر گئے' پھر میں نے دوسرے طرز پر کتاب کو مرتب کیا''۔(۱)

مولانا سے زبانی جو کچھ راقم نے سنا' اس کا حاصل یہ تھا کہ مولانا سے پہلے ''العرف الشذی'' کی صرف تخریج اور تصحیح کے متعلق کہا گیا تھا۔ مولانا نے سب سے پہلے اس کی تصحیح کی، غلطیاں درست کیں۔ تعبیرات تبدیل کیں۔ ''العرف الشذی'' کا تصحیح شدہ نسخہ حضرت کے ذاتی کتب خانہ میں موجود ہے۔ اس میں آخر کتاب کی تصحیح موجود ہے' یہ خود ایک مستقل کام ہے۔ اگر اس تصحیح شدہ ''العرف الشذی'' کو چھاپ دیا جائے تو یہ بھی حدیث کی خدمت ہوگی اور

(۱) آخر جلد ٦ بعنوان ''تنبیہ فی أدوار تألیف معارف السنن''۔

شائقینِ علم حدیث اور طلبۂ دورۂ حدیث کے لئے خزینۂ بے بہا' کیونکہ اس میں آخر کتاب ترمذی تک اجمالاً فوائد آ گئے ہیں۔

''العرف الشذی'' کی اصلاح کا مولانا بار بار معارف السنن میں ذکر کرتے ہیں۔ اس کو ہم علیحدہ عنوان سے بیان کر رہے ہیں۔ اصل مسودہ معارف السنن' راقم نے دیکھا اور اس کو بار بار پڑھا ہے۔ اس میں مولانا کا طریقہ یہ تھا کہ ''قال'' کہہ کر العرف الشذی کی عبارت لکھتے ہیں اور پھر ''اقول'' کہہ کر اس کی تخریج کرتے ہیں یا اضافہ کرتے ہیں۔ کراچی، پاکستان آنے کے بعد آپ نے اصل اور شرح کو دمج کیا اور دونوں کو مربوط کر دیا۔ یہ کام مولانا کے شاگرد رشید مولانا امین اللہ صاحب بہاولپوری نے رات دن محنت کر کے کیا۔ پانچ جلدوں میں کہیں کہیں خال خال یہ جو بے ربطی نظر آتی ہے، یہ اسی وجہ سے ہے کہ یہ کام بعد میں ہوا۔ (یہ بھی مولانا کا جملہ ہے۔ میں صرف ناقل ہوں)۔ مولانا فرمایا کرتے تھے کہ: اگر میں ''العرف الشذی'' کے ساتھ پابند نہیں ہوتا اور صرف تخریج میرے ذمہ نہیں ہوتی تو اس کتاب کا رنگ اس سے مختلف ہوتا۔ چھٹی جلد جس میں پوری کتاب الحج کی شرح ہے مولانا نے تخریج سے آزادہ کر کی ہے۔ اپنے حسب منشاء شرح کی ہے' اس لئے اس کا رنگ جدا ہے۔ چھٹی جلد کی تصنیف کا مشاہدہ مدرسہ میں سب نے کیا ہے۔ اس سرعت کے ساتھ لکھتے کہ عقل حیران رہ جاتی' ادھر کتاب کی کمپوزنگ ہو رہی تھی، دوسری طرف مولانا مباحث حج میں ڈوبے ہوئے شرح لکھ رہے تھے۔ کبھی کبھی اس کے معرکۃ الآراء مباحث دوران تصنیف بھی سناتے تھے۔ تبییض و تسوید ساتھ ہی ساتھ تھی اور یہ بات پوری کتاب میں دیکھی جا سکتی ہے۔ مولانا کا خود نوشت مسودہ موجود ہے۔ اس میں بہت کم قلم زد کئے ہوئے مقامات ملیں گے۔ البتہ اضافے مل جائیں گے۔ اپنی شرح کے متعلق یہ بھی فرمایا کرتے تھے:

''اختلافی مباحث کے لئے میں اس زمانہ میں موزوں تھا' جب جوش، ولولہ، جدوجہد، تلاش و جستجو کا شوق ان سب کی فراوانی تھی، اور اب جو مباحث رہ گئے ہیں خصوصاً ''ابواب الفتن، ابواب التفسیر، ابواب الآداب، ابواب الزہد کے لئے میں موزوں ترین

ہوں۔ان کی شرح میں ذوق کی ضرورت ہے اوراس سے اللہ تعالیٰ نے محروم نہیں فرمایا۔''

مولانا یہ بھی فرمایا کرتے تھے کہ:

''اگر قیامت قریب نہیں ہے تو اس کتاب کی ضرورت باقی ہے اوراس سے فائدہ اٹھایا جائے گا۔''

تلاش وجستجو

محدث بنوری رحمۃ اللہ علیہ نے تلاش وتفحص اور مظان وغیر مظان سے اپنے شیخ کے علوم کی تخریج وتوضیح کا حق ادا کر دیا ہے۔محدث کشمیری بحرِ بے کراں تھے۔آپ کے درس میں حدیث کی روایت ودرایت اور دوسرے مسائل کے سلسلہ میں دوسرے علوم وفنون کے حوالے آجاتے تھے۔کہیں نحو وصرف کا مشکل حوالہ آجاتا،کہیں علم کلام وفلسفہ کا کوئی مسئلہ زیر بحث آجاتا' پھرایسی کتابوں کے حوالے آجاتے جوعام طور پر اہلِ علم کے یہاں متداول نہیں تھیں۔ مولانا نے متداول وغیر متداول کتابوں سے مسائل نکالنے میں کوئی کسر نہیں اٹھا رکھی اوراس کے لئے بے نظیر محنت کی شاندار مثال قائم کی' چند مسئلوں کی تحقیق کے لئے کئی کئی کتابوں کی ورق گردانی کرنی پڑی تب جا کر مسئلہ دستیاب ہوا۔خود فرماتے ہیں:

''میں نے اپنی قوت وطاقت' تخریج اور مآخذ کے مطلع ہونے پر پوری طرح صرف کی،ورق گردانی مظان وغیر مظان سے مسئلہ نکالنے میں کبھی کوتاہی نہیں کی۔کبھی میں ایک مسئلہ کی تلاش میں گھڑیاں ہی نہیں' بلکہ کئی کئی راتیں اوردن گزاردیتااوراس کے لئے ایک کتاب کی کئی مجلدات پڑھتااور جب مجھے اپنی متاع گمشدہ مل جاتی تو میری خوشی کا کوئی ٹھکانہ نہیں رہتا' شیخ نے دورانِ درس جس کتاب کا حوالہ دیا ہوتا،اس سے مسائل نکالنے کا التزام کر رکھا تھا۔ لہٰذا میں کتاب سیبویہ،رضی شرح کافیہ،دلائل الاعجاز ، اسرار البلاغۃ ،عروس الافراح،کشف الاسرار دیکھنے پر مجبور تھا جس طرح میں شروحِ حدیث کی اہم کتابیں فتح الباری،عمدۃ القاری اور فقہ مذاہب میں شرح مہذب،مغنی لابن قدامہ اور رجال میں کتب رجال دیکھنے پر مجبور تھا۔اگر میری جوانی،بحث وجستجو کا شوق اور شیخ کے جواہر پارے سمیٹنے کا عشق نہ ہوتا تو میں اس بارگراں

کا اہل نہیں تھا۔حدیث کی اہم کتابوں میں سے کسی کتاب کی شرح میرے لئے اس کٹھن کام سے بہت زیادہ تھی اور میں اس کی دو مثالیں پیش کرتا ہوں، جس سے میری محنت کا اندازہ اور میرے مقصد سے پردہ اٹھ جائے گا۔

شیخ نے بعض متعارض روایات کے جمع کے سلسلہ میں ایک قاعدہ ”ذکر کل مالم یذکرہ الآخر“ کا ذکر کیا اور فرمایا کہ ”یہ قاعدہ بہت اہم ہے۔اصولِ حدیث پر لکھنے والوں کو اس سے اعتناء کرنا چاہئے تھا‘ لیکن انہوں نے ایسا نہیں کیا۔حافظ ابن حجر نے فتح الباری میں چند مقامات پر اس کو ذکر کیا ہے۔

میں نے فتح الباری کی ضخیم جلدیں اٹھائیں اور اس قاعدہ کی تلاش کر دی‘ تقریباً دس سے زیادہ مقامات پر پوری کتاب میں اس کو تلاش کر لیا۔حضرت شیخ رحمۃ اللہ علیہ نے اختلاف صحابہ کے سلسلہ میں ایک مرتبہ ارشاد فرمایا ”ابوزید دبوسی نے سچ کہا کہ جس مسئلہ میں فقہاء صحابہ کا اختلاف ہو جائے‘ اس سے پوری طرح نکل جانا یا اختلاف کا فیصلہ کر کے پوری طرح ایک طرف ہو جانا کہ دوسری جانب کچھ نہ رہے‘ بہت مشکل ہے۔“

اب میں نے ابوزید دبوسی کی کتاب تأسیس النظر مطالعہ کی‘ اس میں مجھے نہیں ملا‘ دل میں آیا کہ شاید شیخ ابوزید دبوسی نے یہ مسئلہ اسرار الخلاف یا تقویم الادلہ میں تحریر کیا ہو، لیکن یہ دونوں کتابیں مخطوطہ ہیں۔پھر دستیاب بھی نہیں‘ اس کے بعد دل میں آیا کہ شاید شیخ نے امام دبوسی کا یہ قول بالواسطہ لیا ہو اور کشف الاسرار للشیخ عبدالعزیز البخاری اور شرح التحریر لابن اُمیر الحاج کا خیال آیا۔دونوں کو دیکھنا شروع کیا اور دونوں میں مسئلہ کو موجود پایا“۔(۱)

تلاش و جستجو اور ذوق تحقیق کی یہی دو مثالیں نہیں‘ بلکہ ”معارف السنن“ میں اس کی مزید مثالیں ملتی ہیں،امام ترمذیؒ ”باب ماجاء أن مفتاح الصلاۃ الطھور“ میں حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی حدیث ”مفتاح الصلاۃ الطھور و تحریمھا التکبیر و تحلیلھا التسلیم“ لائے ہیں، شیخ انور صاحب نے اس کے ذیل میں بعض اصولی اور فقہی مباحث

(۱) تنبیہ: أدوار تالیف معارف السنن ،آخر جلد ۶، صفحہ ۶۶۶.

اٹھائے ہیں، اس طرح کہ طلبہ حدیث کے لئے یہ ابحاث مشعلِ راہ ہوں اور وہ ان کو سامنے رکھ کر دوسری احادیث سمجھ سکیں اور اختلاف الائمہ کے منشا سے واقف ہوں، مولانا بنوریؒ نے ان مباحث کی شرح میں کوئی کسر نہیں اٹھارکھی اورحق ادا کردیا، بحث کے خاتمہ پر فرماتے ہیں:

”راعيت في شرح هذا الحديث ما أفاده الشيخ في أماليه على جامع الترمذي، وماسمعت منه رحمه الله فى درسهٖ، وراجعت فى شرحهٖ إلٰى نحو أربعين كتابا من الحديث والفقه وأصوله والمعاني والبيان وغيرها فى هذا الموضوع راعيًا غرض الشيخ ولم آل جهدًا فى توضيحهٖ وترتيبهٖ“.

ترجمہ: ”میں نے اس حدیث کی شرح میں شیخ کی تقریر ترمذی اور جو کچھ میں نے شیخ سے درس سے سنا تھا ان سب کو ملحوظ رکھا اور حدیث، فقہ، اصول الفقہ، معانی، بیان وغیرہ کی چالیس کتابوں کی طرف مراجعت کی اور شیخ کے مقصد کی وضاحت اور ترتیب میں کوئی کوتاہی نہیں کی“۔

محدث بنوی رحمۃ اللہ علیہ نے اس کتاب میں ”العرف الشذی“ کی تحقیق وتوضیح ہی نہیں، بلکہ محدث کشمیری رحمۃ اللہ علیہ کی دوسری ادق اور مشکل کتابوں کی شرح وتوضیح بھی کی۔ اس کے ساتھ ہی ساتھ شیخ رحمۃ اللہ علیہ سے جو کچھ سنا تھا، اس کو بھی اس شرح میں محفوظ کردیا۔

حدیث ترمذی ”و يل للاعقاب من النار“ کے تحت آیت وضو میں قرأۃ الجر پر سیر حاصل بحث کی ہے، بحث ختم کرتے ہوئے ”تذييل البحث السابق من كلام الشيخ“ کے عنوان سے اس مسئلہ پر نظر مکرر ڈالی ہے، اس کی ابتداء میں فرماتے ہیں:

”بحثت فأمعنت في البحث والتقريب مواطن التحقيق، فاستقصيت في الاستقراء، فلم أصادف كلاماً أجمع في البحث، وأوفى للغرض، وأتقن في الموضوع، ثم كل ذلك أشفى للقلب من كلام شيخنا إمام العصر هذا في كتابهٖ مشكلات القرآن، ولم أقدر

على تلخيصه، ولا يكاد يقدر عليه أحد إلا بحذف من أجزائه، فإنه كلام كله، روح ولباب ليس فيه حشو".(۱)

ترجمہ:"میں نے بحث میں غور وفکر کیا' تحقیقِ مسئلہ کے مقامات کو دیکھا اور اس سلسلہ میں کوئی مقام نہیں چھوڑا، لیکن مجھے اپنے شیخ العصر کے کلام سے زیادہ جامع، پختہ اور دل کو مطمئن کرنے والا کلام نہیں ملا جو آپ نے مشکلات القرآن میں فرمایا ہے' میں اس کی تلخیص پر قادر نہیں اور کوئی بھی قدرت نہیں رکھتا' اِلّا یہ کہ اس کے بعض اجزاء کو حذف کر دے' کیونکہ ان کا کلام روح ومغز ہے، اس میں حشو نہیں"۔

"حدیث قلتین" کے سلسلہ میں حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی ایک لطیف توجیہ نقل کرتے ہوئے رقم فرما ہیں:

"وهنا وجه لطيف آخر لشيخنا سمعته منه شفاهًا في درس جامع الترمذي في ذي الحجة ١٣٤٦هـ".

ترجمہ:"اور یہاں ایک لطیف توجیہ بھی ہے جو ہمارے شیخ کے ذہن میں آئی، میں نے براہ راست شیخ سے جامع ترمذی کے درس ذی الحجہ ۱۳۴۶ھ میں سنی"۔

محنت اور تحقیق کی مثالوں سے کتاب بھری ہوئی ہے "باب الوضوء بالنبيذ" پر تفصیلی اور تحقیقی بحث کے بعد لکھتے ہیں:

"میں نے اس مسئلہ کی تحریر کے وقت بدائع، بحر الرائق، فتح القدیر، المجموع للنووی، عمدۃ القاری، نصب الرایہ' ابوداؤد اور اس کی شروح، عارضۃ الاحوذی، دار قطنی، بیہقی، الجوہر النقی، تہذیب، تقریب، اصابہ، باستیعاب مطالعہ کیں اور شیخ کے مقصد کو ان کتابوں کی روشنی میں حل کیا۔"(۲)

سور کلب کے سلسلہ میں شیخ نے فرمایا تھا کہ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ سے وبری نے

(۱) معارف السنن، ج: ۱، ص: ۱۹۹.

(۲) معارف السنن، ج: ۱، ص: ۳۱٦.

استحباب سبع کی روایت نقل کی ہے۔کمافی شرح التحریر لابن امیر الحاج۔مولانا بنوری رحمۃ اللہ علیہ نے مقامات مظنونہ تلاش کیے،لیکن روایت نہیں ملی۔تلاش وجستجو جاری رہی،آخر شیخ کی ایک یادداشت ملی جس میں تحریر تھا:

”هو ، أي سبع مرات عند أبي حنيفه للاستحباب، نقله فى التقرير شرح التحرير من باب التعارض عن الوبرى عن أبي حنيفة“.

ترجمہ:”سات مرتبہ دھونا امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک استحباب کے لئے ہے‘ باب التعارض میں تقریر شرح تحریر میں وبریؒ نے امام ابوحنیفہؒ سے نقل کیا“۔

تب مجھے معلوم ہوا کہ نقل اپنے محل پر نہیں‘ بلکہ غیر محل پر مذکور ہے۔(۱)

بعض مباحث میں مدت تک غور وفکر کیا اور پھر اپنی تحقیق کا نچوڑ کتاب کے حوالہ کردیا‘ بحث تیمم میں حدیث عمار پر بحث کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

”وإني قد أطلت تفكيري في ذلك وعنيت بالبحث عنه منذ زمان الأخذ والتحصيل، فأوضحت ما أدّاني إليه البحث والكشف“. (۲)

ترجمہ:”طالب علمی کے زمانہ سے اس پر غور وفکر کرتا رہا اور اس کو موضوع بحث بنایا‘ اپنی بحث وتحقیق کا نچوڑ وضاحت کے ساتھ حاضر ہے“۔

بعض چیزیں وقت پر نہیں ملیں،لیکن تلاش وجستجو جاری رہی تھی‘ کئی سالوں کے بعد دستیاب ہوگئیں۔مثلاً گفتگو اس پر ہے کہ قتادہ کا سماع ابوالعالیہ سے ہے یا نہیں؟! شعبہ کا قول امام ترمذی نے نقل کیا ہے کہ تین حدیثیں قتادہ نے ابوالعالیہ سے سنی ہیں۔

① حدیث عمرؓ جس میں صبح وعصر کی نمازوں کے بعد نماز پڑھنے کی ممانعت ہے۔

② حدیث ابن عباسؓ جس میں ارشاد ہے کہ کسی کو سزاوار نہیں کہ کہے میں یونس بن

(۱)معارف السنن ، ج : ۱ ، ص : ۳۲٤.

(۲)معارف السنن ، ج : ۱ ، ص : ٤٨٥.

متی سے بہتر ہوں۔

③حدیث علیؓ کہ قاضی تین قسم کے ہیں، العرف الشذی میں تیسری حدیث کے بارے میں "السنن الکبریٰ بیہقی" کا حوالہ دیا ہوا تھا، میں نے سنن کبریٰ اور حدیث کی دوسری اہم کتابیں دیکھیں، لیکن کہیں بھی یہ حدیث مرفوع نہیں ملی، حضرت علیؓ کی موقوف حدیث ملتی تھی۔

بیس سال سے زیادہ عرصہ گزرنے کے بعد عجلان مولیٰ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے مرفوع ملی، فرماتے ہیں:

"وظفرت به بعد برهة طويلة من الدهر تزيد على عشرين سنة فى الإصابة مرفوعا عن عجلان".(۱)

ترجمہ: "بیس سال سے زائد عرصہ گزرنے کے بعد مجھے یہ حدیث الاصابۃ میں عجلان سے مرفوعاً ملی"۔

محدث بنوری نے اس شرح میں نہ صرف العرف الشذی اور شیخ کی دوسری مطبوعہ کتابوں سے فائدہ اٹھایا' بلکہ شیخ کی یادداشتیں اور آثار السنن للنیموی پر شیخ کے حواشی نادرہ سے بھی فائدہ اٹھایا۔ الرکعتین قبل المغرب کی بحث کے سلسلہ میں رقم فرماہیں:

"وفي مذكرة مخطوطة للشيخ رحمه الله وهو في الكنز"(۲)

ترجمہ: "شیخ کی خطی یادداشت میں ہے کہ یہ حدیث کنز العمال میں ہے"۔

ایک اور جگہ فرماتے ہیں:

"والدلائل والشواهد على ماقال شيخنا مبسوطة في مذكرته كما أفاده". (۳)

ترجمہ: "شیخ کے قول پر دلائل وشواہد شیخ کی یادداشت میں بالتفصیل مذکور ہیں"۔

---

(۱) معارف السنن، ج: ۲، ص: ۱۳۰.

(۲) معارف السنن، ج: ۲، ص: ۱٤٥.

(۳)معارف السنن، ج: ۲، ص: ۱٥٤.

ایک اور جگہ فرماتے ہیں:

"قال الشيخ رحمه الله فيما كتبه على آثار السنن"(١)

ترجمہ: "شیخ نے آثار السنن پر جو تحریر فرمایا ہے، اس میں کہا ہے"۔

اکابر دیوبند کی کتابوں سے بھی فائدہ اٹھایا اور ان کے علوم کو بھی اس شرح میں جمع کیا۔ جماعت ثانیہ کی بحث کے دوران فرماتے ہیں:

"ولقد صنّف مولانا الشيخ رشيد أحمد الكنكوهي رحمه الله تعالىٰ رسالة سماها: القطوف الدانية في حكم الجماعة الثانية".(٢)

ترجمہ: "حضرت شیخ گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ نے اس مسئلہ میں "القطوف الدانیہ" کے نام سے ایک رسالہ لکھا ہے"۔

اپنے شیخ محدث کشمیری رحمۃ اللہ علیہ نے کسی حدیث کا حوالہ دیا اور ان کے الفاظ کے ساتھ وہ حدیث نہ مل سکی تو اس کے قریب تر الفاظ سے حدیث کی تخریج کردی (جیسا کہ حضرت بنوریؒ نے فرمایا):

"ولم أقف عليه بهذا اللفظ ، ولا بهذا المعنى مع جهد بالغ في تصفح ماعندي من الكتب ، وأقرب شيء إلىٰ هذا ما ذكره القرطبي في تفسيره عن زر بن حبيش".(٣)

ترجمہ: "میرے پاس جس قدر کتابیں تھیں، ان کی ورق گردانی کے بعد اس لفظ اور اس معنی کی کوئی حدیث نہیں ملی۔ تاہم قریب ترین حدیث وہ ہے جس کو قرطبی نے اپنی تفسیر میں زر بن حبیش سے نقل کیا ہے"۔

---

(١) معارف السنن، ج: ٢، ص: ٢١٧.

(٢) معارف السنن، ج: ٢، ص: ٢٨٧.

(٣) معارف السنن، ج: ٣، ص: ٢٣.

مولانا فرماتے تھے کہ جس وقت میں ڈابھیل میں معارف السنن لکھ رہا تھا' اسی زمانہ میں حضرت محقق عثمانی رحمۃ اللہ علیہ ترجمہ شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ پر حواشی لکھ رہے تھے اور بخاری اور ترمذی پڑھا رہے تھے' اس لئے حدیث وفقہ اور دوسرے فنون کی اہم کتابیں سب مولانا عثمانی رحمۃ اللہ علیہ کے یہاں بھیج دی جاتی تھیں' اس لئے میرے پاس ذخیرۂ کتب کم تھا۔ فقہ حنفی کی کتاب الفوائد السمیہ فی شرح الفوائد السنیہ للکواکبی جس کا حضرت کشمیری رحمۃ اللہ علیہ نے حوالہ دیا، فرماتے ہیں:

"ثم إن الكتاب المذكور ليس عندي حتى أحكيه بلفظه فأرجو الناظر أن يعذرني في عدم حكاية لفظه".(١)

ترجمہ: ''پھر یہ کتاب میرے پاس نہیں' تاکہ میں اس کے الفاظ نقل کروں، ناظرین سے امید ہے کہ مجھے اس سلسلہ میں معذور سمجھیں گے''۔

معارف السنن میں اہم موضوعات پر کلام و بحث یا شیخ کے چھیڑے ہوئے مباحث پر تحقیق و تنقیح تو آپ کو ملے گی' مگر غیر اہم مباحث یا شراح حدیث کے بحث شدہ مسائل پر خواہ مخواہ کلام کر کے کتاب کو طویل نہیں بنایا گیا۔ ایک جگہ فرماتے ہیں:

"راعيت في شرح الحديث ماتعرض إليه الشيخ رحمه الله تعالىٰ في أماليه على الترمذي ولم أتعرض لبقية الشرح إلا ماظننت أنه في غاية الأهمية وذلك لأمرين: أما أولا: فلاقتصارنا على ما هو الأهم أوعلى ماخفي، وثانيا: فلما بسط فيه الكلام الشيخان البدر والشهاب". (٢)

ترجمہ: ''شیخ نے اپنے امالی میں شرح حدیث کے سلسلہ میں جن امور سے تعرض کیا،

---

(١)معارف السنن، ج: ٣، ص: ٧٩.

(٢)معارف السنن ، ج: ٢، ص: ١٦٧.

میں نے ان کو ملحوظ رکھا' باقی امور سے دو وجہوں کی بناء پر تعرض نہیں کیا۔

① اہم اور مشکل مسائل پر بحث ہمارا موضوع ہے۔

② بدر وشہاب، اس پر مفصل کلام کر چکے ہیں۔

موضوع کے مختلف گوشوں پر مزید بحث وتحقیق کے لئے مآخذ کی نشاندہی اس شرح میں مولانا بنوری رحمۃ اللہ علیہ کا خاص طریقہ ہے، اس کا نمونہ ملاحظہ فرمایئے: حضور اکرم ﷺ کے ''مرض الوفات'' پر ایک حدیث کے سلسلہ میں بحث کے اختتام پر فرماتے ہیں:

''جو شخص موضوع کے مختلف گوشوں پر واقف ہونا چاہے' اس کو چاہئے کہ عمدۃ القاری جلد ثانی، صفحات ۴۵، ۴۷، ۲۷۵، ۲۷۵، ۱۸۷، ۱۹۷، ۱۴۷، ۱۵۷، ۳۵۷، اور جلد ثالث کا صفحہ: ۷۹ اور جلد ثامن' ص: ۴۳۷، ۴۳۸ اور فتح الباری جلد ثانی، صفحات ۱۲۹، ۱۳۰، ۱۳۱، ۱۳۸، ۱۴۴، ۱۴۵، ۲۰۴ اور جلد اول کا صفحہ ۲۶۲ اور جلد رابع کا صفحہ ۲۵۶ اور جلد ثامن کا ۱۰۸ و مقدمہ کا صفحہ ۲۰۹ اور شرح مواہب جلد ۱، ۳۸۳ اور نصب الرایہ جلد ۲، صفحہ ۴۴ مع التعلیقات اور بدایہ ونہایہ جلد: ۵' صفحہ: ۲۳۲ اور سیرۃ حلبیہ جلد ۳ کا آخر مطالعہ کرے۔

اور پھر فرماتے ہیں:

"وهذاماوقفنا عليه وقرأناه بدقة وتفكير، واقتنعنا الآن بالإجمال بالدلالة على مأخذ البحث إعانة لمن أرادالتحقيق". (۱)

ترجمہ: ''اور یہ وہ حوالہ جات ہیں جن تک ہماری رسائی ہوسکی اور جنہیں انتہائی غور و فکر سے ہم نے پڑھا اور اب اجمال کے پیش نظر مزید تحقیق کرنے والے کی معاونت سمجھتے ہوئے ہم نے صرف بحث کے مآخذ ومراجع کی طرف نشاندہی کرنے پر اکتفا کیا''۔

بعض مقامات پر باوجود قصدِ اختصار کے اختصار نہ کرسکے۔ پھر چونکہ شیخ نے اس مسئلہ پر طویل بحث کی تھی' اس لئے اس کی ابحاث کی توضیح وترتیب اور پھر ساتھ ہی ساتھ العرف

---

(۱) معارف السنن ، ج : ۳، ص : ۱۷۹.

الشذی کی اغلاط و مسامحات نے تھکا دیا' لیکن ہمت نہیں ہاری اور طلبہ علم حدیث کے لئے بحث کے سارے گوشوں کو واضح کر کے چھوڑا۔ مسئلہ فاتحہ خلف الامام کے خاتمہ پر فرماتے ہیں:

''باوجود قصد اختصار اس مسئلہ پر کلام طویل ہوگیا، کیونکہ شیخ نے اپنے امالی میں بسط و ایضاح سے کام لیا تھا' میں نے ابحاث کی ترتیب میں سہولت کی خاطر بہت محنت کی' پھر العرف الشذی میں صحیح ضبط نہ ہونے کی وجہ سے بہت پریشان ہوا اور مجھے اس نے تھکا دیا، طلبہ علم سے درخواست ہے کہ میری محنت سے اگر فائدہ اٹھائیں گے تو مجھے دعوات صالحہ میں یاد رکھیں''۔(۱)

محدث بنوریؒ اور شرح حدیث

محققانہ طریقہ پر شرح حدیث اور اس کے متعلقات پر بحث کرنے کے لئے جن صفات و کمالات و ملکات کی ضرورت ہے' وہ راقم کے نزدیک حسب ذیل ہیں:

① توبہ و انابت، خوف و خشیت الٰہی۔

② رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے غایت درجہ کی محبت و عشق' ان دونوں کا لازمی نتیجہ صفاء قلب و نور باطن ہے۔

③ اذکار و اوراد اور عمل بالحدیث کا شوق و جذبہ۔

④ متونِ حدیث پر نظر۔

⑤ رجال و طرق و علل سے آگہی بشمول اصولِ حدیث وغیرہ۔

⑥ مذاہب اربعہ کی اصل کتابوں اور مآخذ سے واقفیت' بشمول اصول فقہ و علم الخلاف۔

⑦ عربیت میں پختگی۔

⑧ کلام و فلسفہ اور حقائق پر نظر۔

⑨ وسعت و سرعتِ مطالعہ۔

⑩ قلم کی روانی و سلاست۔

---

(۱) معارف السنن، ج: ۳، ص: ۲۸۹.

محدث بنوری رحمۃ اللہ علیہ کو یہ ساری صفات وملکات حاصل تھیں۔

قلم کی روانی وسلاست کا یہ عالم ہے کہ عربیت اور زبان عربی کے لحاظ سے یہ شرح تقریباً تمام ہمعصر شرحوں پر فائق ہے۔ حافظ فضل اللہ التوربشتی شارح شرح السنۃ للبغوی کے بعد شاید حضرت بنوری رحمۃ اللہ علیہ ہی ہیں جن کی زبان کو عربی ادب کے جواہر پارے یا شہ پارے کہا جاسکتا ہے۔ ابحاثِ مشکلہ میں قلم کی روانی میں فرق نہ آئے' مصنف کا کمال ہے، داستانِ ہجر وعشق، وارداتِ قلب اور عشق ومحبت کی کیفیات میں زبان وقلم پر قابو پانا آسان ہے' البتہ علوم اوران کی ابحاث میں ادبیت کو برقرار رکھنا مشکل ہے اور محدث بنوری اس مشکل پر پوری طرح قابو یافتہ ہیں۔ اس کی ایک نہیں' سینکڑوں مثالیں دی جاسکتی ہیں۔

وسعت وسرعتِ مطالعہ کا عالم تو آپ اوراق گزشتہ میں دیکھ چکے ہیں۔ کلام وفلسفہ وحقائق کی ابحاث کتاب میں موجود ہیں۔ عوالم کی بحث، روح کی حقیقت، مسئلہ صفات، عینیت وغیریتِ صفات کا مسئلہ، ان کے علاوہ دوسرے کلامی مسائل دعویٰ کا ثبوت ہیں، صرف ونحو، اشتقاق ولغت میں حضرت بنوری کو کمال حاصل تھا، عربی زبان پر عبور تھا۔ عربی زبان کے بے بدل شاعر تھے۔ ان کے قصائد وابیات ہندوستان کے بڑے سے بڑے عربی شاعر کے مقابلہ میں پیش کئے جاسکتے ہیں۔ اہل زبان کی طرح فصیح عربی بولتے تھے۔

مذاہب اربعہ کی کتابوں اور اصل مآخذ سے استخراج پوری کتاب میں نظر آتا ہے' وہ جب مذہب حنفی لیتے ہیں تو قاضیخان، فتح القدیر، بحر الرائق سے اور مذہب شافعی شرح مہذب للنووی سے اور مذہب مالک مدونۃ الکبریٰ یا مالکیہ کی کتابوں سے اور مذہب حنابلہ المغنی لابن قدامہ سے لیتے ہیں۔ کبھی بالواسطہ حوالوں پر اکتفا نہیں کرتے۔ قاضی شوکانی کی نیل الاوطار مولانا کے یہاں نقل مذہب یا دوسری ابحاث میں مدار نہیں، جبکہ عام شارحین اسی سے مذاہب نقل کرتے ہیں۔ شوکانی سے مولانا نے صرف ابن سید الناس الیعمر ی کی شرح ترمذی کے بعض جملے نقل کئے ہیں' کیونکہ موخر الذکر شرح مولانا کے سامنے نہیں تھی۔

رجال وطرق اور علل سے آگہی کی سینکڑوں مثالیں دی جاسکتی ہیں' متونِ حدیث پر

نظر بھی اس کا اندازہ ناظرین کتاب دیکھ کر خود کر سکتے ہیں۔ اذکار و اوراد اور عمل بالحدیث سے شیفتگی مولانا کی پوری زندگی میں نظر آتی ہے۔ علماء میں شاید سب سے زیادہ دعائیں آپ کو یاد تھیں۔ شرح کتاب میں جہاں ادعیہ و اوراد کا ذکر آتا ہے تو اس کو شرح و بسط سے ذکر کرتے ہیں۔ استخارہ سے خاص شغف تھا، کوئی کام بلا استخارہ نہیں کیا۔

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے عشق و محبت کا یہ عالم تھا کہ جب بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا نامِ نامی آتا، آنکھیں پرنم ہو جاتیں۔ مدینہ طیبہ میں زیارت و اعتکاف کے موقعہ پر اس محبت و عشق کا اندازہ لگایا جا سکتا تھا۔ مسجد نبوی اور مواجہہ شریفہ کا احترام و اکرام و اجلال طبیعت ثانیہ بن چکا تھا۔ کئی بار خواب میں زیارت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم سے مشرف ہوئے۔ توبہ و انابت اور خوف و خشیت سے سرشار تھے۔ ڈرنے والا دل، رونے والی آنکھ اللہ تعالیٰ نے آپ کو عطا کی تھی۔

الغرض حضرت بنوری رحمۃ اللہ علیہ شرح حدیث و علوم حدیث کے لئے موزوں ترین شخصیت تھے۔ پھر ذوق و وجدان اور سرعت حدس بھی اللہ تعالیٰ نے آپ کو عطا کیا تھا' اس لئے یہ شرح بیش بہا جواہراتِ علمی کا خزانہ ہے۔

معارف السنن کی خصوصیات

اس کتاب مستطاب کی خصوصیات کے لئے تو ایک دفتر چاہئے' ہم یہاں اس کی خصوصیات چند عنوانات کے تحت ذکر کرتے ہیں' تاکہ ناظرین اس گنجینۂ علم و تحقیق سے واقف ہو سکیں۔ حقیقت یہ ہے کہ محدث بنوری رحمۃ اللہ علیہ نے اس کتاب کے ذریعہ حدیث، حنفیت اور دین کی عظیم خدمت کی ہے' اس کے ساتھ ہی ساتھ یہ کتاب امام العصر حضرت انور شاہ کشمیری کے علوم اور تحقیقاتِ نادرہ اور ابحاثِ فائقہ کی شرح اور تفسیر ہے۔

استاذ کامل کے علوم و فنون کو اس کے تلامذہ ہی اجاگر کرتے ہیں اور مشکلات علوم میں اس کی تحقیقات سے شاگرد ہی نقاب کشائی کرتے ہیں' حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے ہزاروں شاگرد تھے جو اس چشمہ صافی سے سیراب ہوئے' ان میں چند اخص تھے' جنہوں نے علم و تحقیق کے میدان میں قدم رکھا، حضرت بنوری رحمۃ اللہ علیہ ان سب میں فائق تھے، اللہ

تعالیٰ نے آپ کے ذریعہ حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے علوم کو باقی رکھنے کا سامان کیا۔

لیث ابن سعد مشہور راوی حدیث ہیں، مصر کے امام ہیں، ائمہ فن کی رائے میں امام مالک سے زیادہ ان میں تفقہ اور اتقان ہے، لیکن امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کے مقابلہ میں زیادہ مشہور نہیں ہوئے اور نہ ان کا فقہی مذہب منضبط ہوا، کیونکہ "إنّ لیثًا ضیّعه أصحابه" یعنی لیث کے اصحاب نے انہیں ضائع کردیا اور امام دارالہجرۃ مالک ابن انس کے اصحاب و تلامذہ نے ان کے علوم وفنون پر محنت کر کے ان کو زندہ وجاوید بنادیا۔ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے علوم وفنون کی ترجمانی امام محمد بن الحسن رحمۃ اللہ علیہ نے کس محنت وجانفشانی سے کی، ان کو "لسان الحنفیة" اسی خصوصیت کی بناء پر کہا جاتا ہے۔

راویٔ اسلام حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کے مقابلہ میں حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کو زیادہ حدیثیں یاد تھیں اور بقول ابوہریرہ رضی اللہ وہ حدیث قلمبند بھی کیا کرتے تھے، جبکہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ عہد نبوی میں صرف حفظ حدیث پر اکتفا کرتے تھے، لیکن ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کے آٹھ سو تلامیذ نے ان کی احادیث کو چاردانگِ عالم میں مشہور کردیا۔ ابن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کی احادیث اس مرتبہ پر نہیں پہنچ سکیں۔ زیادہ تر کتبِ سنن میں ان کی احادیث نے جگہ پائی۔ ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی احادیث کتاب صحاح نہیں بلکہ سنن، جوامع، مسانید، معاجم، اجزاء ہر نوع کی کتب کا سرنامہ بن گئیں۔ کون نہیں جانتا کہ حافظ ابن حجر کے علوم وفنون کو حافظ سخاوی نے کس طرح محفوظ کیا اور اس میں چار چاند لگائے۔ حضرت شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ کے علوم کی پاسبانی ان کے فرزندانِ گرامی نے کس طرح کی؟

محقق عثمانی رحمۃ اللہ علیہ کا یہ احسان حلقۂ علماء دیوبند ہمیشہ یاد رکھے گا کہ موصوف نے علماء دیوبند کی تحقیق، شرح احادیث کے ذیل میں تحریر کر کے عرب دنیا کو ان تحقیقات علمیہ سے واقف کرایا۔ فتح الملہم کی یہ خصوصیت حضرت بنوری رحمۃ اللہ علیہ نے کئی بار بیان فرمائی۔ حقیقت یہی ہے کہ حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ، حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ، مولانا محمد قاسم

نانوتوی رحمہم اللہ کے علوم وتحقیقات کو فتح الملہم میں دیکھا جاسکتا ہے اور اس طرح ان کے علوم محفوظ بھی ہوگئے اور عرب دنیا کے لئے نعمت بے بہا بن گئے۔

حضرت شیخ الحدیث مدظلہ العالی نے لامع الدراری اور الکوکب الدری کے ذریعہ حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کے علوم محفوظ فرمادیئے۔ اسی طرح حضرت بنوری رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے شیخ محمد انور شاہ کشمیری رحمۃ اللہ علیہ کے علوم کی ترجمانی اور شرح وتفسیر کا حق ادا کردیا۔

شرح حدیث

اس ذیل میں ہم صرف وہ توجیہات بیان کرنے پر اکتفا کریں گے جو مولانا نے خود اپنے ذوق سے بہ سلسلہ حلِ حدیث رقم فرمائیں۔

① امام ترمذی باب الامامۃ میں حدیث ابی مسعود انصاری لائے ہیں جس کا پہلا جملہ ہے "يؤمّ القوم أقرأهم" یعنی سب سے زیادہ مستحق امامت "أقرأ" ہے۔ حالانکہ جمہور فقہاء کے نزدیک "أعلم" مقدم ہے۔

شروحِ حدیث اور کتبِ مذاہب میں اس کی مختلف توجیہات ملتی ہیں۔ مولانا رحمۃ اللہ علیہ اپنی طرف سے اس کی نئی شرح کرتے ہیں۔ اس طرح کہ یہ حدیث جمہور کی دلیل بن جاتی ہے۔ جبکہ اس کو امام احمد اور امام ابو یوسف رحمہما اللہ اور اصحابِ حدیث کی دلیل سمجھا جاتا ہے، فرماتے ہیں:

"والذي يظهرلء أن يقال: إن غرض الحديث "يؤمّ القوم أقرأهم" أي إذا كانوا فى العلم سواء. وهذا هوالمذهب عندنا وعندالشافعية والمالكية جميعًا، وقرنته سياق الحديث "فإن كانوا في القراءة سواء فأعلمهم بالسنة" فيكون في الجملة الأولى "أن يؤم أقرأهم" إذا كانوا فى العلم سواء، وهذا لطيف، فإذن يكون

حديث الباب حجة للجمهور بعد ماكان حجة عليهم".(۱)

ترجمہ: ''اور مجھے تو یہ سمجھ آتا ہے کہ حدیث کا مطلب یہ ہے کہ "أقرأ القوم" اس وقت سب سے زیادہ مستحق امامت ہے، جبکہ سب لوگ علم میں یکساں ہوں۔ یہی مذہب جمہور فقہاء احناف، شافعیہ اور مالکیہ کا ہے۔ اور اس کا قرینہ سیاق حدیث میں یہ آنا "فإن كانوا في القرأة سواء فأعلمهم بالسنة" یعنی ''اگر قرأت میں سب برابر ہوں'' تو اعلم زیادہ مستحق امامت ہوگا۔ تو اس کے مطابق حدیث کے پہلے جملہ میں یہ ہوگا "يؤم أقرأهم إذا كانوا في العلم سواء" یعنی علم میں برابری کے وقت "اقرأ القوم" امامت کا زیادہ مستحق ہوگا۔ یہ توجیہ لطیف ہے اور اب حدیث باب جمہور کی دلیل ہوجائے گی، جبکہ پہلے (بظاہر) جمہور کے خلاف سمجھی جاتی تھی''۔

④ ترمذی کے "باب ماجاء في كراهية أن يبادر الإمام في الركوع والسجود" کے ذیل میں متابعت امام پر سیرِ حاصل بحث کے بعد حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حدیث (مسلم، ابوداوٗد) "فإنّ الإمام يسجد قبلكم و يرفع قبلكم فتلك بتلك" پر بحث کی ہے۔ جس سے معلوم ہوتا ہے کہ امام کے ساتھ مقارنت نہیں، بلکہ معاقبت ہونی چاہئے، لیکن مولانا ''ایک نئی شرح سے روشناس کراتے ہیں۔''

"غير أنه ربما يخطر بالبال ، أن الصحابة لشدة حرصهم لمشاركته صلى الله عليه وسلم في ركن وغاية عنايتهم بأدائه بحيث تساوى كمية العبادة معه صلى الله عليه وسلم ، كان من الممكن المسابقة والمبادرة منهم ، فنبّهم على أن لايبادروا كيلا يسابقوا ، وماكان يختلج قلوبهم من نقصان كمية عبادتهم عن عبادته ، فأزاحه ، بقوله "فتلك بتلك" تسلية لقلوبهم ، وأن لايكون نصا مسوقاً في

---

(۱) معارف السنن، ج: ۲، ص: ۳۲۷، باب الامامة.

المعاقبة ، بل يكون مسوقا لنفي المسابقة". (۱)

ترجمہ: "میرے نزدیک اس کی توجیہ یہ ہے کہ صحابہ کرام ؓ نبی کریم ﷺ کے ساتھ ارکان صلوٰۃ ادا کرنے کا بہت زیادہ اہتمام فرماتے تھے' تا کہ ان کی عبادت کیت ومقدار میں آنحضرت ﷺ کی عبادت کے مساوی ہوجائے تو آنحضرت ﷺ نے انہیں اس مبادرت پر متنبہ کیا' تا کہ کہیں مسابقت کا سبب نہ بن جائے، پھر ان کے دلوں میں اپنی عبادت کے بارے میں جس نقصان کا احساس ہوسکتا تھا' اسے یہ فرما کر زائل کر دیا کہ "فتلك بتلك" تو اب سیاقِ حدیث' اثباتِ معاقبت کے لئے نہیں' بلکہ نفی مسابقت کے لئے ہے"۔

③ عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے، جس کا حاصل یہ ہے کہ جو شخص اللہ کے لئے مسجد بناتا ہے تو اللہ تعالیٰ جنت میں اس کے مثل گھر بنائے گا۔ شراح حدیث نے مماثلت پر اعتراض کے جواب کے سلسلہ میں مختلف توجیہات نقل کی ہیں' لیکن مولانا کی شرح بے غبار ہے' اس پر کوئی اعتراض نہیں ہوسکتا۔ مولانا فرماتے ہیں:

"والأحسن عندي أن يقال: أن المثلية في العمل نفسه والبناء بالمعنى المصدري، أي: ان الله سبحانه يبني له بيتًا في الجنة كما هو بنى لله مسجداً، فكما أن العبد خصص خالقه ببناء بيت لوجهه، فكذلك الله سبحانه يخصصه ببناء بيت له خاصة". (۲)

ترجمہ: "میرے نزدیک سب سے بہتر توجیہ یہ ہے کہ یہ کہا جائے کہ مماثلت نفس عمل اور "بنانے" میں ہے۔ یعنی معنی مصدری میں، مطلب یہ ہوا کہ اللہ تعالیٰ اس کے لئے جنت میں گھر بنائے گا' جیسا کہ اس نے اللہ تعالیٰ کے لئے مسجد بنائی۔ یعنی بندے نے اپنے خالق کا گھر خاص اسی کی رضا کے لئے بنایا تو بالکل اسی طرح اللہ سبحانہ وتعالیٰ اپنے بندے کے

---

(۱) معارف السنن، ج: ۳، ص: ۵۸.

(۲) معارف السنن، ج: ۳، ص: ۳۰۳.

لئے خاص طور پر گھر بنائے گا''۔

مولانا نے اس کے بعد اس شرح کی مزید وضاحت فرمائی۔ آخر میں فرماتے ہیں:

''وشيخنا العثماني صاحب الملهم شرح مسلم لما وقف على توجيهي هٰذا، عجب به جداً، وقال إنه أحسن من كل ماقيل فيه، و أظهر، قال: ومن العجيب أنهم كيف تركوا هذا التوجيه الظاهر وذهبوا إلىٰ توجيهات بعيدة''.

ترجمہ: ''صاحب فتح الملہم ہمارے شیخ عثمانی میری اس توجیہ سے جب واقف ہوئے تو بہت خوش ہوئے اور فرمایا کہ: اس سلسلہ میں جو کچھ کہا گیا ہے یہ ان سب سے بہتر توجیہ ہے' اور یہ بھی فرمایا کہ: تعجب ہے کہ شارحین نے اس توجیہ کو چھوڑ کر دوسری بعید توجیہات اختیار کیں''۔

④ حدیث ابی ہریرہ رضی اللہ عنہ جس کا حاصل یہ ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ: میری اس مسجد میں نماز' دوسری مساجد میں نماز سے ہزار درجہ زیادہ ہے۔ (ترمذی)

''مسجدی ہذا'' میں اسم اشارہ ہے' جس سے بعض حضرات نے یہ سمجھا کہ مذکورہ بالا اجر وثواب اب صرف اسی بقعہ مبارکہ کے ساتھ خاص ہے جو رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ خیر میں تعمیر تھا' مسجد نبوی کی توسیع ہر زمانہ میں ہوتی رہی۔ اس لئے توسیع شدہ حصے اس میں داخل نہیں' اگرچہ جمہور کا یہ مذہب نہیں ہے، بعض شراح یہاں پر ایک قاعدہ اصولی سے بحث کرتے ہیں کہ مسمّٰی اور مشار الیہ جب جمع ہوجائیں تو ان میں سے اعتبار کس کا ہوگا۔ محدث بنوری رحمۃ اللہ علیہ ان ابحاث کو سمیٹتے ہوئے اشارہ لانے کی وجہ بیان کرتے ہیں اور اس سے تخصیص کا جو شبہ ہوتا ہے' وہ دور ہوجاتا ہے:

''قال الراقم: والأولىٰ أن يقال إنما أشارإلى مسجده بكلمة هذا، دفعًا لتوهم دخول سائرالمساجد المنسوبة إليه بالمدينة غير هذا

المسجد لالإخراج ماسيزادفيه".(۱)

ترجمہ:"سب سے بہتر یہ ہے کہ یہ کہا جائے کہ اسم اشارہ لانے کی وجہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں آپ کی طرف جودوسری مساجد منسوب تھیں ان کو اس حکم سے نکالنے کے لئے ہے۔ مسجد نبوی کی آئندہ آنے والے زمانہ میں توسیع کو خارج کرنے کے لئے نہیں"۔

⑤ حضرت ثوبان رضی اللہ عنہ کی حدیث کے یہ لفظ ہیں:"ولا يؤم قوما فيخص نفسه بدعوة، دونهم فإن فعل فقد خانهم" جس کا مطلب یہ ہے کہ کوئی امام نماز میں صرف اپنے لئے دعا نہ کرے۔ اگر اس نے ایسا کیا تو خیانت کا مرتکب ہوا۔ حدیث مندرجہ بالا شراح حدیث کے لئے بہت مشکل واقع ہوئی ہے کیونکہ نماز کی بعض ماثور دعائیں بصیغہ افراد واقع ہوئی ہیں۔ یہاں تک کہ ابن خزیمہ نے اس حدیث کو موضوع تک کہہ دیا۔ دوسرے حضرات نے کچھ توجیہات کی ہیں، لیکن ان سے اطمینان نہیں ہوتا۔

مولانا بنوری رحمۃ اللہ علیہ فاضلانہ اور عمدہ توجیہ کرتے ہیں اور اپنے شیخ کی کسی یادداشت کو سامنے رکھ کر اشکال کا جواب دیتے ہیں:

"اس سے دعا کا صیغہ مراد نہیں ہے کہ جمع متکلم کا صیغہ لائے، واحد متکلم نہیں لائے' بلکہ مطلب یہ ہے کہ امام پر نماز کی حالت میں کیفیت دعا طاری ہوجائے اور وہ دعا پر مجبور ہوجائے تو اس حالت میں صرف اپنے لئے دعا نہ کرے' بلکہ سب مقتدیوں کے لئے یہی دعا کرے' کیونکہ یہ کیفیتِ دعا امام پر طاری ہوتی ہے' مقتدیوں پر نہیں' تا کہ وہ بھی دعا کر لیتے' لہذا تخصیص سے مراد "اختصاص بوجود الدعاء" ہے نہ کہ "تخصیص بصیغۃ الدعاء"۔(۲)

شرحِ حدیث کے سلسلے میں یہ چند نوادرات تھے جو ہم پیش کر سکے۔ ان کے علاوہ پوری کتاب میں اس کی صدہا مثالیں ملتی ہیں۔

---

(۱) معارف السنن، ج: ۳، ص: ۳۲۷.

(۲) معارف السنن، ج: ۳، ص: ۴۰۹.

رجالِ حدیث

محققانہ شرحِ حدیث کے لئے رجال ورواۃ اوران کی جرح وتعدیل سے واقفیت و آ گہی ضروری ہے، جیسا کہ ہم نے پہلے لکھا ہے۔ محدث بنوری رحمۃ اللہ علیہ رجال ورواۃ سے واقف ہی نہیں، بلکہ اس سلسلہ میں ان کے یہاں فاضلانہ اورمحققانہ ابحاث ملتی ہیں۔

① عبدالکریم بن ابی المخارق ایک راوی ہیں، جن کے متعلق ائمہ جرح وتعدیل کا فیصلہ ضعف کا ہے۔ امام دارالہجرۃ مالک بن انس رضی اللہ عنہ نے ان سے مؤطا میں روایت نقل کی ہے، حالانکہ امام کے متعلق طے شدہ اصول ہے کہ وہ کسی ضعیف سے حدیث روایت نہیں کرتے، بلکہ مؤطا مالک کی بزم رواۃ میں کسی راوی کی شرکت توثیق کی دلیل ہے، حافظ المغرب ابن عبدالبر رحمۃ اللہ علیہ نے اس کا جواب دیا ہے۔ مولانا بنوری رحمۃ اللہ علیہ اس جواب کونقل کرنے کے بعد علامہ سیوطی رحمۃ اللہ علیہ پر اعتراض کرتے ہیں:

"ومن العجيب أن السيوطي لم يذكره في رجال "الموطا" وإنما ذكر عبدالكريم بن مالك الجزري، فقط، فلعله قصور منه أو ظنه الجزري، ورواية مالك عنه ثابت قطعاً، كما ذكره ابن حجر في التهذيب". (۱)

ترجمہ: "تعجب ہے کہ سیوطی رحمۃ اللہ علیہ نے اس کو رجال مؤطا میں ذکرنہیں کیا، صرف عبدالکریم بن مالک الجزری کو ذکر کیا ہے یا تو یہ ان کا قصور ہے یا وہ اس کو جزری سمجھ بیٹھے ہیں، حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ کے ذکر کے بموجب امام مالک کی اس سے روایت قطعاً ثابت ہے"۔

② اشعث بن عبداللہ جس کو اشعث اعمٰی بھی کہا جاتا ہے ان کو اشعث وحدانی بھی کہا گیا۔ عام طور پر یہی سمجھا گیا ہے کہ یہ ایک ہی شخص ہے، جس کو مختلف الفاظ سے ذکر کیا جاتا ہے۔ امام ترمذیؒ بھی ان کو ایک ہی شخص سمجھ رہے ہیں۔ جامع ترمذی کے شراح خاموش ہیں،

---

(۱) معارف السنن، ج: ۱، ص: ۱۰٤.

لیکن محقق بنوری رحمۃ اللہ علیہ اس کی تحقیق کرتے ہیں اور آخر میں فرماتے ہیں:

"فهذا يدلّنا على أن أشعث الأعمٰى غيرابن عبدالله، وهذا ثقة، وذاك ضعيف، فاختلف قول الترمذي وقول البزار، فليحقق، ولعل ابن حجر من أجل هذا لم يذكر ابن عبدالله الحذانی بوصف الأعمٰى في التقريب وإن كان ذكره في التهذيب".(١)

ترجمہ: "اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اشعث اعمٰی اور اشعث بن عبداللہ دو الگ الگ شخصیتیں ہیں جن میں سے پہلا ثقہ اور دوسرا ضعیف ہے تو اب ترمذی اور بزار کا قول مختلف ہوگیا' اس کی مزید تحقیق کرلی جائے۔ شاید اسی وجہ سے حافظ ابن حجر نے اپنی کتاب تقریب میں ابن عبداللہ الحذانی کو اعمٰی کے وصف کے ساتھ ذکر نہیں کیا' اگرچہ تہذیب میں کیا ہے"۔

③ سمک طافی کی حلت وحرمت کی بحث فنّ حدیث کے لحاظ سے خوب ہے۔ مولانا نے اس میں خوب جوہر دکھائے ہیں' دیکھئے رجال کے سلسلہ میں نہ ابوبکر بیہقی سے متاثر ہیں اور نہ ابن جوزی سے مرعوب، اپنی تحقیق پر پورا پورا اعتماد ہے۔ درمیان بحث میں ایک جگہ فرماتے ہیں:

"عن جابر رضي الله عنه قال: قال رسول الله ﷺ ماعلق البحر أوجزر عنه، فكلوه، ومامات فيه وطفى فلاتأكلوه" [الحديث]

اس حدیث کو بیہقی نے یحیٰی بن سلیم الطائفی کی وجہ سے ضعیف قرار دیا ہے' جو صحیح نہیں، کیونکہ مذکورہ بالا راوی ثقہ اور حجۃ ہے۔ بخاری ومسلم میں اس کی حدیث نکالی ہے۔ اس طرح ابن جوزی نے اس حدیث کو اسمٰعیل بن امیہ کی وجہ سے ضعیف قرار دیا ہے' یہ وہم ہے' کیونکہ وہ اس کو ابوالصلت سمجھے ہیں اور یہ ابن امیہ قرشی اموی ہے۔ (معارف السنن' ج:١' ص:٢٦٠)

ہم نے جلد اول سے رجال کی صرف تین مثالیں دی ہیں۔ رجال کی ابحاث کے

(١) معارف السنن، ج:١، ص: ١٠٤.

لئے دیکھئے جلد اول کے صفحات: ۲۹۹، ۳۰۷، ۳۱۳، ۳۱۴، ۳۱۵، ۳۲۱، ۳۳۰، ۳۶۵ اور جلد ثانی کے صفحات: ۴۳، ۸۰، ۳۱۹ اور جلد ثالث کے صفحات: ۶۵، ۴۷، ۳۱۵، ۳۷۲، ۳۸۵، ۴۲۶ اور جلد رابع کے صفحات: ۴۷، ۷۸، ۳۸۶ پانچویں جلد کے صفحات: ۷۱، ۷۹، ۹۷، ۱۸۲، ۱۶۷

طرق وعلل ومتابعات پر نظر

"باب ما جاء إذا أقيمت الصلوٰة ووجد أحدكم الخلاء فليبدأ بالخلاء" اس کے ذیل میں امام ترمذی عبداللہ بن ارقمؓ کی حدیث لائے ہیں، اس حدیث میں فنی طور پر یہ بحث اٹھائی گئی ہے کہ عروۃ بن الزبیر نے یہ حدیث عبداللہ بن ارقمؓ سے بلاواسطہ سنی ہے یا بالواسطہ؟ امام ترمذی کی رائے بلاواسطہ سماع کی ہے۔ مولانا مرحوم امام ترمذی کے اس قول کی تائید کرتے ہیں اور عروہ سے بلاواسطہ نقل کرنے اور ابومعاویہ محمد بن حازم کی متابعت کرنے والوں کے نام اور اس کے طرق جمع کرتے ہیں اور فرماتے ہیں:

"وجملة من رواه عن هشام عن عروة عن عبدالله أبو معاويه محمد ابن حازم ومالك ويحيٰی بن سعيد القطان وسفيان بن عيينة وزهير ابن معاوية وحفص بن غياث ومحمد ابن اسحاق و شجاع بن الوليد وحماد ابن زيد ووكيع ومفضل بن فضالة و محمد بن كنانه كما حكاه الزرقاني عن ابن عبدالبر (المجلد ١ صـ ٢٨٨) فهؤلآء كلهم لم يدخلوا بين عروة وبين عبدالله بن أرقم رجلاً، ويؤيده رواية عبدالرزاق (كماحكاه الزرقانى) عن أيوب بن موسٰى عن هشام ابن عروة عن ابيه قال خرجنا فی حج أوعمرةٍ مع عبدالله بن أرقمؓ فأقام الصلوة ثم قال صلوا، وذهب لحاجتهٖ فلما رجع قال: إنّ رسول الله ﷺ قال الخ فهذا صريح في

أن عروة سمعه من عبدالله نفسه بغير واسطة، فالرواية متصله:
لامنقطعة كما أوهمه رواية وهيب وشعيب وأبو ضمرة.(۱)

ترجمہ: ''وہ حضرات جو اس روایت کو ہشام عن عروۃ عن عبداللہ سے روایت کرتے ہیں' ابومعاویہ محمد بن حازم، مالک، یحیٰی بن سعید القطان، سفیان بن عیینہ، زہیر بن معاویہ، حفص بن غیاث، محمد بن اسحق، شجاع بن الولید، حماد بن زید، وکیع، مفضل بن فضالۃ، محمد بن کنانہ ہیں۔ جیسا کہ امام زرقانی نے ابن عبدالبر (ج ۱ ص ۲۸۸) سے نقل کیا ہے۔ ان تمام حضرات نے عروہ اور عبداللہ بن ارقمؓ کے درمیان کسی آدمی کا واسطہ ذکر نہیں کیا ہے' اس کی تائید روایۃ عبدالرزاق (جس کو امام زرقانی نے نقل کیا ہے) عن ایوب بن موسیٰؒ عن ہشام بن عروہ عن ابیہ سے ہوتی ہے۔ عروہ فرماتے ہیں کہ ہم حج یا عمرہ کے لئے عبداللہ بن ارقمؓ کے ساتھ نکلے، انہوں نے نماز کھڑی کرنے کا حکم دیا تو فرمایا: کہ تم نماز پڑھو اور خود قضاء حاجت کے لئے چلے گئے' جب واپس آئے تو فرمایا کہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے الخ۔ اس روایت میں صراحت ہے کہ عروہ نے حدیث مذکورہ عبداللہ بن ارقمؓ سے بغیر واسطہ سنی ہے۔ لہذا یہ روایت متصل ہے نہ کہ منقطع' جیسا کہ وہیب وشعیب اور ابوضمرہ کی روایت سے وہم ہوتا ہے''۔

امام ترمذی ''باب في المني يصيب الثوب'' کے ذیل میں بطریق اعمش حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی حدیث لائے ہیں۔ اس کے بعد امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے اعمش کی روایت کے متابعات ذکر کئے ہیں۔ متابعات روایۃ اعمش ذکر کرنے کے بعد امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ ابومعشر نے بھی اس حدیث کو عن ابراہیم عن اسود عن عائشہؓ روایت کیا ہے' لیکن طریق اعمش اصح ہے۔ امام ترمذی کے اس قول پر ترمذی کے شراح میں سے کسی نے کوئی کلام نہیں کیا۔ تحفۃ الاحوذی لعبدالرحمن المبارکپوری اس سلسلہ میں دیکھی جاسکتی ہے۔ ابن سیدالناس الیعمری کی شرح الترمذی میں بھی اس مقام پر کچھ نہیں ہے۔ راقم نے تین چار سال پہلے مولانا عبداللطیف علی گڑھی کی شرح ترمذی قلمی دیکھی تھی۔ یہ شرح ابن سیدالناس

(۱) معارف السنن، ج: ۱، ص: ۴۷۳.

السیمر ی کی شرح کا خلاصہ ہے' کیونکہ مولانا موصوف نے ایک شخص کے ذریعہ پیر جھنڈے سعید آباد سے اس شرح کو نقل کر کے منگوایا تھا۔ راقم نے اس مقام کو خصوصیت سے دیکھا' لیکن اس میں کچھ نہیں پایا۔ اصل میں اگر نہ ہوتا تو خلاصہ میں ضرور نقل کیا جاتا' مگر محدث البنوری رحمۃ اللہ علیہ اس مقام کی علت اور مغز کو خوب جانتے ہیں اور وہ یہ بھی جانتے ہیں کہ ترمذی ابو معشر کی حدیث کو کیوں مرجوح قرار دے رہے ہیں۔ مولانا کی بحث اس بات کو واضح کرتی ہے کہ مولانا کی طرقِ حدیث اور علل پر گہری نگاہ ہے' چنانچہ مولانا نے اس سلسلہ میں جو کچھ کہا ہے اس کی تلخیص یہ ہے:

''میں یہ سمجھتا ہوں کہ امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ ابو معشر کی روایت پر اعتراض کررہے ہیں، حالانکہ ابو معشر کی روایت اعتراض سے پاک ہے، البتہ امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ کے مذہب کے خلاف ہے، مسلم میں ابو معشر کی حدیث کے الفاظ صراحۃً غسل پر دلالت کرتے ہیں اور یہ بات بھی سمجھ میں نہیں آتی کہ ابو معشر کی روایت کو بلاوجہ مرجوح قرار دے دیا جائے، کیونکہ ابو معشر حفاظ متقنین میں سے ہے، تہذیب میں ابن حبان سے یہی منقول ہے، اس لئے ابو معشر کی حدیث پر کوئی اعتراض نہیں، پھر امام ترمذی کس طرح کہہ سکتے ہیں کہ اعمش کی حدیث ابو معشر کی حدیث کے مقابلہ میں اصح ہے؟! پھر اس کے ساتھ یہ بھی اضافہ کریں کہ ابو معشر ابراہیم سے نقل کرنے میں منفرد بھی نہیں' بلکہ منصور، مغیرہ، واصل الاحدب مسلم میں اور حماد بن سلیمان ابوداؤد میں ان کے متابع ہیں، علاوہ ازیں طرق روایات پر نظر ڈالنے سے یہ واضح ہوا ہے کہ اس موقع پر دو واقعے ملتے جلتے ملتے ہیں، ایک تو واقعہ ہمام بن الحارث کا ہے، جیسا کہ ابوداؤد کی روایت میں ہے، دوسرا واقعہ ابن شہاب الخولانی کا ہے، کما ہو فی روایۃ مسلم، اس لئے جب دو واقعے ہوگئے تو ایک واقعہ کی روایت کو اصح کہنا کس طرح صحیح ہوسکتا ہے، لہٰذا میرے نزدیک ابو معشر کی روایت میں سند اور متن کے لحاظ سے کوئی اعتراض نہیں۔''

بحث کے خاتمہ پر فرماتے ہیں:

''وإن ذهبنا إلى استقراء الطرق يمكن أن نجد مؤيدات أخرىٰ

غیرها وفیما ذکرنا مقنع وکفایة". (۱)

ترجمہ: "اگر ہم طرق جمع کرنا شروع کریں تو ممکن ہے کہ ہم اس کے علاوہ دیگر مؤیدات بھی پالیں جو کچھ ہم نے بیان کیا ہے' یہ کافی وشافی ہے"۔

نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ کی راویت ہے کہ: میں تم میں سب سے زیادہ عشاء کی نماز کا وقت (متعین طور پر) جاننے والا ہوں، رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم عشاء کی نماز کا وقت رات کے چاند کے غروب کے وقت پڑھا کرتے تھے، اس حدیث پر مولانا بنوری رحمۃ اللہ علیہ نے سیر حاصل بحث کی ہے۔

حدیث مندرجہ بالا کی اسناد میں اختلاف ہے، ابوعوانہ ابو بشر کے بعد بشیر بن ثابت کا واسطہ لا رہے ہیں' جبکہ ہشیم ابو بشر سے بلاواسطہ بشیر بن ثابت حبیب بن سالم سے روایت کر رہے ہیں۔ اس فنی اختلاف کا فیصلہ امام ترمذی اس طرح کرتے ہیں کہ ابوعوانہ کی راویت کو بوجہ متابعت شعبہ ترجیح دے رہے ہیں، امام ترمذی فرماتے ہیں:

"ہمارے نزدیک ابوعوانہ کی روایت اصح ہے' کیونکہ یزید بن ہارون شعبہ عن ابن بشر ابوعوانہ کے مطابق روایت کرتے ہیں۔"

محدث بنوری رحمۃ اللہ علیہ نے اس سلسلہ میں جو تحقیق سپرد قلم فرمائی ہے' وہ مولانا کی حدیث دانی، فنی مہارت، علل وطرق سے واقفیت کی آئینہ دار ہے۔ بحث کے آخر میں فرماتے ہیں:

"مؤلف رحمۃ اللہ علیہ کا مقصد ابوعوانہ کی روایت کی ترجیح بوجہ متابعت شعبہ ہے۔

راقم کہتا ہے کہ اگر ترجیح کا مدار متابعتِ شعبہ ہے تو یہ اس طریق کی خصوصیت نہیں ہے' کیونکہ رقبہ بن مصقلہ نسائی اور حاکم کی روایت میں ہشیم کا متابع ہے اور حاکم نے اس کو اسناد صحیح کہا ہے۔ غرض ہشیم منفرد نہیں ہے' بلکہ ایک ثقہ کی متابعت اس کو حاصل ہے' بلکہ حاکم ہشیم کے طریق کو ابوعوانہ کے طریق پر ترجیح دے رہے ہیں اور اب فیصلہ کن امر یہ ہے کہ یا تو

---

(۱) معارف السنن، ج: ۱، ص: ۳۹۰.

سند میں اضطراب کا قول اختیار کیا جائے' جیسا کہ صاحب الجوہر النقی کی رائے ہے یا یہ کہا جائے کہ دونوں اسناد صحیح ہیں۔ابو بشر نے حبیب سے بالواسطہ یا بلا واسطہ دونوں طرح سماع کیا اور اس میں کوئی امر مانع نہیں، کیونکہ واسطہ ثابت کرنے والے' اسی طرح واسطہ کی نفی کرنے والے ثقہ ہیں اور ان میں سے ہر ایک کے لئے متابعت ثابت ہے۔اسی وجہ سے ترجیح میں رائے مختلف ہوگئی۔ترمذی نے ابوعوانہ کی روایت کو اور ابوعبداللہ حاکم نے ہشیم کی روایت کو ترجیح دی"۔(۱)

طرق وعلل ومتابعات کی مزید ابحاث کے لئے دیکھئے۔جلد اول، صفحات: ۱۲۸، ۱۳۰، ۱۵۳، ۲۱۶، جلد ثانی' صفحات: ۱۵۶، ۱۹۸، ۲۳۵، ۲۴۷، ۲۷۹، ۳۵۹، جلد ثالث' صفحات: ۹۳، ۵۳۶، ۲۸، ۴۵، ۲۸۷، ۳۱۱، ۴۷۶، ۵۰۲، ۵۲۰، ۵۲۴، ۵۲۹، جلد رابع' صفحات: ۳۱۰، ۳۸۷، جلد خامس' صفحات: ۱۰۶، ۱۳۳

حنفیت اور امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ

ہم نے لکھا ہے کہ مولانا بنوری رحمۃ اللہ علیہ نے اس کتاب کے ذریعہ حنفیت کی بے بہا خدمت کی ہے اور مسائلِ خلافیہ میں حنفیہ کے موقف کو روایت ودرایت کی پوری قوت سے ثابت کیا ہے۔اس سلسلہ میں چند نمونے پیش ہیں:

① **مسئلہ تیمم :** معرکۃ الآراء مسئلہ ہے۔امام احمد اور جمہور محدثین ایک طرف ہیں۔امام ابوحنیفہ امام مالک اور امام شافعی رحمہم اللہ تعالیٰ دوسری جانب۔احادیثِ صحاح جمہور محدثین کی مؤید ہیں۔احادیثِ حسان اور قیاس فقہاء کے ساتھ ہے۔حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ بھی احادیثِ صحاح سے متاثر ہیں اور تقریباً امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کا ساتھ چھوڑ رہے ہیں۔مولانا بنوری رحمۃ اللہ علیہ سب سے پہلے حافظ پر شدید تعقبات کرتے ہیں اور ان کے کلام کا فاضلانہ رد کرتے ہیں اور فقہاء کے مسلک کو روایت ودرایت سے ثابت کرتے ہیں

(۱) معارف السنن، ج:۲، ص:۷٦.

اور حدیثِ عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ جو بقول محدثین اصح مافی الباب ہے، اس میں اضطراب ثابت کر کے دوسری روایات کو ترجیح دیتے ہیں۔

عمارؓ کے دو واقعے ہیں۔ اس کی فاضلانہ تحلیل کرتے ہیں اور مسئلہ منقح ہوجاتا ہے اور فقہاء کبار کا مسلک روزِ روشن کی طرح واضح ہوجاتا ہے۔(۱)

② **مسئلہ آخر وقت ظہر :** یہ مسئلہ بھی معرکۃ الآراء ہے، حدیثِ جبریل بظاہر حجازیین کی مؤید ہے، امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ سے اس مسئلہ میں مختلف روایات ہیں۔ اس میں جمع وتطبیق اور مسلکِ امام کی ترجیح اور اپنے شیخ کی تحقیق کی روشنی میں فاضلانہ بحث اس کتاب کی خصائص میں سے ہے۔

③ **مسئلہ التأمین :** مشہور مسئلہ ہے۔ سفیان وشعبہ کی روایتوں کا اختلاف، طریق شعبہ پر محدثین کے اعتراضات اور اس کے مسکت جوابات اور ترجیح روایت شعبہ پر دونوں روایتوں کو جمع ''تذییل'' کے عنوان سے اپنے شیخ کے کلام کی شرح وتلخیص، جہر للتعلیم کے نظائر مداور خفض کو جمع کرنا قابل ملاحظہ ہے۔(۲)

④ **مسئلہ رفع یدین :** مشہور اختلافی مسئلہ ہے۔ اس مسئلہ میں سب سے اہم حدیث ابن عمر رضی اللہ عنہ کی ہے جس کو علی بن المدینی شیخ البخاری ''حجۃ اللہ علی الخلق'' کہہ رہے ہیں۔ اس حدیث کے متعلق مولانا رحمۃ اللہ علیہ کے شیخ امام العصر نے اضطراب فی المتن کی طرف اشارات کئے تھے اور یہ بتلایا تھا کہ یہ روایت مختلف وجوہ سے روایت کی گئی ہے جن میں سے ایک طریق میں ترکِ رفع ہے اور یہ طریق مدونۃ الکبریٰ میں ہے۔ مولانا نے اس حدیث کی وجوہِ مختلفہ کو محنت اور جانفشانی سے جمع کیا اور شیخ کے مقصد کو واضح کیا۔ صاحبِ فیض الباری یہاں شیخ کے مقصد کو سمجھ نہ سکے اور اس مقام کو حل نہ کر سکے۔(۳)

---

(۱) مسئلہ تیمم، معارف السنن، ج : ۱، ص : ۳۳۹.

(۲) معارف السنن، ج : ۲، ص : ٤٠٠.

(۳) معارف السنن، ج : ۲، ص : ٤٧٥.

اسی طرح اس سلسلہ میں براء بن عازب رضی اللہ عنہ کی حدیث جو حنفیہ کی مؤید ہے، اور جس کو عام طور پر محدثین ضعیف قرار دیتے ہیں، مولانا نے اس پر فاضلانہ بحث کر کے اس کی تقویت کی ہے۔ سفیان بن عیینہ پر تلقین کے اعتراض کو ایک تاریخی بحث کے زیر عنوان عمدہ طریقہ سے رد کیا ہے۔

⑤ **قراءت فاتحہ خلف الامام :** معرکۃ الآراء مسئلہ ہے' مولانا کے قلم نے اس میں خوب جوہر دکھائے ہیں۔ اس میں فصاعداً کی بحث کو مطولاً ومختصراً جس طرح بیان کیا ہے' وہ مولانا ہی کا حصہ ہے۔ اپنے شیخ کے مقصد کو جس طرح حل کیا ہے' دیدنی ہے۔ مولانا محمد ادریس کاندھلوی رحمۃ اللہ علیہ نے التعلیق الصبیح میں بھی اس کو حل کرنے کی کوشش کی ہے، لیکن حل نہیں کر سکے۔

قال الزهری فانتهی الناس عن القراءة فیما جهر به رسول الله صلی الله علیه وسلم کے سلسلہ میں جو بحث کی ہے' قابل داد ہے۔ ثابت کیا ہے کہ یہ صحابی رسول حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کا ارشاد ہے۔ امام زہری کا قول نہیں ہے اور معمر بن راشد بن کیسان جو اثبت الناس فی الزہری ہیں کے متعلق نظائر جمع کئے ہیں کہ زہری صاحب جب حلقۂ درس واملاء حدیث میں حدیث بیان کرتے تھے اور بعض تلامذہ اس کو کثرتِ ازدحام کی وجہ سے سن نہیں سکتے تھے تو وہ معمر سے پوچھتے تھے اور معمر کہتے تھے: قال الزہری الخ اس طرح تحقیق و بحث کا حق ادا کر دیا ہے۔

یہ چند نمونے ہیں جو عجلت میں پیش کئے جا سکے۔

راقم نے مولانا رحمۃ اللہ علیہ کی معارف السنن پر تفصیلی لکھنے اور اس کے جواہر ریزے جمع کرنے اور ناظرین کو دکھانے کا ارادہ کیا تھا' لیکن اول تو مضمون طویل ہو گیا۔ دوئم بینات کا خصوصی نمبر کتابت کے مراحل طے کر چکا ہے۔ مجھ سے تقاضا ہے کہ میں مضمون ختم کر دوں۔ میں نے معارف السنن کے فوائد کی ایک تفصیلی فہرست تیار کی تھی۔ آخر میں اس کا حصہ ہدیۂ ناظرین ہے' تاکہ تحقیقی کام کرنے والے اس سے فائدہ اٹھا سکیں۔

فاضلانہ ابحاث

جلد اول: صفحات: ۱۸۶، ۲۱۰، ۲۱۹، ۲۳۸، ۲۴۲، ۲۴۹، ۳۱۵، ۳۳۹۔

جلد ثانی: صفحات: ۹، ۱۱۰، ۱۲۴، ۲۳۳، ۲۵۱، ۲۶۰، ۲۷۲، ۲۸۱، ۳۲۷، ۳۹۵۔

جلد ثالث: صفحات: ۱۵۲، ۳۲۴، ۵۱۱۔

جلد رابع: صفحات: ۲۷۸، ۲۹۵۔

جلد خامس: صفحات: ۶، ۸، ۲۲، ۲۳، ۱۰۵، ۱۰۷، ۱۰۸، ۱۱۲، ۱۶۹، ۱۸۸، ۱۸۹، ۱۹۲، ۲۲۴، ۳۲۹، ۲۴۱، ۲۴۷۔

جلد سادس: صفحات: ۲۳، ۱۱۶، ۱۴۹، ۲۲۵، ۲۲۷، ۳۲۲، ۴۲۷، ۴۵۱، ۴۵۲، ۴۵۷، ۴۶۴، ۵۴۹، ۵۷۹، ۵۸۴، ۶۰۵، ۶۲۸، ۶۳۰، ۶۳۱۔

اصول حدیث

جلد اول: صفحات: ۷، ۲۸، ۴۴، ۴۵، ۵۰، ۷۵، ۷۷، ۱۲۳، ۱۲۶، ۱۵۷، ۲۰۴، ۲۴۰، ۳۲۲، ۳۵۰۔

جلد ثانی: صفحات: ۲۰۹، ۲۲۹۔

جلد ثالث: ص: ۵۳۴۔

اصول فقہ

جلد اول: صفحات: ۳۱، ۵۵، ۵۶، ۵۹، ۶۱، ۷۰، ۷۳، ۱۱۹، ۱۵۸، ۲۱۰، ۲۹۰، ۳۵۰۔

جلد ثانی: صفحات: ۴۶، ۷۹، ۱۲۰، ۱۳۰، ۲۲۵، ۲۵۲، ۳۷۱۔

جلد ثالث: صفحات: ۱۳۴، ۲۷۲۔

جلد رابع: ص: ۳۹۹۔

جلد خامس: ص: ۳۱۵۔

فقہ

جلد اول: صفحات: ۱۵۳، ۱۶۰، ۲۱۹، ۳۳۴، ۴۹۷۔

جلد ثانی: صفحات: ۳۸، ۵۴، ۲۴۳، ۳۳۴، ۳۵۲

جلد ثالث: صفحات: ۱۱، ۷۹، ۳۰۰، ۳۱۱، ۳۱۴، ۴۳۴۔

جلد رابع: صفحات: ۲۲، ۴۰۳۔

صرف ونحو

جلد اول: صفحات: ۳۰، ۲۴، ۵، ۴۸، ۷۷، ۸۳، ۹۰، ۱۳۴، ۱۵۵، ۱۹۳۔

جلد ثانی: صفحات: ۱۱۵، ۳۵۵۔

بلاغت کے مسائل

جلد اول: صفحات: ۵۱، ۵۲، ۱۱۲، ۲۸۱۔

جلد ثالث: ص: ۳۱۸۔

بعض افاضل کارد

جلد اول: صفحات: ۱۸۹، ۱۹۸، ۲۳۱، ۲۴۵، ۲۵۳، ۳۳۰، ۴۲۳، ۴۶۵، ۴۷۹، ۵۰۶۔

جلد ثانی: صفحات: ۹، ۲۸، ۸۲، ۱۴۴، ۱۹۳، ۳۱۳، ۳۴۵، ۳۸۷۔

جلد ثالث: صفحات: ۶۴، ۸۰، ۱۰۸۔

جلد رابع: صفحات: ۱۸، ۳۶۷، ۳۸۸۔

حافظ ابن حجر سے اختلاف جلد خامس: صفحات: ۴۲، ۸۶، ۱۰۱۔

ابن المنذر سے اختلاف جلد خامس: ص: ۱۱۸۔

صاحب تحفۃ الاحوذی کا رد

جلداول: صفحات: ۱۰،۱۱، ۲۷، ۱۰۶، ۱۲۸، ۲۵۹، ۲۶۱، ۳۲۶، ۴۹۱، ۴۸۲۔

جلد ثانی: صفحات: ۴۵، ۶۳، ۷۳، ۱۹۴، ۲۹۰۔

جلد ثالث صاحب تحفہ کا شدید رد: ص: ۷۷۔

صاحب تحفہ کی جہالت جلد رابع: صفحات: ۴۷، ۹۸۔

صاحب تحفہ پر قوت سے استدلال جلد خامس: ص: ۱۲۷۔

قوت فیصلہ ومحاکمہ

جلداول: صفحات: ۳۰، ۱۳۷، ۱۷۶، ۳۱۸۔

جلد ثانی: صفحات: ۳۰، ۷۶، ۹۴، ۱۰۰، ۱۰۴، ۱۴۱، ۱۴۴، ۱۴۵، ۱۶۰، ۱۷۲، ۳۲۱، ۲۵۷، ۳۰۲۔

جلد ثالث: صفحات: ۵۲، ۳۶۶۔

جلد رابع: صفحات: ۵۳، ۵۸۔

علم کلام

جلداول: صفحات: ۴۰، ۴۱، ۱۴۱۔

جلد ثانی: ص: ۲۹۳۔

جلد رابع: ص: ۱۳۵۔

بعض فوائد

جلداول: صفحات: ۳۳، ۳۷، ۲۱۷، ۴۹۳۔

جلد ثانی: صفحات: ۱۱۸، ۱۳۵، ۲۴۲، ۲۷۴، ۲۸۴، ۲۹۸، ۳۰۲، ۳۵۷۔

جلد ثالث: صفحات: ۱۶۹، ۲۹۷۔

جلد رابع: صفحات: ۷۹، ۲۸۰، ۳۱۰، ۳۲۱، ۳۳۷، ۳۷۸، ۳۳۹۔

جلد خامس: ص: ۱۲۵۔

اصول أئمہ اربعہ

جلد اول: ص: ۱۰۲۔

قواعد کلیہ احادیث کے متعلق

جلد ثالث: صفحات: ۳۲، ۶۵۔

جلد رابع: صفحات: ۲۶، ۴۶، ۱۱۴۔

جلد خامس: ص: ۱۱۰

اس آخری حوالہ کی صراحت ضروری ہے۔ کیونکہ حدیث کے طالب علم کے لئے اس قسم کے قواعد کا استحضار ضروری ہے اور اس سے حدیث فہمی اور اختلافِ ائمہ کے سلسلہ میں رہنمائی ملتی ہے۔ حدیث معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کے سلسلہ میں "اقتداء المفترض خلف المتنفل" کا مسئلہ ایک نئے انداز میں سمجھاتے ہیں اور طویل بحث کے دوران ایک جگہ فرماتے ہیں:

"جن حضرات کے یہاں مفترض کی اقتداء متنفل کے پیچھے جائز ہے، وہ جابرؓ کی حدیث سے استدلال کرتے ہیں اور ان کے نزدیک یہ حدیث اس مسئلہ میں اصل ہے۔ امام ابوحنیفہ، امام مالک رحمہما اللہ تعالیٰ دوسری احادیث سے جن کی حیثیت قواعد اساسیہ کی ہے، معارضہ کرتے ہیں۔ مثلاً "الإمام ضامن" یعنی امام مقتدی کا کفیل ہے، یا امام کی نماز مقتدی کی نماز کو اپنے ضمن میں لئے ہوئے ہے، یا مثلاً: یہ حدیث: "إنما جعل الإمام ليؤتمّ به" یا مثلاً ارشاد ہے: " فلا تختلفوا"، تم امام سے اختلاف مت کرو۔ اس قسم کی احادیث اصول و قواعد کلیہ کا درجہ رکھتی ہیں۔ اگرچہ عام ہیں۔ جابرؓ کی حدیث اگرچہ خاص ہے، تاہم ایک جزئی واقعہ یا حکایتِ حال ہے جس میں عموم نہیں۔"

اس قسم کے اصول وقواعد اس کتاب میں آپ کو جابجا ملیں گے۔
تحقیق لغت: صفحات' جلد اول: ۱۸۵، ۳۴۲، جلد ثانی ۲۵، جلد رابع ۹۲

بہترین ترتیب وتلخیص کے نمونے

جلد اول: ص: ۲۷۳۔

جلد ثانی: صفحات: ۶۷، ۷۸، ۲۸۸، ۴۴۵۔

جلد ثالث: صفحات: ۴، ۳۲، ۴۷۔

جلد خامس: صفحات: ۱۰۹، ۱۱۲۔

شیخ کی صحیح مسلم کی بعض احادیث کے متعلق ایک اہم رائے

رکعتین بعد العصر کی بحث کے ذیل میں بہت سے اصولی مسائل اٹھائے ہیں۔ اسی سلسلہ میں شیخ کی ایک مفید بات تحریر فرماتے ہیں:

''ہمارے شیخ محمد انور رحمۃ اللہ علیہ یہ سمجھتے تھے کہ امام مسلم حدیث حسن لذاتہ کی بھی اپنی کتاب صحیح میں تخریج کرتے ہیں' باوجودیکہ ان کے یہاں صحت کا التزام ہے اور یہ فرمایا کرتے تھے کہ میں نے یہ بات صحیح مسلم کے استقراء سے معلوم کی ہے۔''(۱)

شیخ کی تمنا

حدیث ''صلوٰۃ اللیل مثنیٰ مثنیٰ'' کے بارے میں طویل تحقیق کے سلسلہ میں ایک جگہ لکھتے ہیں:

''شیخ رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ اس مسئلہ میں مجھے امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی کوئی روایت خواہ شاذ ہی کیوں نہ ہوتی' ایسی مل جاتی جس طرح کہ صاحبین کی رائے ہے، میری یہ آرزو ہے۔

راقم کہتا ہے کہ شرح مہذب (ج: ۴' ص: ۵٦) میں ہے۔ اوزاعی اور امام ابوحنیفہ

---

(۱) معارف السنن، ج: ۲، ص: ۱۳۵.

رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک رات کی نماز مثنیٰ مثنیٰ ہے اور دن کی نماز اگر چاہے تو چار پڑھے اور اگر چاہے تو دو پڑھے۔ غرض امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ سے یہ روایت موجود ہے۔ اگر چہ ہماری کتابوں میں اس کا تذکرہ نہیں ہے اور نووی نے ابن المنذر سے اسے نقل کیا ہے، خلافیات میں ابن المنذر کا علم نا قابل انکار ہے، الحمدللہ! شیخ رحمۃ اللہ علیہ کی تمنا پوری ہوگئی۔"(۱)

ابن حجر پر اضافہ: جلد اول: ص:۳۲۹

حضور علیہ الصلوٰۃ والتسلیم سے عشق

جلد ثالث: ص: ۳۳۳۔

جلد رابع، صفحات: ۲۹۳، ۲۹۵۔

حضرت امام العصر محمد انور شاہ اور حضرت شیخ الہندؒ: جلد خامس: ص:۱۹۔

بدعات کا رَد

جلد اول: ص: ۲۶۵۔

جلد ثانی: صفحات: ۲۱۲، ۳۳۹۔

جلد ثالث: ص:۴۰۹۔

جلد رابع: ص:۱۵۵۔

بعض جدید مسائل

جلد ثانی: ص: ۵۳۔

جلد ثالث: ص:۳۹۶۔

جلد خامس: ص: ۳۲۔

جلد سادس: صفحات: ۱۶، ۱۷، ۲۳۔

---

(۱) معارف السنن، ج: ٤، ص: ١٢١

فی الباب کے متعلق: جلد اول: ص: ۳۵

علامہ زاہد الکوثری سے استفادہ

جلد اول: صفحات: ۱۷، ۲۰۷۔

جلد ثانی: صفحات: ۱۱۸، ۲۳۰، ۳۶۵۔

جلد ثالث: صفحات: ۱۴۲، ۲۶۱، ۲۶۷۔

جلد رابع: ص: ۶۔

ادعیہ کے سلسلہ میں ایک جامع کتاب تصنیف کا ارادہ: جلد ثالث: ص: ۱۰۹

امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی جلالت: جلد ثالث: صفحات: ۱۴۲، ۲۶۰، ۲۶۴، ۵۳۹۔

آثارِ صحابہ اور امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ: جلد خامس: ص: ۸۳۔

امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ کے متعلق

جلد اول: ص: ۲۲۔

جلد ثانی: ص: ۵۶۔

شیخ رحمۃ اللہ علیہ سے اختلاف: جلد رابع: صفحات: ۱۱۹، ۲۶۶

انہی اشارات پر اکتفا کرتا ہوں

داماں نگہ تنگ و گل حسن تو بسیار

والحمدللہ اولاً وأخرًا، والصلوٰة والسلام على النبي دائما أبداً

باب اوّل

منصبِ رسالت اور سنت کا تشریعی مقام

قرآن حکیم کی وہ آیات جن میں نبی علیہ الصلوۃ والسلام کے منصب تنفیذِ احکام شرعیہ کی تائید ہوتی ہے اور یہ ثابت ہوتا ہے کہ احکام شرعیہ اوامر ہوں یا نواہی، اصل میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نافذ فرماتے ہیں اور قرآن کریم ان کی تصدیق وتائید کرتا ہے۔

اللہ رب العزت کا ارشاد ہے:

۱ -﴿ یاایّها الّذین آمنوا اذا قُمتم الی الصلوة فاغسلوا.....
إلی آخر الآیة ﴾　　[المائدة:٦]

یہ آیت کریمہ وضو، غسل، حدث اصغر وحدث اکبر، دونوں صورتوں میں تیمم اور وضوء کوتوڑنے والی اور غسل کوواجب کرنے والی چیزوں، غرض طہارت کی تمام انواع اور نواقض طہارت کے بیان پر حاوی اور جامع آیت کریمہ ہے۔

یہ آیت کریمہ اس امر کی قطعی دلیل ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذات گرامی کی اطاعت تمام امت پرواجب اورآپ کے اقوال وافعال کی پیروی فرض ہے اور یہ کہ آپ احکامِ شرعیہ کے نافذ کرنے میں غلطی سے، خطاء اور خواہش نفس کی پیروی کرنے سے بالکل مبرّا اور مامون ہیں۔

اس کی تفصیل یہ ہے کہ شریعت محمد یہ میں وضوء کا حکم اس آیت کریمہ کے نزول سے تقریباً اٹھارہ سال پہلے سے معمول بہ اور نافذ تھا، جب سے اللہ سبحانہ نے نماز فرض فرمائی ہے، وضو بھی فرض کیا ہے، روزِ اوّل سے کوئی ایک نماز بھی وضوء کے بغیر نہیں پڑھی گئی، لہذا وضوء اور

طہارت بھی نماز کے ساتھ ہی ساتھ نبوت کے ابتدائی عہد میں مکہ کے اندر ہی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تشریع وتجویز کے تحت فرض اور نافذ ہو چکی تھی، چنانچہ حافظ ابن عبد البرؒ فرماتے ہیں:

"غزوات نبی علیہ الصلوۃ والسلام کے روایت کرنے والے تمام سیرت نگار مؤرخین کے نزدیک معروف ومسلم ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جب سے نماز فرض ہوئی ہے، کوئی ایک نماز بھی وضوء کے بغیر نہیں پڑھی اور وضوء، نماز کے ساتھ ہی ساتھ فرض ہوئی"۔

نیز وہ فرماتے ہیں:

"اس دیرینہ تشریع وتعامل کے باوجود اس آیت وضو کے نزول کی حکمت یہ ہے کہ نماز کی طرح وضو اور طہارت کا حکم بھی قرآن میں منصوص ومتلو ہو جائے"۔

"تفسیر مظہری" کے مصنف قاضی ثناء اللہ پانی پتی علیہ الرحمۃ نے اپنی تفسیر میں حافظ ابن عبد البرؒ کا یہ بیان نقل کیا ہے۔

بہرحال اس اٹھارہ سال کے عرصہ میں قرآن کریم میں وضوء اور طہارت کی مشروعیت کا ذکر مطلق نہ تھا، یہاں تک کہ مذکورہ بالا آیت کریمہ "غزوۂ مریسع" سے واپسی کے موقعہ پر سنہ ۵ ہجری میں اس وقت نازل ہوئی جبکہ مسلمان نمازیوں کے پاس وضو اور غسل کے لیے پانی مطلق نہ تھا اور نماز پڑھنے کے لیے طہارت اور وضو کی ضرورت تھی، تو سورۂ مائدہ کی یہ آیت کریمہ پانی نہ ہونے کے وقت تیمم کی مشروعیت سے آگاہ کرنے کی غرض سے نازل ہوئی اور چونکہ تیمم وضوء اور غسل کا بدل ہے، اس لئے بدل کے بیان کرنے سے پہلے اصل یعنی وضو اور غسل کا حکم بھی بیان فرمادیا، تاکہ یہ واضح ہو جائے کہ امت محمدیہ علی صاحبہا الصلوۃ والسلام پر اللہ رب العالمین کا یہ خاص کرم ہے کہ از راہِ تخفیف وسہولت وضو یا غسل کے لیے پانی پر قدرت نہ ہونے کے وقت تیمم کر کے نماز پڑھی جاسکتی ہے، نیز وضوء یا غسل کو توڑنے والی چیزوں کو بھی ذکر فرمادیا تاکہ اس آیت کریمہ سے نبی علیہ الصلوۃ والسلام کے حکم کے تحت کیے جانے والے سابقہ عمل کی تصدیق وتصویب بھی ہو جائے، اور یہ آیت کریمہ ابواب طہارت

کے تمام اصول وفروع پر حاوی اور جامع بھی ہوجائے، جیسا کہ قرآن کریم کی یہ خصوصیت معروف اور مشاہد ہے کہ دین کے ہر باب سے متعلق جامع اور تمام اصول وفروع پر حاوی احکام کا بیان کرتا ہے۔

احکامِ نبویہ کی تصدیق وتائید کے سلسلہ میں اللہ جلّ شانہ کا ارشاد ہے:

۲- ﴿ وماجعلناالْقبلة الّتی کُنت علیها ﴾　[البقرة:۱۴۳]

ترجمہ: اور نہیں مقرر کیا تھا ہم نے وہ قبلہ جس پر تو پہلے سے تھا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا مکۃ المکرمہ سے مدینہ طیبہ ہجرت فرمانا تاریخ سے بطور تواتر ثابت ہے، یعنی ایک ایسی قطعی اور یقینی حقیقت ہے جس سے انکار کا تصور بھی نہیں کیا جاسکتا، اسی طرح یہ بھی ایک ناقابل انکار حقیقت ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ طیبہ پہنچ کر سولہ یا سترہ مہینہ خود بھی بیت المقدس کی طرف رُخ کر کے نماز پڑھی ہے اور صحابہ کرامؓ کو بھی بیت المقدس کی طرف رُخ کر کے نماز پڑھنے کا حکم دیا ہے، اس لیے کہ آپؐ ماہ ربیع الاول میں مدینہ تشریف لائے تھے اور ہجرت کے دوسرے سال ماہ رجب کے وسط میں قرآن کریم کے حکم ﴿ فولّ وجهك شطْر الْمسْجد الْحرام ﴾ [البقرة:۱۴۴] کے مطابق تحویل قبلہ ہوئی ہے، یعنی بیت المقدس کے بجائے مسجد حرام اور بیت اللہ کو قبلہ قرار دیا گیا ہے، یہ سولہ مہینہ تک نماز میں بیت المقدس کے استقبال کا حکم وحی متلو یعنی قرآن میں مطلق مذکور نہیں ہے، بلکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم سے جو یقیناً وحی خفی کے تحت آپؐ نے دیا تھا، بیت المقدس کی طرف نماز پڑھی گئی، اس کے بعد جب قرآن کریم میں تحویل قبلہ کا حکم ﴿ فولّ وجهك شطْر الْمسْجد الْحرام ﴾ نازل ہوا تو اسی کے ذیل میں اللہ جلّ مجدہ نے اپنے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے سابقہ حکم یعنی استقبال بیت المقدس کی تصدیق وتوثیق بھی فرمادی، بلکہ آیت مذکورہ ﴿ وما جعلْنا الْقبْلة الّتی کُنت علیها ﴾ میں نبی علیہ الصلوۃ والسلام کی تشریع وتجویز کو ﴿ وَ مَا جَعَلْنَا الْقِبْلَة ﴾ فرما کر اپنی تشریع وتجویز قرار دیدیا۔

اس تفصیل سے قطعی طور پر ثابت ہوگیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا منصب ہی احکام

شرعیہ کونافذ کرتا ہے، قرآن کریم تو آپؐ کے نافذ کردہ احکام کی تصدیق وتوثیق (یاان میں اصلاح وترمیم) کرتا ہے، اس لیے مذکورہ بالا آیت میں ﴿وَمَا جَعَلْنَا﴾ فرمایا، حالانکہ بیت المقدس کوقبلہ آپؐ نے تجویز کیا تھا، نہ کہ وحی متلو یعنی قرآن نے، لیکن چونکہ آپؐ اللہ تعالیٰ کی شہادت کے مطابق احکام شرعیہ اپنی طرف سے نافذ نہیں کرتے بلکہ اللہ کے حکم سے نافذ کرتے ہیں، اس لیے اللہ پاک نے آپؐ کے حکم کو اپنا حکم قرار دے دیا۔

لہذا ثابت ہوا کہ رسول اللہ ﷺ کا منصب ہی تشریع وتنفیذ احکامِ الٰہی ہے، خواہ قرآن عزیز میں ان احکام کا ذکر آیا ہو یا نہ آیا ہو، قرآن عزیز تو آپ ﷺ کے نافذ کردہ احکام کی تصدیق وتوثیق کرتا ہے، اسی لیے آپؐ احکام الٰہیہ کے نافذ کرنے میں قرآن کریم اوروحی متلو کا انتظار نہیں کرتے تھے، لہذا رسول اللہ ﷺ کے نافذ کردہ تمام احکام کی (جو تفصیلی طور پر احادیث صحیحہ ہی میں مذکور ہیں) اطاعت امت پر فرض ہے، لہذا احادیث صحیحہ کوتسلیم کرنا بھی امت پر فرض ہے اور سرے سے حدیثوں کا انکار کر دینا (کہ یہ تو آپؐ کے وفات کے دوصدی ہجری کے بعد بنائی گئی ہیں) یقیناً کفر ہے، خدا بچائے۔

تشریع نبی ﷺ کی تصدیق وتوثیق کے سلسلہ کی ایک اورمثال اللہ جل جلالہ کا ارشاد ہے:

۳-﴿یا أیھا الذین آمنوا اذا نودی للصّلوة من یوم الجُمعة فاسعوا الٰی ذکر اللہ وذروا البیع﴾ [الجمعة:۹]

ترجمہ: اے ایمان والو! جب اذان ہو نماز کی جمعہ کے دن تو دوڑو اللہ کی یاد کی طرف اور خرید وفروخت چھوڑ دو۔

٤-﴿واذا نادیتم الی الصلوة اتخذوھا ھزوا ولعبا﴾ [المائدة:۵۸]

ترجمہ: اور جب تم پکارتے ہو نماز کے لئے تو ٹھہراتے ہیں وہ اس کو ہنسی اور کھیل۔

اطلاع نماز کے لئے مجلس مشاورت

جب سرور کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور صحابہ کرامؓ مکہ مکرمہ سے ہجرت کر کے مدینہ طیبہ تشریف لے آئے، اور مدینہ دارالاسلام بن گیا اور مسلمانوں کو آزادی کے ساتھ اپنے معبود حقیقی کی عبادت کرنے اور پورے دین کو قائم کرنے اور اسلام کے شعائر کو اختیار کرنے کا موقعہ اللہ کے فضل سے نصیب ہو گیا تو پانچوں نمازیں جماعت کے ساتھ مسجد نبوی علی صاحبہا الصلوۃ والسلام میں پڑھی جانے لگیں، تب مسلمانوں کو جماعت کے مقررہ اوقات کی عام اطلاع دینے کی ضرورت شدّت کے ساتھ محسوس ہوئی، تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے صحابہؓ کو مشورہ کے لیے مسجد میں جمع کیا۔

① اس مجلس مشاورت میں کسی نے اطلاع کے لئے نماز کے وقت کسی اونچے مقام پر آگ جلانے کی تجویز پیش کی، آپؐ نے اس تجویز کو یہ فرما کر رد کر دیا کہ ''یہ عبادت کے لیے آگ جلانا تو مجوسیوں اور آتش پرستوں کا شعار ہے''۔

② بعض نے ناقوس (سنکھ) بجانے کی تجویز پیش کی آپؐ نے فرمایا: ''یہ نصاریٰ کا شعار ہے''۔

③ کسی نے بوق (بھوپو) بجانے کی تجویز پیش کی آپؐ نے فرمایا: ''یہ یہودیوں کا شعار ہے''، آخر وقتی طور پر طے پایا کہ ہر نماز کے وقت ایک منادی مسلمانوں کے محلوں میں جاکر ''الصلوۃ جامعۃ'' کی منادی کردے، مگر نہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مطمئن ہوئے، نہ صحابہ کرامؓ اور مجلس ختم ہو گئی، اور اسی سوچ بچار میں سب اپنے اپنے گھروں کو چلے گئے، تو اسی رات میں عبد اللہ بن عبد ربہؓ صحابی کو خواب میں بلکہ نیم بیداری میں کسی آسمانی فرشتے نے یہ معروف اذان کے کلمات سکھلائے، انہوں نے صبح ہوتے ہی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر اپنا خواب اور یہ اذان کے کلمات آپؐ کی خدمت میں بیان کئے، آپؐ نے اس خواب کی تعبیر دی کہ یہ بالکل سچا اور برحق خواب ہے، اور آپؐ کی رائے اور ذوق معصوم نے اس کی تصدیق کی کہ یہ منجانب اللہ ہے، اور عبد اللہ بن عبد ربہؓ سے فرمایا کہ:

"تم یہ کلمات بلالؓ کو سکھلا دو اور بلال پانچوں وقت اسی طرح اذان دیا کریں، (چونکہ) ان کی آواز تم سے بلند ہے"۔

اس طرح یہ معروف اذان جو اسلام کا مخصوص اور عظیم تر شعار ہے، صرف رسول اللہ ﷺ کے حکم سے جاری ہوئی، اور پانچوں وقت اذان دی جانے لگی، کافی عرصہ بعد قرآن کریم کی مذکورہ بالا دونوں آیتیں اس کی تصدیق وتوثیق کی غرض سے نازل ہوئیں، اوران میں اذان کا ذکر اس طرح فرمایا جیسے اللہ کی جانب سے یہ طے شدہ امر ہے، لہذا اس اسلامی شعار یعنی اذان کی ابتداء اور تشریع، صاحب شریعت علیہ الصلوۃ والسلام کی رائے اور ذوق معصوم کے ذریعہ عمل میں آئی ہے اور بعد میں قرآن نے اس کی تصدیق وتوثیق کی ہے۔

حضرت عمر فاروقؓ نے بھی بعینہ یہی خواب دیکھا تھا، اور کچھ دن بعد آپؐ کی خدمت میں عرض کیا تھا، جس پر آپؐ نے فرمایا تھا: "میں دیکھتا ہوں کہ تم سب کے خواب اسی پر متفق ہو رہے ہیں"۔ (تفصیل کے لیے "معارف السنن" جلد ثانی "باب بدء الاذان" کی مراجعت کیجئے)

نماز با جماعت کے متعلق اللہ جلّ جلالہ کا ارشاد ہے:

۵-﴿واركعوا مع الراكعين﴾ [البقرة:٤٢]

ترجمہ: اور جھکو جھکنے والوں کے ساتھ۔ (رکوع کرو، رکوع کرنے والوں کے ساتھ)

٦-﴿الراكعون الساجدون﴾ [التوبة:١١٢]

ترجمہ: رکوع کرنے والے سجدہ کرنے والے۔

٧-﴿تراهم ركعا سجدا﴾ [الفتح:٢٩]

ترجمہ: دیکھے تو ان کو رکوع میں سجدہ میں۔

٨-﴿وقوموا لله قانتين﴾ [البقرة:٢٣٨]

ترجمہ: اور کھڑے ہو جاؤ اللہ کے آگے ادب سے۔

اور اسی قسم کی وہ تمام آیتیں جن میں نماز کے ارکان قیام، رکوع، سجود کا ذکر آرہا ہے

سب کی سب مدنی ہیں، ہجرت کے بعد نازل ہوئی ہیں، اور سب جانتے اور مانتے ہیں کہ نماز ''لیلۃ الاسراء'' کے بعد ہی مکہ مکرمہ میں فرض ہو چکی تھی، بلکہ محققین کی تو رائے ہے کہ فجر اور عصر کی نمازیں تو ''لیلۃ الاسراء'' سے بھی پہلے پڑھی جاتی تھیں، ہاں پانچ نمازیں ''لیلۃ الاسراء'' میں فرض ہوئیں اور پڑھی گئی ہیں۔

بہر حال پوری کی پوری نماز باجماعت اس شرعی صورت میں جس کے اندر اوّل قیام ہے، پھر رکوع ہے، پھر سجدہ ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حکم سے ہی پڑھی گئی ہے، کافی عرصہ بعد وحی متلو قرآن عزیز کی آیات ایک نافذ شدہ شرعی حکم کے طور پر اس کی تصدیق وتوثیق کی غرض سے نازل ہوئی ہیں۔

ابتداءً رکعتوں کی تعداد

اس طرح ہر نماز کی رکعات کی تعداد کہ ہجرت سے پہلے مکہ مکرمہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حکم سے چار رکعات والی نمازوں ظہر، عصر اور عشاء کی بھی دو دو رکعتیں ہی پڑھی جاتی تھیں، مدینہ میں آکر حالت قیام میں آپؐ نے تینوں نمازوں میں دو دو رکعتوں کا اضافہ فرما دیا، سفر کی حالت میں حسب سابق دو دو رکعتیں ہی رہیں، کافی عرصہ بعد مدینہ میں ''آیت قصر'' (صلوۃ سفر کی حالت میں قصر کا حکم) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اس تشریع وتنفیذ کی توثیق کے طور پر نازل ہوئی۔

اسی طرح روزِ اوّل سے پانچوں نمازوں کے اوقات کی تعیین وتحدید بھی صرف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حکم (الوقت بین هذین الوقتین) سے ہی ہوئی ہے، کافی عرصہ بعد قرآن کریم نے ﴿ان الصّلوه کانت علی المؤمنین کتاباً موقوتا﴾ کے ذریعہ اصولاً اور اجمالاً اس کی توثیق کی ہے، اور متفرق آیات میں علیحدہ علیحدہ نمازوں کے مقرر اوقات کی طرف اشارہ کر کے تفصیلاً ان اوقات صلوۃ کی تصدیق وتوثیق کی ہے، مثلاً:

۱- ﴿واقم الصّلوۃ طرفی النّهار وزلفاً من اللیل﴾

[هود:۱۱٤]

ترجمہ: اور قائم کر نماز کو دن کے دونوں طرف اور رات کے کچھ حصوں میں۔

۲-﴿اقم الصّلوۃ لدلوك الشّمس الی غسقِ اللیل وقرآن الفجر﴾ [الاسراء:۷۸]

ترجمہ: قائم کرو نماز کو سورج ڈھلنے کے وقت سے رات کے اندھیرے تک، اور قرآن پڑھنا فجر کا۔

۳-﴿من قبل صلوۃ الفجروحین تضعون ثیابکم من الظّهیرۃ ومن بعد صلوۃ العشاء﴾ [النور:۵۸]

ترجمہ: فجر کی نماز سے پہلے اور جب تم اتار رکھتے ہو کپڑے دوپہر میں اور عشاء کی نماز کے بعد۔

٤-﴿اذا نودی للصّلوۃ من یّوم الجمعة﴾ [الجمعة:۹]

ترجمہ: اور جب اذان ہو نماز کی جمعہ کے دن۔

۵-﴿حافظوا علی الصّلوات والصّلوۃ الوسطی﴾ [البقرۃ:۲۳۹]

ترجمہ: محافظت کرو نمازوں کی اور بیچ والی نماز کی۔

٦-﴿والّذین هم علی صلواتهم یحافظون﴾ [المومنون:۹]

ترجمہ: اور وہ لوگ جو اپنی نمازوں کا خیال کرتے ہیں (محافظت کرتے ہیں)۔

۷-﴿فسبّح بحمدربك قبل طلوع الشّمس وقبل غروبها ومن آناء اللیل فسبح واطراف النّهار لعلك ترضی﴾ [طه:۱۳۰]

ترجمہ: پس اپنے رب کی حمد کے ساتھ پاکی بیان کر سورج نکلنے سے پہلے اور غروب ہونے سے پہلے، اور رات کی کچھ ساعتوں میں بھی پاکی بیان کیا کر، اوردن کے اطراف میں بھی تاکہ تو راضی ہو (خوش ہو)۔

اوران کے علاوہ وہ تمام آیات جن میں اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے پانچوں نمازوں کے معمول بہا اوقات کی طرف اشارہ کرکے ان کی تصدیق وتوثیق فرمائی ہے، ان میں بیشتر آیات

تو مدنی ہیں، اور جو آیات مکی ہیں وہ بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حکم سے اوقات کی تعیین وتحدید اور تعامل کے بعد بطور توثیق نازل ہوئی ہیں۔

غرض وضو، غسل، تیمم وغیرہ احکام طہارت، اذان، قبلہ، اوقات نماز، ارکان نماز، رکعات نماز، نماز کی ہیئت شرعی اور ارکان کی ترتیب وغیرہ تمام احکام وفرائض شرعیہ کی تشریع و تنفیذ صرف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حکم سے ہوئی ہے، اور نفاذ کے بعد قرآن کی آیات نے ان کی تصدیق وتوثیق کی ہے۔

احکامِ شرعیہ کا ماخذ اوّل باعتبار وجود

یہ تمام احکام شرعیہ ''ضروریات دین'' میں سے ہیں، یعنی دین کے بدیہی اور یقینی امور ہیں، ان کا انکار کھلا ہوا کفر ہے، اور بغیر انکار کے ان کو ترک کرنا فسق کا موجب ہے (فاسق ہونے کا سبب ہے) اور یہ سب کے سب احکام قرآن کریم کے نزول سے پہلے حدیث وسنت کے ذریعہ (یعنی قول وفعل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ذریعہ) نافذ ہوئے ہیں، اور نفاذ کے بعد قرآن کی آیات نے ان کی تصدیق وتوثیق کی ہے، اس لئے دلیل شرعی کے وجود اور تحقیق کے اعتبار سے سنت وحدیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا مرتبہ اور درجہ پہلے ہے اور اس لحاظ سے احکام شرعیہ کا پہلا ماخذ حدیث وسنت رسول اللہ ہے اور امت کے لئے ثبوت احکام شرعیہ کی پہلی حجت اور دلیل بھی حدیث وسنت رسول اللہ ہے، کتاب اللہ اس کی تصدیق وتوثیق کرتی ہے۔

یہ ضرور ہے کہ یقینی علم کے حصول کے لحاظ سے کتاب اللہ قطعی اور یقینی ہے، اور عام طور پر احادیث ظنی ہیں، اس لئے ان امورِ دین اور احکام شرعیہ کو قطعیت کا درجہ یعنی قطعی اور یقینی احکام شرعیہ اور امور دین ہونے کا مرتبہ کتاب اللہ کی تصدیق وتوثیق کے بعد حاصل ہوتا ہے، اس قطعی اور یقینی علم کے لیے مفید ہونے کے لحاظ سے کتاب اللہ کو احکام شرعیہ کا ماخذ اول اور سنت وحدیث کو ماخذ دوم کہا جاتا ہے، (ورنہ تو ثبوت وتحقیق اور عملی شکل وصورت کے اعتبار سے تو صرف قرآن کی روشنی میں ان بنیادی امور دین اور اساسی احکام شرعیہ پر عمل حدیث کے بغیر ہی نہیں، نہ نمازیں پڑھی جاسکتی ہیں، اور نہ روزے رکھے جاسکتے ہیں، نہ زکوۃ دی جاسکتی

ہے، نہ حج کیا جاسکتا ہے، یہی حال بقیہ احکام شرعیہ کا ہے) لہذا احادیث وسنت کا انکار کرنا دراصل پورے دین کے انکار کرنے کے مرادف ہے، اور یہی منکرین حدیث وسنت کا منشاء ہے، جیسا کہ ہم ابتداء میں عرض کر چکے ہیں۔

اللہ جل شانہ اپنے رسول علیہ الصلوۃ والسلام کے ایک حکم کی توثیق فرماتے ہیں، ارشاد ہے:

۷-﴿ماقطعتم من لينة أو تركتموها قائمةً على اصولها فباذن الله﴾ [الحشر:۵]

ترجمہ: جو کھجور کے درخت تم نے (جڑ سے) کاٹ ڈالے یا جو جڑوں پر کھڑے رہنے دیئے تو وہ (سب) اللہ کے حکم سے تھا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے غزوۂ خیبر کے موقعہ پر جنگی مصلحت کے تحت محاصرہ خیبر کے دنوں میں یہودیوں کے بیرون شہر نخلستانوں کے پھل دار درختوں کے کاٹ ڈالنے کا حکم دیا تھا، اور مسلمانوں نے کچھ درخت کاٹ ڈالے تھے، اور وحی متلو یعنی قرآن کریم میں اس قسم کا کوئی حکم نازل نہیں ہوا تھا، اس پر یہودیوں نے بڑی لے دے کی اور شور مچایا (کہ یہ تو اِفساد فی الارض ہے جو کسی ملت میں بھی جائز نہیں) تو اس پر اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے اپنے رسول علیہ الصلوۃ والسلام کے حکم کی تصدیق وتوثیق کے لئے مذکورہ بالا آیت کریمہ نازل فرمائی کہ آپ نے یہ حکم اللہ تعالیٰ کے حکم اور اجازت ہی سے دیا ہے۔

لہذا اس آیت کریمہ سے تو آفتاب نیم روز کی طرح یہ حقیقت واضح ہوگئی کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے منصب تشریع احکام کے تحت ایسے احکام دیئے اور نافذ کئے ہیں جو قرآن میں مذکور نہیں تھے، اس کے بعد قرآن کریم کی آیات ان کی تصدیق وتوثیق کے لیے نازل ہوئی ہیں، اور اللہ جل شانہ نے ان کو اپنا حکم قرار دیا ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے تمام فیصلوں کی توثیق کے سلسلہ میں اللہ سبحانہ وتعالیٰ کا ارشاد ہے:

٨- ﴿فلا وربك لايؤمنون حتى يحكّموك فيما شجر بينهم ثم لا يجدوا في أنفسهم حرجاً ممّا قضيت و يسلّموا تسليماً﴾

[النساء:٦٥]

ترجمہ: سوقسم ہے تیرے رب کی وہ مومن نہ ہوں گے یہاں تک کہ تجھ کو ہی منصف گردانیں اپنے آپس کے جھگڑوں میں، پھر نہ پائیں اپنے دلوں میں کوئی تنگی تیرے فیصلہ سے اور قبول کریں دل سے۔

ہم اس آیت کریمہ کو ایک دعویٰ کے ثبوت کے طور پر پیش کرتے ہیں اور وہ یہ کہ آپؐ کے ہر حکم اور فیصلہ پر۔اگر چہ قرآن میں مذکور نہ ہو۔ایمان لانا اور اس پر عمل کرنا فرض ہے، بالفاظ دیگر آپؐ ایسے فیصلے اور احکام نافذ کرنے کے بھی مجاز ہیں جو قرآن کریم میں مذکور نہ ہوں، اس لیے کہ یہ آیت کریمہ حضرت زبیرؓ اور ایک انصاری صحابی کے اس باہمی نزاع اور جھگڑے میں آپؐ کے فیصلے اور حکم کی توثیق کے لیے نازل ہوئی ہے جو حرہ سنگستان کے ایک خودرو نالے (شراج) کے پانی سے کھیتوں کو سیراب کرنے کے بارے میں پیش آیا تھا، اور آپ نے اس مقدمہ کا فیصلہ اپنی رائے سے کیا تھا، جس کا اختیار کرنا ﴿فاحکم بما اراك الله﴾ کے تحت آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو حاصل تھا، قرآن کریم میں اس وقت تک کوئی ایسا حکم نازل ہوا ہی نہیں تھا، اسی لئے انصاری نے آپؐ کے اس اجتہادی فیصلہ کو نہ مانا اور اس کو حضرت زبیرؓ کی طرفداری پر محمول کیا، اس سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو بڑی تکلیف ہوئی، تو اللہ جل شانہ نے انتہائی زور دار الفاظ میں نہ صرف آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے فیصلے اور اس قسم کے فیصلوں کے مجاز ہونے کی تصدیق وتوثیق فرمائی بلکہ اعلان کردیا کہ آپؐ اس قسم کے فیصلے کرنے کے نہ صرف مجاز ہیں بلکہ جب تک مسلمان آپ کے اس عظیم منصب کو تسلیم نہیں کریں گے اس وقت تک ان کا ایمان عند اللہ معتبر نہ ہوگا، اس لیے کہ آپؐ کے اس منصب پر ایمان لانا بھی امت کا فرض ہے۔

رسول علیہ الصلوۃ والسلام کے مقابلے میں کسی اور کے فیصلہ کو ماننا ایمان کے منافی ہے، اس سلسلہ میں اللہ سبحانہ وتعالیٰ کا ارشاد ہے:

۹-﴿الم تر الی الّذین یزعمون انّھم آمنوا بما انزل الیك وماانزل من قبلك یریدون ان یتحاکموا الی الطّاغوت﴾

[النسا:٦٠]

ترجمہ: کیا تو نے نہ دیکھا ان لوگوں کو جو دعویٰ کرتے ہیں کہ ایمان لائے ہیں اس پر جو اترا تجھ پر اور جو اترا تجھ سے پہلے (اور) ارادہ رکھتے ہیں کہ قضیہ لے جائیں (اپنا) شیطان ودشمنان خدا کے پاس۔

یہ آیت کریمہ بھی ایک یہودی اور ایک منافق کے باہمی نزاع اور اس میں رسول اللہ ﷺ کے کئے ہوئے فیصلہ کی توثیق کے لئے نازل ہوئی، جس کو منافقوں نے ماننے سے انکار کردیا تھا، اور کسی دشمنِ خدا کافر سے فیصلہ کرانا چاہا تھا، اس لئے اس آیت کریمہ میں اللہ جل شانہ نے شدید عتاب فرمایا اور اعلان کردیا کہ آپؐ مفروض الطاعت ہیں، آپؐ کے فیصلہ کو ماننا ہر مسلمان کا فرض ہے، ان کے مقابلے میں کسی بھی دوسرے حاکم سے فیصلہ کا مطالبہ کرنا سراسر کفر ہے۔

اسی سلسلہ میں آیت کریمہ ذیل بھی نازل ہوئی ہے:

۱۰-﴿وماارسلنا من رسول الا لیطاع باذن اللہ﴾

[النساء:٦٤]

ترجمہ: اور ہم نے جو بھی رسول بھیجا صرف اسی لئے بھیجا کہ اس کی اطاعت کی جائے اللہ کے حکم سے۔

ان تمام آیات سے ثابت ہوا کہ آپ ﷺ کو تشریع احکام یعنی شرعی احکام نافذ کرنے کا اختیار ہے اور امت پر آپؐ کے ہر حکم کو ماننا فرض ہے، اور یہ کہ ہر رسول کی اطاعت اس کی امت پر فرض ہے، کسی بھی مسلمان کا رسول اللہ ﷺ کے حکم اور فیصلہ کے مقابلہ پر کسی بھی دوسرے شخص کے حکم اور فیصلے کا ارادہ کرنا سراسر کفر ہے، اور وہ شخص مسلمان نہیں بلکہ کافر ہے۔

باب دوم
منصب رسالت اور تعلیم وتربیت امت

وہ آیات مبارکہ جوحضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے منصب تعلیم وتربیت امت پر دلالت کرتی ہیں۔

حضرت ابراہیم علیہ الصلوۃ والسلام کی دعا کی صورت میں اللہ جل جلالہ کا ارشاد ہے:

۱-﴿ربنا وَابعث فیهم رسولا مّنهم یتلوا علیهم آیاتك و یعلّمهم الکتٰب والحکمة و یزکّیهم انك انت العزیز الحکیم﴾

[البقرة:۱۲۹]

ترجمہ: اے ہمارے پروردگار! اور بھیج ان میں ایک رسول انہی میں کا، کہ پڑھے ان پر تیری آیتیں اور سکھلائے ان کو کتاب اور حکمت اور پاک کرے ان کو بیشک تو ہی ہے بڑا زبردست بڑی حکمت والا۔

اللہ رب العالمین اس دعا کو قبول فرماتے ہیں، اور اپنے خاص فضل وانعام کا اظہار فرماتے ہیں:

۲-﴿کما ارسلنا فیکم رسولا مّنکم یتلوا علیکم آیاتنا و یزکّیکم و یعلّمکم الکتٰب والحکمة و یعلّمکم مالم تکونوا تعلمون﴾

[البقرة:۱۵۱]

ترجمہ: جیسا کہ بھیجا ہم نے رسول تم ہی میں کا، پڑھتا ہے تمہارے سامنے ہماری آیتیں، اور پاک کرتا ہے تم کو، اور سکھلاتا ہے تم کو کتاب اور حکمت، اور سکھاتا ہے تم کو وہ (وہ باتیں جو تمہاری عقل سے بالاتر ہیں) جو تم نہیں جانتے تھے۔

اہل ایمان پر خاص طور سے اس فضل وانعام کا اظہار فرماتے ہیں:

۳-﴿لقد منّ الله علی المؤمنین اذ بعث فیهم رسولا مّنهم یتلوا علیهم آیاته و یزکیهم و یعلمهم الکتب والحکمة وان کانوا من قبل لفی ضلال مبین﴾ [آل عمران:٦٢]

ترجمہ: بیشک اللہ نے بڑا احسان کیا ایمان والوں پر، جو بھیجا ان میں رسول انہی میں کا، پڑھتا ہے ان کے سامنے اس کی آیتیں، اور ان کو پاک کرتا ہے، اور سکھلاتا ہے ان کو کتاب اور حکم، اور وہ تو اس سے پہلے صریح گمراہی میں (پڑے ہوئے) تھے۔

اسی سلسلہ میں ارشاد ہے:

٤-﴿هو الّذی بعث فی الامّیین رسولا منهم یتلوا علیهم آیاته ویزکّیهم ویعلّمهم الکتب والحکمة وان کانوا من قبل لفی ضلال مبین﴾ [الجمعة:٢]

ترجمہ: وہ اللہ ہی ہے جس نے بھیجا اَن پڑھوں میں انہی میں کا رسول، جو ان کے سامنے اس کی آیتیں پڑھتا ہے اور ان کو پاک کرتا ہے، اور ان کو کتاب و حکم سکھلاتا ہے، اور اس سے پہلے صریح گمراہی میں پڑے ہوئے تھے۔

ان چار بنی بر حکمت آیات میں سے جو ایک دوسری کے مماثل اور مؤید ہیں، ہر ایک میں اللہ رب العالمین حضرت خاتم الانبیاء سیدنا محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے منصب جلیل کا ذکر فرماتے ہیں، ایک مرتبہ نہیں بلکہ مختلف انداز اور مختلف پہلوؤں سے چار جگہ اس کا ذکر فرماتے ہیں، تاکہ دنیا پر آپؐ کی بعثت مقدسہ کا مقصد آفتاب نیم روز کی طرح روشن اور واضح ہو جائے۔

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے فرائض منصبی

ان آیات بینات میں رسول اللہ کے چار فرائض منصبی بتلائے ہیں:

اوّل: قرآن کریم امت تک پہنچانا۔

کتاب اللہ کی آیات ہو بہو امت کے سامنے تلاوت کرنا اور وحی متلو یعنی قرآن عظیم

کو ہو بہو اللہ جل جلالہ کے الفاظ میں پہونچانا اور لفظ بلفظ یاد کرا دینا، تا کہ اللہ کا کلام ہر قسم کے تغیر و تبدّ ل، تحریف وتصرف اور کمی بیشی سے محفوظ ہو جائے اور پوری دنیا میں شب و روز پڑھا پڑھایا جائے۔

دوم: قرآن کے مقاصد سے روشناس کروانا۔

جو کتاب، اللہ رب العالمین نے نازل فرمائی ہے اس کی تعلیم یعنی اس کے مفہوم ومعنی، مصداق ومحمل اور اغراض ومقاصد سے امت کو واقف اور آگاہ کرنا، گویا کلام اللہ کے الفاظ ہو بہو پڑھ دینا اور یاد کرا دینا کافی نہیں، باوجودیکہ قرآن کے اولین مخاطب اہل عرب ہیں، ان کی مادری زبان عربی ہے، ان کو اپنی زبان دانی اور فصاحت وبلاغت پر بڑا ناز ہے، اور قرآن کی زبان بھی اعلیٰ درجہ کی شستہ ورفتہ عربی زبان ہے، اسلوب بیان اور انداز تعبیر بھی عربی ہے، اس کے باوجود بھی وہ قرآن کے مقاصد اور دین کے حقائق کو سمجھنے اور جاننے کے لیے صاحب قرآن کی تعلیم وبیان کے قولاً وفعلاً محتاج ہیں، جن کو خود اللہ جل جلالہ نے اپنے کلام کے معانی ومقاصد کی تعلیم دی ہے۔

مشہور امام لغت علامہ ثعالبیؒ نے اپنی کتاب ''فقہ اللغۃ'' میں صفحہ ۲۴ر سے صفحہ ۲۴رتک اس احتیاج کے بیان کے سلسلہ میں ایک عجیب وغریب باب قائم کیا ہے، ہم یہاں اپنے الفاظ میں اس کا خلاصہ پیش کرتے ہیں، علامہ ثعالبیؒ کہتے ہیں:

''عرب اپنے عہد جاہلیت میں اپنی زبان وبیان اور آداب واخلاق میں بھی اپنے باپ دادا کی میراث پر قائم اور کار بند تھے، جب دنیا میں اسلام آیا تو جہاں اور انقلابات آئے اور حالات بدل گئے وہیں ان کی زبان بھی انقلاب وتغیر سے بچ نہ سکی، چنانچہ عربی زبان کے الفاظ اپنے دیرینہ معانی ومصادیق کے بجائے نئے نئے معانی اور مصادیق میں استعمال ہونے لگے، ان کے مفہوم اور مصداق کی نئی نئی تعبیریں اور تشریحیں ہونے لگیں، ان میں نو بنو شرعی تعبیرات، اور ان کے شرائط و اوصاف میں اضافے ہونے لگے، مثلاً اسلام کے آنے کے بعد مؤمن، کافر، فاسق

اسی طرح صلوۃ، رکوع، سجود، زکوۃ، صوم، حج وغیرہ کے معنی اور مصداق بالکل تبدیل ہو گئے، چنانچہ اہل عرب ''مؤمن'' کو امن وامان سے ماخوذ بمعنی امن دینے والا جانتے تھے اور ''مسلم'' کو اسلام بمعنی ''سپرد کردن'' سے ماخوذ بمعنی سپرد کرنے والا، اور ''کافر'' کو کفر بمعنی چھپا دینا سے ماخوذ چھپا دینے والا کے معنی میں استعمال کرتے اور جانتے پہچانتے تھے، اسلامی شریعت نے ان الفاظ کے معانی اور مصادیق میں نئے نئے اوصاف اور شرائط کا اضافہ کردیا،، اور مخصوص ومتعارف شرعی معنی میں استعمال کر دیا (جس کی تفصیل قولی وفعلی تعلیمات نبوی علیہ الصلوۃ والسلام میں بیان کی گئی ہے)، اسی طرح اہل عرب لفظ ''صلوۃ'' کو دعا کے معنی میں استعمال کرتے تھے، اسلامی شریعت نے اس لفظ کو ایک مخصوص عبادت کے معنی میں استعمال کیا جو ایک خاص ہیئت کے ساتھ متعین ارکان ورکعات اور مقررہ وقتوں میں مخصوص شرائط کے ساتھ ادا کی جاتی ہے''۔

علامہ ثعالبیؒ کے اس بیان کی روشنی میں ان الفاظ کے یہ بدلے ہوئے جدید معانی و مصادیق اور ان کی تفصیلات یقیناً رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہی اپنے قول وفعل کے ذریعہ بتلائی ہیں، اور ظاہر ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے یہ تمام اقوال وافعال وحی متلو یعنی قرآن سے علاوہ اور اس پر مستزاد ہیں، ان کا کافی ووافی بیان صرف احادیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہی میں موجود ومحفوظ ہے، اور انہی احادیث کے ذریعہ امت کو ارکان اسلام اور ان تمام شرعی اصطلاحات واحکام کا علم ہوا ہے (بالفاظ دیگر امت نے روز اوّل سے نماز صرف قرآن کی روشنی میں نہیں پڑھی بلکہ سنت وحدیث رسول اللہ کی روشنی میں پڑھی ہے)، (نہ صرف یہ) بلکہ صرف قرآنی تعلیمات کی روشنی میں تو پانچوں مقررہ اوقات میں پڑھی ہی نہیں جاسکتیں، یہی حال تمام عبادات اور احکام شرعیہ کا ہے، اس لئے ہمارا تو دعویٰ ہے کہ حدیث کے بغیر قرآن پر عمل ہو ہی نہیں سکتا اور سرے سے حدیث کا انکار دراصل قرآن کا انکار ہے اور یہ کفر ہے۔

سوم: حکمت کی تعلیم۔

قرآن کی ان آیات کریمہ میں حکمت سے مراد وہ محکم اور حکیمانہ احکام الٰہیہ اور امور شرعیہ ہیں، جن کا ذکر قرآن عظیم میں نہیں آیا ہے (اس لحاظ سے کتاب اور حکمت دو الگ الگ چیزیں ہیں) یہی ''حکمت'' کے ''کتاب'' پر عطف کا تقاضہ بھی ہے (کہ کتاب اور حکمت دو الگ الگ چیزیں ہیں، اس لیے کہ جیسے اُردو زبان میں ''اور'' دو الگ الگ چیزوں کے درمیان آتا ہے اور ان کی مغایرت کو بتلاتا ہے، اسی طرح عربی زبان میں ''وْ'' مغائرت کو ظاہر کرتا ہے) ایسی صورت میں حکمت کا مصداق وہ احادیث وسنن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں جن میں ان احکام شرعیہ اور مصالح واغراض دینیہ کا بیان ہے جن کے بارے میں یا تو قرآن کریم بالکل خاموش ہے، یا ان کی طرف ایسے دقیق اشارے کئے گئے ہیں جن تک نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم (جن کا سینہ اللہ پاک نے "فاحکم بما اراك الله" کے تحت کھول دیا ہے) کے علاوہ اور کسی کی عقل وفہم کی رسائی ہو ہی نہیں سکتی، اسی لئے آپؐ کا فرض منصبی صرف تعلیم کتاب پر ختم نہیں ہو جاتا بلکہ کتاب کے علاوہ ان احکام الٰہیہ کا بیان کرنا بھی آپؐ کے فرائض منصبی میں داخل ہے جن سے کسی مصلحت کی بناء پر قرآن خاموش اور کسی حکمت کی بناء پر ہی لسان نبوت سے ان کو بیان کرایا ہے، (گویا اللہ جل وعلا نے اپنے نبی معصوم علیہ الصلوٰۃ والسلام کے مقام ومرتبہ اور علم لدنّی کو ظاہر کرنے کی مصلحت سے خود قرآن عظیم میں سکوت فرمایا اور آپ کی معصوم زبان سے ان کو بیان کرایا اور آیت کریمہ ﴿ وماینطق عن الھویٰ ان ھو الا وحی یّوحی ﴾ میں اس کا اظہار فرمادیا۔

چہارم: نفوس کا تزکیہ اور تطہیر۔

شریعت کی اصطلاح میں تزکیہ کے معنی ہیں نفس (کی خواہشات) کی اصلاح، قلب کی (رذائل سے) پاکیزگی، روح کی (باطل وفاسد عقائد سے) تہذیب، بدن کی (حسی اور معنوی نجاسات سے) تطہیر، اور اخلاص نیت کے ذریعہ انسان کے ظاہر وباطن کو شریعت کا مطیع وفرمانبردار بنانا، اور دینداری کی راہ میں ہر قسم کی ریاضتیں اور مجاہدے کرانا، (بالفاظ دیگر عقائد دینیہ اور احکام شرعیہ کی پابندی عین فطرت اور مقتضاء طبیعت بن جائے، اسی کا نام

شریعت کی اصطلاح میں تزکیہ ہے)۔

یہ فریضہ انتہاء درجہ دشوار اور شاق ہے، اس کے انجام دینے کے لیے ہمہ وقت خصوصی توجہ اہتمام اور نگرانی کی شدید ضرورت ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا بطریق احسن اس فریضہ کو انجام دینا اس قدر معروف ومشہور ہے کہ محتاج بیان نہیں، اسی عملی واخلاقی اور روحانی تہذیب وتربیت کے نتیجہ میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی ایک ایسی جماعت کی تخلیق وتشکیل عمل میں آ گئی جو خاتم انبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد آپ ﷺ کی ملکوتی صفات وکمالات کے زیور سے آراستہ، اور شمائل نبوی علیہ الصلوۃ والسلام کا نمونہ بلکہ نقش ثانی تھی۔

بلاشبہ سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی تئیس سالہ تشریعی زندگی میں ان چہارگانہ فرائض منصبی کو بہترین طریق پر کماحقہ انجام دیا، اور اس بارِگران کو نہایت خوبی سے اٹھایا، قرآن عزیز اس کی بہترین شہادت دے رہا ہے اور اللہ سے بڑھ کر کون ہوسکتا ہے، صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے بارے میں ارشاد ہے:

۵- ﴿محمّد رسول الله والذين معه اشداء على الكفار رحماء بينهم﴾

[الفتح:۲۹]

ترجمہ: محمد اللہ کا رسول ہے، اور جو لوگ اس کے ساتھ ہیں وہ بڑے زورآور ہیں کافروں پر اور بڑے مہربان اور نرم ہیں آپس میں۔

عالم ہستی کے تمام صحیفے زبان حال سے گویا ہیں، بشریت کی تاریخ تواتر کے ساتھ بتلا رہی ہے کہ آدم علیہ الصلوۃ والسلام کے عہد سے لیکر آج تک اس نیلگوں آسمان کے نیچے اور اس روئے زمین کے اوپر کبھی بھی ایسے انسانوں نے قدم نہیں رکھے جیسے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابی ہوئے ہیں، جو ظاہر وباطن، قلب وقالب، سیرت وصورت، معیشت ومعاشرت، گفتار وکردار، آداب واخلاق، خصائل وشمائل غرض ہر اعتبار سے اپنے محبوب نبی اور معصوم رسول کا نمونہ تھے، خصوصاً چاروں خلفائے راشدین اور راہ حق میں جہاد کرنے والے کبار صحابہ کہ بشریت کی تاریخ ان کی مثال پیش کرنے سے قاصر ہے۔

اس آیت کریمہ میں "و یعلّمکم ممّالم تکونوا تعلمون" کا مصداق وہ تمام علوم ومعارف، مصالح وحِکم، اورعبادات وطاعات، احکام واسرار کے آداب ہیں جن کی رہنمائی قرآن حکیم نے کی ہے یا رسول اللہ ﷺ کی سنت مطہرہ اوراحادیث صحیحہ میں وہ بیان ہوئے ہیں (گویا علوم قرآن اورعلوم نبوت دونوں مراد ہیں) کہ تمام نوع انسانی ان سے ناواقف تھی۔

اللہ جلّت عظمتہ ازراہِ امتنان امت محمدیہ سے خطاب کرکے ارشاد فرماتے ہیں:

٦-﴿واذکروا نعمة الله علیکم وما انزل علیکم من الکتٰب والحکمة یعظکم به واتقوا الله واعلموا ان الله بکل شیئٍ علیم﴾

[البقرة:٢٣١]

ترجمہ: اور یاد کرو اللہ کے انعام (احسان) کو اور جو کتاب وحکمت تم پراتاری، جس کے ذریعہ وہ تم کو نصیحت کرتا ہے اوراللہ سے ڈرتے رہو اور یاد رکھو اللہ ہر چیز کو خوب جانتا ہے۔

یہ آیت کریمہ اس امر کی قطعی دلیل ہے کہ حکمت بھی کتاب اللہ کی طرح اللہ پاک کی جانب سے اتری ہے، (بالفاظ دیگر علوم واحکام نبویہ، اور سنن واحادیث رسول اللہ ﷺ بھی علوم واحکام قرآن کی طرح اللہ پاک ہی کے بھیجے ہوئے ہیں، ان کا انکار کرنا بھی کفر ہے)۔

اللہ پاک اپنے رسول پر اپنے عظیم فضل وانعام کا ذکر فرماتے ہیں:

٧-﴿وانزل علیك الکتٰب والحکمة وعلّمك مالم تکن تعلم وکان فضل الله علیك عظیما﴾　[النساء:١١٢]

ترجمہ: اوراللہ نے اتاری تجھ پر کتاب اور حکمت اور تجھ کو سکھائیں وہ (رازکی) باتیں جو تو نہ جانتا تھا اوراللہ کا فضل تو تجھ پر بہت بڑا ہے۔

یہ آیت کریمہ پہلی آیت سے بھی زیادہ واضح الفاظ میں کتاب وحکمت دونوں کے منزّل من اللہ ہونے کی تصریح کرتی ہے، نیز اس آیت کریمہ میں اللہ سبحانہ وتعالیٰ اپنے محبوب نبی علیہ الصلوٰة والسلام پر اپنے خاص فضل وانعام اورتقرب کا ذکر فرما کر آپ کی ثناء عظیم

فرماتے ہیں، تو جس پاک و معصوم ذات گرامی کی خود اللہ جل جلالہ اتنی مدح و ثناء فرمائیں اس کے اقوال وافعال، احکام و شرائع اور آداب و اخلاق نوعِ انسانی کے لیے لائق پیروی نمونہ اور اسوۂ حسنہ ہونے میں کسی بھی انصاف پسند خردمند کو دُم مارنے کی مجال ہوسکتی ہے؟

ازواجِ مطہرات نبی علیہ الصلوۃ والسلام کو خطاب کرکے اللہ رب العالمین ارشاد فرماتے ہیں:

۸-﴿واذکرن مایتلیٰ فی بیوتکن من آیات اللہ والحکمۃ﴾

[الاحزاب:۳۴]

ترجمہ: اور یاد کرو جو تمہارے گھروں میں آیات اور حکمت کی باتیں پڑھی جاتی ہیں۔

اس حکیمانہ آیت کریمہ میں بھی حکمت کا مصداق وہی احکام شرعیہ، آداب واخلاق اور خصائل ہیں، جن کی رہنمائی رسول علیہ الصلوۃ والسلام نے اپنے اقوال وافعال اور بیان سکوتی کے ذریعہ فرمائی ہے، جن کا بیان آپ تفصیل کے ساتھ سنن و احادیث رسول اللہ میں ہی پاسکتے ہیں، (لہذا یہ آیت کریمہ احادیث و سنن کے موجود اور حجت ہونے کی دلیل ہے) اسی معنی میں حکمت کا لفظ آیت میثاق میں بھی آیا ہے، ارشاد ہے:

۹-﴿واذا اخذ اللہ میثاق النبیین لما اٰتیتکم من کتاب و حکمۃ﴾

[آل عمران:۸۱]

ترجمہ: اور جب کہ اللہ نے نبیوں سے عہد لیا کہ جو کتاب و حکمت میں نے تم کو دی ہے۔

اور نا قابل تردید قطعی طور پر ثابت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ تعالیٰ کے حکم کے مطابق لوگوں کے سامنے (جن میں مرد و عورت دونوں برابر شامل ہیں) قرآن عظیم کی تفسیر فرمائی ہے اور قولاً وفعلاً علوم واحکام قرآن کریم کی وضاحت فرمائی ہے (بیروں خانہ مجمع صحابہ میں بھی اور دروں خانہ ازواجِ مطہرات واہل بیت کے سامنے بھی) اسی طرح صحابہ کرام بھی اور امہات المؤمنین بھی سب کے سب قرآن عزیز کے معانی ومصادیق اور احکام کی تفصیل معلوم کرنے کی غرض سے آپؐ سے سوالات کیا کرتے تھے اور آپؐ جوابات دیا کرتے تھے (جن

کی تفصیل احادیث صحیحہ میں موجود ہے) یہ مراجعت اور سوال وجواب تواتر سے ثابت شدہ ایک ایسی تاریخی حقیقت ہے جس کا انکار کوئی دیوانہ اور خبطی ہی کرسکتا ہے، (بلکہ یہ سوالات کرنے کا ذکر تو خود قرآن کریم میں جابجا "یسئلونك" کے عنوان سے موجود ہے، لہذا اس مراجعت اور سوال وجواب کرنے کا انکار تو قرآن کا انکار ہے) لہذا اس آیت کریمہ میں بھی اسی جیسی سابقہ آیات کی طرح حکمت کا مصداق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے علوم اور احکام قرآن کے بیانات ہیں (جن کا اصطلاحی نام سنن واحادیث رسول اللہ ہے) آپ کے ان قولی وفعلی بیانات کو یاد کرنے اور یاد رکھنے کے اہتمام کی غرض سے صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین آپس میں مذاکرہ کیا کرتے تھے، اور قرآن کریم کی طرح یا اس کے قریب ہی قریب ان کو حفظ کیا کرتے تھے، اسی مراجعت مذاکرہ اور حفظ کرنے کے اہتمام کو غالباً قرآن کریم میں ازواجِ مطہرات کو خطاب کرکے "واذکرن مایتلیٰ فی بیوتکن" تعبیر کیا ہے اور "من آیات اللہ والحکمۃ" اس کے بیان کے طور پر لائے ہیں، (یعنی وہ آیات جن کے متعلق سوال کیا جاتا تھا وہ تو "آیات اللہ" کا مصداق ہیں، اور جو جواب آپ دیتے تھے وہ "الحکمۃ" کا مصداق ہیں، اور یہ سوال وجواب کرنا "مایتلی" کا مصداق ہے اور یاد کرنا کرانا "واذکرن" کا مصداق ہے۔

علاوہ ازیں میری رائے میں تو اس میں بھی کوئی حرج اور مانع نہیں ہے کہ "والحکمۃ" کا عطف "آیات اللہ" کے بجائے "مایتلی" پر کیا جائے (اور مجرور کے بجائے منصوب پڑھا جائے) اس صورت میں معنی یہ ہوں گے کہ تم "مایتلی فی بیوتکن من الآیات" یعنی احکام قرآن کو بھی یاد کرو اور حکمت یعنی بیان رسول علیہ الصلوۃ والسلام کو بھی یاد کرو، تاکہ یہ آیت کریمہ بھی دوسری آیات تعلیم کتاب اور تعلیم حکمت کے مطابق وموافق ہوجائے (اور کتاب وحکمت دو چیزوں کے یاد کرنے اور یاد رکھنے کے حکم پر مشتمل ہوجائے) لیکن میں اپنی اس رائے کو قطعیت اور یقین کے ساتھ نہیں پیش کرسکتا، اس لیے کہ اس صورت میں "الحکمۃ" پر زبر (منصوب) پڑھا جائے گا، اور سات متواتر قرأتوں یا دس قرأتوں

میں سے کسی ایک قراءۃ میں "الحکمة" پر زبر (یعنی منصوب) نہیں پڑھا گیا ہے (بلکہ تمام قراءتوں میں مجرور یعنی "الحکمة" کے نیچے زیر پڑھا گیا ہے)۔

باقی رہا "جر جوار" کا مسئلہ جس کو "عطف نسق" کہتے ہیں، علماء عربیت کا اس میں اختلاف ہے، بعض علماء اس کو جائز کہتے ہیں، اور بعض انکار کرتے ہیں، اس لیے "الحکمة" کے جر (زیر) کو "جر جوار" کہنا مشکل ہے، معارف السنن کی جلد اول (بحث غسل الرجلین) میں مزید تحقیق کی ہے، مراجعت کیجیے۔

بہر حال تمام بڑے بڑے مفسرین جن میں حضرت قتادہؒ بھی شامل ہیں، سب نے بالاتفاق حکمت کی تفسیر سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کی ہے، امام طبریؒ نے "مجمع البیان" میں لکھا ہے، جس کا خلاصہ یہ ہے:

"جان لیجیے اس زیر بحث آیت کریمہ میں حکمت کا مصداق قرآن کی حکیمانہ آیات ہیں (اور "الحکمة" کا عطف "الآیات" پر عطف تفسیری ہے) تب بھی یہ ضروری نہیں کہ اور تمام آیات تعلیم کتاب وحکمت میں بھی "حکمة" کا مصداق کتاب ہی کو قرار دیا جائے (جو قطعاً خلاف ظاہر اور بعید ہے) اس لیے کہ قرآن کریم میں ایک ہی کلمہ متعدد معانی میں آتا ہے، (جیسے قرآن کریم میں "صلوۃ" کا لفظ نماز کے معنی میں بھی آیا ہے، اور محض دعا کے معنی میں بھی آیا ہے، اسی طرح زیر بحث آیت کریمہ میں حکمت کے معنی آیات حکیمہ کے ہوں، اور قرینہ تلاوت کا لفظ ہو اور آیات تعلیم کتاب وحکمت میں حکمت کے معنی سنت کے ہوں اور قرینہ نبی کو تعلیم دینے کا حکم ہو، اس لئے کہ نبی علیہ الصلوۃ والسلام قرآن کے معانی و مطالب بیان کرنے پر ہی مامور ہیں، اور یہ بیان یقیناً قرآن کے علاوہ اور اس پر مستزاد ہے) اس حقیقت کا انکار وہی شخص کرسکتا ہے جو سرے سے جاہل ہو یا معاند ہو اور بتکلف جاہل بنتا ہو، بھلا آفتاب نصف النہار کی طرح روشن اور واضح آیات تعلیم کتاب وحکمت سے چشم پوشی کرنا اور آنکھیں بند کر لینا کیونکر ممکن ہوسکتا ہے"۔

صراط مستقیم کا مصداق

حضرت حق جل وعلا اپنے رسول علیہ الصلوۃ والسلام کے صراط مستقیم کی طرف رہنمائی کی شہادت دیتے ہوئے ارشاد فرماتے ہیں:

۱۰-﴿وانك لتهدی الی صراط مستقیم﴾ [الشوری:۵۲]

ترجمہ: بیشک آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) لوگوں کی راہ راست کی طرف ہدایت کرتے ہیں۔

یہ آیت کریمہ اس امر کی قطعی دلیل ہے کہ حضرت رسالت پناہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے قول وفعل سے اور سیرت وسنت سے جن امور کی رہنمائی فرمائی ہے وہ تمام امور ہی ہدایت خداوندی کا اور وہی امور صراط مستقیم کا مصداق ہیں، ان کے ماسوا جو کچھ ہے وہ گمراہی ہے اور نفس پرستی ہے، خواہ یہ امور قرآن میں مذکور ہوں یا نہ ہوں۔قرآن کریم میں بہت سی آیات کے اندر ''ہدایت'' کو اللہ پاک نے اپنی طرف منسوب فرمایا ہے، ارشاد ہے: ''ذالك هدی الله'' لہذا وہ دعوت حق بھی ہدایت ہے جو قرآن عزیز نے نسل انسانی کو دی ہے، اور وہ دعوت حق جو سرور کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پوری نوع انسانی کو قرآن وسنت اور تعلیمات نبوت کے ذریعہ دی ہے، اور اس کی رہنمائی فرمائی ہے ''ہدایت'' ہے، قرآن کریم اس قسم کی آیتوں سے بھرا پڑا ہے جن میں ہدایت کے یہ دونوں مصداق تعلیمات قرآن وتعلیمات نبوت پائے جاتے ہیں، اور یہی دونوں قسم کے امور اس آیت کریمہ کا مصداق ہیں، انہی کو صراط مستقیم بتلایا گیا ہے، یہی ہمارا مقصد ہے، ہمیں ہدایت کے مختلف معنی کی بحث میں پڑنے کی ضرورت نہیں (کہ ہدایت کے کون سے معنی یہاں مراد ہیں کون سے نہیں) اس بحث کے لیے یہ مقام موزوں بھی نہیں ہے۔

بہرحال وہ دعوت حق جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نوعِ انسانی کو دی کہ قرآن عظیم امت تک پہونچایا اور اپنی قولی، فعلی اور سکوتی حدیثوں کے ذریعہ سنت کی تعلیم دی یعنی اعمال وافعال، آداب واخلاق، شمائل وخصائل، مکارم وفضائل اور سیرت نبویہ کی تعلیم دی یہ تمام تعلیمات ''وانك لتهدی الی صراط مستقیم'' کا مصداق ہیں۔

اللہ جلّ وعلیٰ کا ارشاد گرامی: ﴿ومابنطق عن الهوی،ان هوالاوحی

یو حی ﴾ کا اولین مصداق تو اگرچہ وحی متلو قرآن ہے، تاہم اس آیت کریمہ میں رسالت مآب ﷺ کے صدق قول، اور خواہش نفس سے معصوم و مامون ہونے کی ضمانت بھی ضرور دی گئی ہے، خواہ وحی متلو یعنی قرآن ہو خواہ وحی غیر متلو یعنی سنت و حدیث ہو۔

اور جب کہ نبی معصوم ﷺ کے کریمانہ خصائل اور عظیم اخلاق کو اللہ جل وعلا نے مستحق رحمت و کرم امت محمدیہ کے لیے ''اسوۂ حسنہ'' اور لائق پیروی نمونہ قرار دیا ہے، تو بھلا کیسے ممکن ہے کہ امور دین اور احکام شرعیہ سے متعلق آپ کے اقوال و افعال اور سکوتی بیان واجب الاطاعت اور لائق پیروی نہ ہوں؟

اس آیت کریمہ میں جس راہ حق کی آپ رہنمائی کرتے ہیں، اس کی عظمت و اہمیت بتلانے کی غرض سے ﴿صراط الله الذی له مافی السموات ومافی الارض﴾ کا اضافہ بھی فرمایا، اور اس امر کی تصریح فرمادی کہ "صراط الله" اور "صراط الرسول" دونوں ایک ہی ہیں ان میں کوئی فرق و اختلاف نہیں ہے، اور ﴿ألا الی الله تصیر الامور﴾ پر آیت ختم کر کے تصریح فرمادی کہ تمام تعلیمات قرآن اور تعلیمات نبوت کا مرجع و منبع اللہ تعالیٰ و تقدس کی ذات پاک ہے۔

اللہ رب العالمین اپنے محبوب نبی علیہ الصلوۃ والسلام کے عظیم ترین اخلاق کی شہادت دیتے ہیں، ارشاد ہے:

۱۱-﴿وانك لعلی خلق عظیم﴾ [القلم:٤]

ترجمہ: اور بیشک تم عظیم اخلاق پر (قائم) ہو۔

یہ آیت کریمہ سرور کائنات سید الاولین والآخرین رحمۃ للعالمین ﷺ کے عظیم ترین اخلاق، اعلیٰ ترین مکارم و فضائل اور پاکیزہ ترین سیرت کے بیان پر مشتمل جامع ترین آیت ہے، یہی وہ سیرت طیبہ نبویہ ہے جس کو آپؐ کے اقوال و افعال، آداب و اخلاق، شمائل و خصائل، ملکوتی اوصاف و کمالات اور سیرت و کردار کے لحاظ سے اللہ سبحانہ و تعالیٰ نے امت کے لیے لائق پیروی نمونہ اور اسوۂ حسنہ قرار دیا ہے، جس کا اعلان آیت کریمہ ذیل میں

فرمایا ہے:

۱۲-﴿لقد كان لكم فى رسول الله اسوة حسنة﴾ [الاحزاب:۲۱]

ترجمہ:اور تمہارے لیے رسول اللہ (کی ذات) میں (بہت) اچھا نمونہ (موجود) ہے۔

توجب آپؐ کے ملکوتی اوصاف، عادات وخصائل، اور آداب واخلاق کی پیروی اللہ جل شانہ کے تقرب کا ذریعہ ہے، تو آپؐ کے شرعی احکام (اوامر ہوں یا نواہی) کی اطاعت وپیروی کیونکر قربِ الٰہی کے حصول کا وسیلہ نہ ہوگی؟۔

باب سوم

منصب رسالت اور اطاعت رسول

یہ روز روشن سے زیادہ واضح آیات بینات ہیں جو اس نبی کریم اور رسول عظیم ﷺ کے مرتبہ ومقام کو عظیم تر منصب وفرائض کو، آپ ﷺ کی تعلیمات اور دینی تعلیم وتربیت کی عظمت کو، اصلاح نفوس، تہذیب قلوب، اور تطہیر ارواح کی اہمیت کو ظاہر کرتی ہیں، اور برملا اعلان کرتی ہیں کہ امت پر آپ ﷺ کی اطاعت فرض ہے، آپ ﷺ کی پیروی واجب ہے، اور یہ کہ آپ ﷺ اولین وآخرین کے پیشوی ہیں، مقتدیٰ ہیں، نفسانی خواہشات سے مامون ومحفوظ ہیں، اعلیٰ ترین اوصاف، عظیم ترین اخلاق، ملکوتی صفات، کریمانہ خصائل وعادات کے مالک ہیں، ہر طرح کی گمراہی، کجراہی، ہوا پرستی سے محفوظ رکھے گئے ہیں، صراط مستقیم پر خود بھی قائم ہیں اور مخلوق کو بھی حق اور صراط مستقیم کی دعوت دیتے ہیں، اور رہنمائی کرتے ہیں، جو خبریں آپ ﷺ دیتے ہیں بشارتیں اور وعیدیں بیان کرتے ہیں، وعظ وتذکیر فرماتے ہیں، ان سب میں آپ ﷺ بالکل سچے ہیں، اور آپ ﷺ کی تصدیق کی گئی ہے، اور جو احکام شرعیہ اوامر ہوں یا نواہی، آپ ﷺ نے نافذ کئے ہیں، ان کی اطاعت وفرماں برداری اور پیروی ہی اللہ کی محبت کے دعویٰ کی کسوٹی ہے، آپ ﷺ کی اطاعت ہی اللہ کی اطاعت ہے، آپ ﷺ کی رضا ہی اللہ کی رضا ہے، آپ ﷺ کو ایذا پہونچانا اللہ کو ایذا پہونچانے کے مرادف ہے، جیسا کہ آپ ﷺ کی مخالفت اللہ کی مخالفت ہے اور آپ ﷺ سے دشمنی وعداوت اللہ سے دشمنی وعداوت کے مترادف ہے، ارشاد ہے:

۱-﴿من یطع الرّسول فقداطاع اللہ﴾　[النساء:۸۰]

ترجمہ: جورسول کی اطاعت کرتا ہے بیشک اس نے اللہ کی اطاعت کی۔

ان کے علاوہ اورحقائق ومعارف بھی ان آیات میں واضح کئے گئے ہیں جن کی تصریح ان آیات بینات اورانہی جیسی دوسری آیات کریمہ میں کی گئی ہے۔

اللہ سبحانہ وتعالیٰ کاارشاد ہے:

۲-﴿انّ الذین یبایعونك انما یبایعون اللہ﴾　[الفتح:۱۰]

ترجمہ: بہ تحقیق جولوگ بیعت کرتے ہیں تجھ سے وہ، اس کوسوانہیں کہ بیعت کرتے اللہ سے۔

''بیعت'' کے معنی ہیں تمام ''ماجآء به الرسول'' رسول کے لائے ہوئے دین کی فرمانبرداری وپابندی اور بدل وجان ان کوقبول کرنے کا عہدوپیان کرنا، خواہ وہ آپؐ کے اقوال وافعال اوراحکام شرعیہ اوامرونواہی ہوں، خواہ تقسیم اموال کے موقعہ پرکسی کوآپؐ کا کچھ دینانہ دیناہو، نیزاپنے جان ومال پرآپؐ کوترجیح دینااورقربان کردینااورتھوڑے یابہت قیمتی یاغیرقیمتی اموال واملاک کوآپؐ کی خوشنودی حاصل کرنے کے لئے نثارکردینا، غرض ہرمرغوب ومحبوب چیزکوآپؐ پرفداکردینا، نیزاس آیت کریمہ میں رسول کی بیعت حاصل کرنے کواللہ کی بیعت قراردے کررسول کی عظمت وشان اورجلالت مقام کااظہاربھی فرمایاہے۔

اللہ جل جلالہ کاارشاد ہے:

۳-﴿لا تجعلُوا دُعاء الرّسوْلِ بینکُمْ کدُعَاء بَعضکُم بعضاً﴾

[النور:۶۳]

ترجمہ: مت سمجھورسول کے بلانے کواپنے درمیان ایساجیسے تم آپس میں ایک دوسرے کوبلاتے ہو۔

٤-﴿اَن تحْبط اَعمالکُمْ واَنتُم لَاتَشعرونَ﴾　[الحجرات:۲]

ترجمہ: تمہارے اعمال بیکارہوجائیں اورتمہیں پتہ بھی نہ چلے۔

یہ آیت کریمہ اس امر کی صریح اور قطعی دلیل ہے کہ رسول علیہ الصلوۃ والسلام دین کے جس امر کی طرف بھی دعوت دیں اور بلائیں اس دعوت پر لبیک کہنا اور حاضر ہوجانا ہر امتی کا فرض ہے، نیز آپؐ کے اس عظیم منصب کی کہ آپ اور آپ کے ہر حکم کی اطاعت ہر امتی پر فرض ہے، اس آیت کریمہ میں انتہائی عظمت وجلالت شان کا اظہار بھی فرمایا ہے اور اس آیت کریمہ کا آخری حصہ ﴿ فَلیحذرِ الَّذِیْن یُخَالِفُونَ عن امرہٖ ﴾ جس کو ہم اس سے قبل مخالفت رسول کی شناعت کے ذیل میں بیان کر چکے ہیں، تو اس امر کی واضح ترین اور صریح ترین دلیل ہے۔

اللہ سبحانہ وتعالیٰ کا ارشاد ہے:

۵ -﴿ قُلْ هٰذِهٖ سَبِیْلِیْ اَدْعُوا اِلَی اللّٰهِ عَلٰی بَصِیْرَةٍ اَنَا وَمَنِ اتَّبَعَنِیْ ﴾

[یوسف:۱۰۸]

ترجمہ: کہہ دو! یہ میری راہ ہے بلاتا ہوں اللہ کی طرف سمجھ بوجھ کر میں اور جنہوں نے میری پیروی کی ہے۔

یہ آیت کریمہ اس امر کی روشن دلیل ہے کہ سرور کائنات علیہ السلام کی دعوت اور اصلاح منجانب اللہ ہے، نیز آپؐ نے پوری بصیرت کے ساتھ اس فریضہ کو انجام دیا ہے، مزید برآں اس امر کی طرف بھی اشارہ ہے کہ آپؐ کے فیض تربیت سے آپ کا اتباع کرنے والے صحابہ کرامؓ آپؐ کے بعد اس دعوت واصلاح کا کام علی وجہ البصیرۃ انجام دینے کی پوری اہلیت و صلاحیت رکھتے ہیں، لہذا جس طرح دین میں قرآن کریم کے بعد احادیث نبویہ کا مستقل مرتبہ و مقام ہے اسی طرح احادیث نبویہ کے بعد آثار واقوال صحابہ خصوصاً آپؐ کے چاروں ہدایت یافتہ خلفاء راشدین کے اقوال وآثار کا بھی مستقل مرتبہ ومقام ہے، اسی اشارہ کی وضاحت خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عرباض بن ساریہؓ کی مرفوع حدیث میں فرمائی ہے، ارشاد ہے:

قال رسول الله ﷺ: "علیکم بسنتی وسنة الخلفاء الراشدین المهدیین عضوا علیها بالنواجذ". (رواہ احمد واصحاب السنن)

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم پر لازم ہے کہ میری سنت (کی پیروی) اور میرے ہدایت یافتہ خلفاء راشدین کی سنت (کی پیروی) اس کو دانتوں سے پکڑ لو۔

اس حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خلفاء راشدین کی سنت کا اپنی سنت کے ساتھ ذکر کیا ہے، جیسے زیر نظر آیت کریمہ میں "انا" کے ساتھ "ومن اتبعني" کا ذکر ہے، بالفاظ دیگر اس حدیث پاک میں قرآن کریم کے اس اشارہ ہی کی وضاحت فرمائی ہے اور اس حدیث کا ماخذ ومنبع یہی آیت کریمہ ہے، اسی طرح اکثر وبیشتر احادیث نبویہ قرآن کریم ہی سے ماخوذ ہیں، اس کی مزید وضاحت آئندہ اپنے مقام پر آئے گی، تو جس طرح اللہ جل شانہ نے آیت کریمہ:

٦-﴿يَبتغُون فَضلًا مِّن الله ورضواناً﴾　　[الفتح:٢٩]

ترجمہ: وہ طلب کرتے ہیں اللہ کے فضل کو اور رضا کو۔

میں صحابہ کرامؓ کے اخلاص اور حسن نیت کی تصریح فرمائی ہے، اسی طرح اس حدیث پاک میں صحابہ کے صدق عمل اور حسن عمل کی طرف اشارہ فرمایا ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

"انما الاعمال بالنيات وانما لامرء مانوى"

ترجمہ: اس کے سوا نہیں کہ اعمال کا دارومدار نیتوں پر ہے، ہر شخص کو وہی ملتا ہے جس کی وہ نیت کرتا ہے۔

اس طریق پر قرآن کریم کی ہر دو آیات اور اس حدیث سے صحابہ کے حسن اخلاص اور حسن عمل کی توثیق کے بعد ان کی اہلیت وصلاحیت نیابت رسول میں کسی شک وشبہ کی گنجائش نہیں رہتی۔

اللہ رب العالمین کا ارشاد ہے:

٧-﴿قَدْ انزل الله اليكُم ذكراً، رسولًا يَتلوا عليكُمْ آياتِ الله مبيناتٍ ليخرج الَّذين آمنوا وعملوا الصّٰلحات من الظُّلمات الى

النورِ﴾ [الطلاق:۱۱]

ترجمہ: بیشک اللہ نے اتاری ہے تم پر نصیحت، رسول ہے جو پڑھ کر سناتا ہے تم کو اللہ کی آیتیں کھول کر سنانے والی تاکہ نکالے ان لوگوں کو جو یقین لائے اور کئے بھلے کام اندھیروں سے اجالے میں۔

اس آیت کریمہ میں اللہ پاک نے ''رسولاً'' کو ''ذکراً'' کے ساتھ ساتھ بیان فرمایا اور رسول کی دو صفتیں بیان کی ہیں:

① آیات بینات تلاوت کرنا اور پڑھ کر سنانا۔

② ایمان لانے والوں کو کفر وشرک کی ظلمتوں سے نکال کر نور ایمان کی فضا میں لانا (اور یہی ذکر یعنی قرآن کی صفت ہے)۔

اس کے معنی یہ ہوئے کہ سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کا وجود سراپا نور امت کو نفع پہونچانے میں قرآن کی مانند ہے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت طیبہ سراپا قرآن ہے، جیسا کہ حضرت عائشہؓ نے ایک سوال کے جواب میں فرمایا ہے:

''کان خلقه القرآن'' (رواہ مسلم فی صحیحہ)

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اخلاق قرآن ہی تھے۔

اسی رسول اور ذکر (قرآن) کے غایت اتحاد کو ظاہر کرنے کی غرض سے دونوں کے درمیان واؤ حرف نہیں لائے کہ وہ مغائرت کی دلیل ہے۔

اللہ جل شانہ اپنے محبوب نبی علیہ الصلوۃ والسلام کے متعلق ارشاد فرماتے ہیں:

۸-﴿ومآ ارسلناك الّا رحمةً للعٰلمينَ﴾ [الانبياء:۱۰۷]

ترجمہ: اور نہیں بھیجا ہم نے تجھ کو مگر تمام جہانوں کے لئے رحمت (بنا کر)۔

یہ آیت کریمہ صراحتاً بتلاتی ہے کہ سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نہ صرف عالم انسانی بلکہ تمام عالموں کے لئے سراپا رحمت ہیں، تو جب آپ تمام نوع انسانی کے لئے آپ رحمت ہیں، تو کیسے ممکن ہے کہ آپ کوئی ایسی بات کہیں یا ایسا کام کریں جو امت کے لئے موجب رحمت نہ

ہو، نیز جب آپ سرتاپا رحمت ہی رحمت ہیں تو یقیناً آپ کا ہر قول وفعل وعمل اور ہر اجتہادی رائے، فیصلہ اور حکم اسی طرح آپ کے اخلاق وآداب، شمائل وخصائل اور سیرت وحیات طیبہ کل کی کل امت کے لئے رحمت ہی رحمت ہے اور لوگوں کے لئے لائق پیروی نمونہ اور اسوۂ حسنہ ہیں، کوئی ایک چیز بھی غیر رحمت (اور موجب زحمت) نہیں ہوسکتی۔

اللہ جل شانہ ارشاد فرماتے ہیں:

۹- ﴿ومن يَّخرُجْ من بيته مُهاجراً الَى الله ورسوله ثم يدركْه المْوتُ فقد وقع اَجْرهٗ علَى اللهِ﴾ [النساء:۱۰۰]

ترجمہ: اور جو کوئی نکلے اپنے گھر سے ہجرت کرکے اللہ اور اس کے رسول کی طرف پھر آ پکڑے اس کو موت تو مقرر ہو چکا اس کا ثواب اللہ کے ہاں۔

اس آیت کریمہ میں "الله" کے ساتھ "رسوله" کا ذکر آپ کے، اور آپ کے منصب کے بجائے خود مستقل ہونے کی دلیل ہے ورنہ تو "الی الله" فرمادینا کافی ہوتا، گویا ہجرت الی الرسول بجائے خود ایک مستقل نیکی اور عبادت ہے اور اس کا اجر وہی ہے جو ہجرت الی اللہ کا ہے۔

یہ قرآن کریم کی روشن اور واضح وصریح آیات آپ کے سامنے موجود ومشاہد ہیں، رسول کی شان اور منصب سے متعلق کوئی ایسی چیز نہیں چھوڑی جو بیان نہ کی ہو۔

نبوت کے حقائق ودقائق، نبی کے اختیارات وفرائض اور رسول پر ایمان لانے، اس کی اطاعت کرنے، حکم ماننے، پیروی کرنے، اور اس سے ہدایت حاصل کرنے کی امت پر جو ذمہ داریاں عائد ہوتی ہیں ان کی مکمل نشاندہی کر رہی ہے، تو کیا اس کے بعد کسی کے لئے یہ ممکن ہے کہ وہ قرآن عظیم پر تو ایمان لائے اور رسول علیہ الصلوۃ والسلام پر یعنی آپؐ کے اقوال وافعال، احکام واخلاق واعمال اور سیرت واحوال پر ایمان نہ لائے باوجودیکہ آپ کو سراپا صدق اور منجانب اللہ تصدیق شدہ، معصوم ومامون مانتا ہو؟۔

تمام آسمانی شریعتوں کا دارومدار نبوت پر ہے

① یہ حقیقت ہے کہ اللہ تعالیٰ شانہ نے تمام آسمانی مذاہب وادیان کا دارومدار نبوت

پر رکھا ہے اور خدا پرستی اور اطاعت الٰہی کا وحی نبوت یعنی نبی کے ارشادات پر مدار ہے، نہ کہ وحی متلو پر، نہ آسمانی کتابوں اور صحیفوں پر، اس لئے کہ اللہ جل شانہ نے مخلوق کی ہدایت کے لئے نبی اور رسول تو بکثرت بھیجے ہیں، چنانچہ ابوذر رضی اللہ عنہ کی ایک حدیث میں آیا ہے، جس کو امام احمد نے اپنی مسند میں ''ابوامامہ عن ابی ذر'' کی سند سے تخریج کیا ہے، اور ابن حبان نے اس کو صحیح قرار دیا ہے، جیسا کہ فتح الباری میں مذکور ہے، کہ انبیاء علیہم السلام کی کل تعداد ایک لاکھ چوبیس ہزار ہے، جن میں (صاحب شریعت مستقلہ) رسولوں کی کثیر جماعت کی تعداد تین سو پندرہ ہے (طبرانی اور بزار نے بھی اس حدیث کو روایت کیا ہے) جیسا کہ ''زوائد'' میں اس کی تصریح کی ہے، حاکم نے بھی اس حدیث کو روایت کیا ہے، اور صحیح قرار دیا ہے، ایسی صورت میں ''ابن جوزی'' کا اس حدیث کو موضوع کہنا اور ''ابن کثیر'' کا سورۂ نساء کی تفسیر میں اس حدیث کو ضعیف کہنا بے بنیاد اور بے معنی ہے۔

اس کے باوجود قرآن کریم میں ہم صرف چار آسمان سے نازل شدہ کتابوں کا، حضرت ابراہیم علیہ الصلوۃ والسلام کے صحیفوں کا ذکر پاتے ہیں، ان کے علاوہ اور بھی چند صحیفوں کا ذکر بعض روایتوں میں آیا ہے جن کی تعداد سب ملا کر زیادہ سے زیادہ ایک سو چار کتابیں ہوتی ہیں، جیسا کہ محدث حسین آجری نے حضرت ابوذرؓ کی طویل حدیث کے ذیل میں روایت کیا ہے، حافظ ابن کثیر نے بھی سورۃ النساء کی تفسیر میں اس حدیث کا ذکر کیا ہے۔

غرض آسمانی مذاہب اور ان کے لانے والوں کی اس کثرت تعداد کے باوجود صرف اکیس رسولوں کے نام اور صرف چار آسمانی کتابوں کے نام اور چند صحیفوں کا ذکر اس امر کی دلیل ہے کہ انبیاء کرام کے ذریعہ تمام اقوام عالم کی ہدایت اور رہنمائی کا دارومدار صرف اس وحی الٰہی پر ہے جو نبیوں اور رسولوں کے پاس فرشتوں کے واسطے سے یا بلا واسطہ آتی رہی، نہ کہ تلاوت کی جانے والی معین یا غیر معین کتابوں اور صحیفوں کے نازل ہونے پر، بلکہ مخلوق کو خداوندی احکام سے آگاہ کرنے اور ان پر عمل کرانے کے لئے صرف وہ وحی الہام کافی ہوا ہے جو فرشتہ کے واسطے سے یا بلا واسطہ نبی کے پاس آیا ہے۔

اطاعت انبیاء اور قرآن کریم

④اس حقیقت کی تائید اس سے بھی ہوتی ہے اللہ جل شانہ نے قرآن کریم میں جابجا نبی اور رسول کو ہر زمانہ کے انسانوں اور قوموں کے لئے واجب الاطاعت قرار دیا ہے، اور اس کو ہر حیثیت سے معصوم (گناہوں اور نافرمانیوں سے محفوظ) بتایا ہے، اور اس کو اور اس کی زندگی کو امت کے لئے ہر لحاظ سے نمونہ عمل قرار دیا ہے، اس کے ہر قول و فعل، اخلاق و آداب، عادات واطوار، صورت و سیرت کو زندگی کے ہر شعبہ میں لوگوں کے لئے مقتدیٰ اور پیشوا قرار دیا ہے، اسی لئے ہر نبی اور رسول لوگوں کو اللہ پر ایمان لانے کے بعد اپنی اطاعت وفرمانبرداری کی دعوت دیتا ہے، چنانچہ اللہ جل شانہ کا ارشاد ہے:

١٠-﴿وَمَاۤ اَرْسَلْنَا مِنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا لِيُطَاعَ بِاِذْنِ اللهِ﴾ [النساء:٦٤]

ترجمہ: جو رسول بھی ہم نے بھیجا صرف اسی لئے (بھیجا) کہ اس کی اطاعت کی جائے اللہ کے حکم سے۔

١١-﴿مَنْ يُّطِعِ الرَّسُوْلَ فَقَدْ اَطَاعَ الله﴾ [النساء:٨٠]

ترجمہ: جس نے رسول کی اطاعت کی بیشک اس نے اللہ کی اطاعت کی۔

١٢-﴿وَاَطِيْعُو الرَّسُوْلَ لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْن﴾ [النور:٥٦]

ترجمہ: اور اطاعت کرو رسول کی تاکہ تم پر رحمت (نازل) ہو۔

حضرت عیسی علیہ الصلوۃ والسلام کی زبان سے ارشاد ہے:

١٣-﴿فَاتَّقُوْا الله وَاَطِيْعُوْن﴾ [آل عمران:٥٠]

ترجمہ: اللہ سے ڈرو اور میری اطاعت کرو۔

حضرت نوح علیہ الصلوۃ والسلام کی زبان سے ارشاد ہے:

١٤-﴿فَاتَّقُوا اللهَ وَاَطِيْعُوْن﴾ [الشعراء:١٠٨]

ترجمہ: پس اللہ سے ڈرو اور میری اطاعت کرو۔

نیز حضرت نوح علیہ الصلوۃ والسلام ہی کی زبان سے ارشاد ہے:

۱۵-﴿ فَاتَّقُوا اللهَ وَاَطِيْعُوْنِ ﴾ [الشعراء:۱۱۰]

ترجمہ: پس اللہ سے ڈرو اور میری اطاعت کرو۔

حضرت ہود علیہ الصلوۃ والسلام کی زبان سے ارشاد ہے:

۱۶-﴿ فَاتَّقُوا اللهَ وَاَطِيْعُوْنِ ﴾ [الشعراء:۱۲٦]

ترجمہ: پس اللہ سے ڈرو اور میری اطاعت کرو۔

نیز حضرت ہود علیہ الصلوۃ والسلام ہی کی زبان سے ہی ارشاد ہے:

۱۷-﴿ فَاتَّقُوا اللهَ وَاَطِيْعُوْنِ ﴾ [الشعراء:۱۳۱]

ترجمہ: پس اللہ سے ڈرو اور میرا کہا مانو۔

حضرت صالح علیہ الصلوۃ والسلام کی زبان سے ارشاد ہے:

۱۸-﴿ فَاتَّقُوا اللهَ وَاَطِيْعُوْنِ ﴾ [الشعراء:۱٤٤]

ترجمہ: پس اللہ سے ڈرو اور میری اطاعت کرو۔

نیز حضرت صالح علیہ الصلوۃ والسلام ہی کی زبان سے ارشاد ہے:

۱۹-﴿ فَاتَّقُوا اللهَ وَاَطِيْعُوْنِ ﴾ [الشعراء:۱۵۰]

ترجمہ: پس اللہ سے ڈرو اور میری اطاعت کرو۔

حضرت لوط علیہ الصلوۃ والسلام کی زبان سے ارشاد ہے:

۲۰-﴿ فَاتَّقُوا اللهَ وَاَطِيْعُوْنِ ﴾ [الشعراء:۱٦۳]

ترجمہ: پس اللہ سے ڈرو اور میرا کہا مانو۔

حضرت شعیب علیہ الصلوۃ والسلام کی زبان سے ارشاد ہے:

۲۱-﴿ فَاتَّقُوا اللهَ وَاَطِيْعُوْنِ ﴾ [الشعراء:۱۷۹]

ترجمہ: پس اللہ سے ڈرو اور میری اطاعت کرو۔

حضرت شعیب علیہ الصلوۃ والسلام کی زبان سے ہی ارشاد ہے:

۲۲-﴿فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوْنِ﴾ [الزخرف:۱٦۳]

ترجمہ: پس اللہ سے ڈرو اور میرا کہا مانو۔

حضرت نوح علیہ الصلوٰۃ والسلام کے بارے میں ارشاد ہے:

۲۳-﴿وَاتَّقُوْهُ وَاَطِيْعُوْنِ﴾ [نوح:۳]

ترجمہ: اور اس (اللہ) سے ڈرو اور میری اطاعت کرو۔

۲٤-﴿اِنْ تُطِيْعُوْهُ تَهْتَدُوْا﴾ [النور:٥٤]

ترجمہ: اگر تم اس (رسول) کی اطاعت کرو گے تو ہدایت پا جاؤ گے۔

۲٥-﴿وَاِنَّ رَبَّكُمُ الرَّحْمٰنُ فَاتَّبِعُوْنِیْ وَاَطِيْعُوْا اَمْرِیْ﴾[طٰہٰ:۹۰]

ترجمہ: اور بیشک تمہارا رب بڑا ہی رحم کرنے والا ہے پس میری پیروی کرو اور میرے حکم کی اطاعت کرو۔

یہ آیات کریمہ اطاعت واتباع رسول کے مامور بہ اور واجب الاطاعت ہونے کی روشن دلیلیں ہیں، اور یہ حضرات انبیاء کرام، نوح، ہود، صالح، لوط، شعیب، اور عیسی بن مریم علیہم الصلوٰۃ والسلام ان میں سے ہر ایک دعوت الی اللہ کو، تقوی اور خوف الٰہی کے بعد، ہر امر و نہی میں اپنی اطاعت اور پیروی سے شروع کرتا ہے، (اور سوائے عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کے اور کسی کی بھی کتاب کا ذکر قرآن میں نہیں ہے)۔

یہ آیات کریمہ اُن تمام آیات کریمہ کے علاوہ ہیں جن میں اللہ تعالیٰ نے اپنی اطاعت کو نبی کی اطاعت کے ساتھ بلا وجہ تخصیص وابستہ فرمایا ہے۔

ان آیات کریمہ کے علاوہ بھی اور آیات ہیں جن میں اللہ جل شانہ نے ہر قوم اور امت کو اپنے اپنے نبی کی اطاعت و پیروی کا حکم دیا ہے، چنانچہ اس مفہوم پر مشتمل آیات کریمہ بھی بکثرت قرآن عزیز کے اندر موجود ہیں، جن کا ہم موقعہ بموقعہ ذکر کریں گے۔

③ بہر حال ہر امت اپنے نبی اور رسول کی اطاعت و پیروی کی مامور ہے، اس کی زندگی میں بھی اور پس از مرگ بھی جب تک کہ اس کی شریعت باقی ہو، یعنی اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے

اس کی شریعت کو دوسری شریعت نازل فرما کر منسوخ نہ فرمادیا ہو۔

پھر سب سے آخر میں اللہ جل شانہ نے ''محمد بن عبداللہ بن عبدالمطلب الھاشمی علیہ الصلوۃ والسلام'' کو آخری نبی اور سید الانبیاء والمرسلین بنا کر بھیجا اور آپ کی کتاب قرآن عزیز کو آخری آسمانی کتاب اور آپ کی شریعت، شریعت محمدیہ کو قیامت تک کے لئے آخری شریعت الٰہی قرار دیا، اب نہ کوئی نبی اور رسول آئے گا، اور نہ کوئی کتاب اترے گی، اور نہ کوئی شریعت آئے گی۔

④ لہذا اب لازمی طور پر طاہر اور مطہر سنت نبوی علیہ الصلوۃ والسلام پر ہی مقدس شریعت محمدیہ کا دارومدار ہے، وہی اسلامی قانون کا سب سے پہلا ماخذ ہے، نہ ہی سنت کے حجت ہونے کے لئے قرآن عزیز کی صریحی تائید کی ضرورت ہے اور نہ ہی قرآن کریم میں اس امر ونہی کا صراحتاً یا کنایتاً موجود ہونا ضروری ہے، لہذا اس حیثیت سے سنت، کتاب اللہ سے از روئے وجود مقدم ہے اور اسی لحاظ سے سنت ہی اسلامی قانون کا پہلا ماخذ ہے، اور آسمانی دین کی سب سے پہلی بنیاد اور اساس ہے، نہ سنت کے حجت ہونے کے لئے کتاب کے نازل ہونے کی ضرورت ہے اور نہ قرآن کی تصدیق وتائید کی حاجت ہے۔

لہذا سنت اپنے وجود کے اعتبار سے بھی، ثابت ہونے کے اعتبار سے بھی اور حجت ہونے کے اعتبار سے بھی کتاب اللہ سے مقدم ہے اگرچہ قرآن عزیز کے نازل ہوچکنے کے بعد قطعیت کے اعتبار سے سنت دوسرے درجے پر آگئی ہے، چنانچہ اگر کتاب (قرآن) نازل نہ ہوتی تب بھی (بغیر کتاب والے پیغمبروں کی طرح) پیغمبر، پیغمبر ضرور ہوتے، اور امت کے لئے واجب الاطاعت بھی ضرور ہوتے اور امت پر ان کا اتباع بھی ضروری اور فرض ہوتا۔

بالفاظ دیگر کتاب اللہ کا نزول نہ ہی رسول کی رسالت کے لئے شرط ہے نہ ہی اس کی رسالت اس پر موقوف ہے، جیسا کہ بہت سے لوگ اپنی کوتاہ فہمی سے سمجھ بیٹھے ہیں، اور پھر حضرت اسماعیل علیہ الصلوۃ والسلام کے بارے میں مشکل میں پھنس گئے ہیں کہ ان پر نہ تو کوئی کتاب نازل ہوئی نہ کوئی صحیفہ اترا، پھر وہ رسول کیسے ہوگئے؟ حالانکہ قرآن کریم ان کے رسول

ہونے کی تصریح کررہا ہے، ﴿کان رسولا نبیا﴾ (اسماعیل رسول اور نبی تھے) حالانکہ رسول کے لئے صرف اتنا ضروری ہے کہ وہ کسی کافر قوم کی ہدایت کے لئے خدا کی طرف سے فرستادہ اور بھیجا گیا ہو، اور یہ کہ وہ مستقل طور پر اسی قوم کی ہدایت کے لئے مامور ہو، حضرت اسماعیل علیہ الصلوۃ والسلام قوم ''بنی جرھم'' کی ہدایت کے لئے بھیجے گئے تھے، جیسا کہ حافظ ابن تیمیہؒ نے ''کتاب النبوات'' میں ثابت کیا ہے۔

اس لحاظ سے بھی بے حد ضروری ہے کہ سنت نبویہ کے بارے میں انتہاء درجے اہتمام کیا جائے، اس لئے کہ اسی پر دین الٰہی کا دارومدار ہے۔

سنت وحدیث کی حفاظت کی وجہ

⑤ سنت کی حفاظت کا اہتمام زیادہ ضروری ہونے کی ایک وجہ یہ بھی ہے جو کسی طرح بھی پہلی وجہ سے کمتر نہیں ہے، کہ سنت قرآن عزیز کی شرح اور تفسیر کرتی ہے، سنت سے ہی کلام الٰہی کا اصل منشا و مفہوم اور مصداق کو متعین کیا جاسکتا ہے، اس لئے قرآن کریم کے الفاظ وعبارات کے عربیت کے لحاظ سے مختلف اور متعدد معانی ومصادیق ہوسکتے ہیں، اور یقینی وہ معنی مصداق ہوتا ہے جس کی نبی اپنے قول وفعل سے تعیین وتشخیص کردے، بسا اوقات زندیق اور ملحد لوگ قرآن کریم کی آیات کے معنی اور مفہوم منشا الٰہی کے خلاف مراد لیتے ہیں، اور اس سے ناجائز فائدہ اٹھاتے ہیں، اور مسلمانوں کو گمراہ کرتے ہیں۔

ایسے ملحدوں کی دسیسہ کاری اور رخنہ اندازی کی بیخ کنی سنت کے بغیر ناممکن ہے، لہذا کلام اللہ میں ہر کجراہی اور بے دینی کی بیخ کنی کرنے کا واحد ذریعہ سنت ہی ہے۔

⑥ قرآن عزیز کی بہ نسبت سنت کی حفاظت میں مزید اہتمام کی ایک تیسری وجہ یہ بھی ہے جو پہلی دونوں وجہوں سے بہت زیادہ اہمیت رکھتی ہے، کہ قرآن عزیز کی حفاظت کا ذمہ تو خود اللہ جل شانہ نے لیا ہے لہذا اس کے ضائع ہونے کا مطلق اندیشہ نہیں، اس کے برعکس سنت کو یہ مرتبہ میسر نہیں ہے، لہذا اس لئے اس کو ضائع ہونے سے، بھول چوک سے اور تغیر و تبدل وغیرہ بچانے کی غرض سے اس کی حفاظت کے لئے خاص طور پر بہت زیادہ اہتمام کی

ضرورت ہے۔

الغرض سنت محمدیہ کی حفاظت میں مزید اہتمام کی اور بھی مختلف اور متعدد وجوہ موجود ہیں، یہاں ہم انہی تین پر اکتفا کرتے ہیں۔

عام انبیاء ورسل کی اطاعت کے وجوب سے متعلق انبیاء کی دعوت کا ذکر آپ پڑھ ہی چکے ہیں، چنانچہ سب سے پہلے تشریعی رسول حضرت نوح علیہ الصلوۃ والسلام فرماتے ہیں:

﴿فَاتَّقُوا اللهَ وَاَطِيْعُوْن﴾ [الشعراء:١٠٨]

حضرت ہود علیہ الصلوۃ والسلام فرماتے ہیں:

﴿فَاتَّقُوا اللهَ وَاَطِيْعُوْن﴾ [الشعراء:١٢٦]

حضرت صالح علیہ الصلوۃ والسلام فرماتے ہیں:

﴿فَاتَّقُوا اللهَ وَاَطِيْعُوْن﴾ [الشعراء:١٤٤]

حضرت لوط علیہ الصلوۃ والسلام اور حضرت شعیب علیہ الصلوۃ والسلام فرماتے ہیں:

﴿اِنِّيْ لَكُمْ رَسُوْلٌ مُّبِيْنٌ فَاتَّقُوا اللهَ وَاَطِيْعُوْن﴾ [الشعراء:١٧٩-١٧٨]

یہ تمام انبیاء بیک آواز اپنی اپنی امتوں کو اطاعت رسول کی دعوت صرف اس لئے دیتے چلے آئے ہیں کہ اللہ کی اطاعت رسول کی اطاعت کے بغیر ہو ہی نہیں سکتی، بالفاظ دیگر رسول کو اللہ تعالیٰ بھیجتے ہی اس لئے ہیں کہ اس کی اطاعت کی جائے، ارشاد ہے:

﴿وَمَا اَرْسَلْنَا مِنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا لِيُطَاعَ بِاِذْنِ اللهِ﴾ [النساء:٦٤]

ترجمہ: اور ہم نے رسول کو بھیجا اس لئے ہے کہ اس کی اطاعت کی جائے خدا کے حکم سے۔

تو چونکہ رسول کی بعثت کی غرض وغایت ہی یہ ہے کہ اس کی اطاعت کی جائے اس لئے ہر نبی اور رسول یہی کہتا آیا ہے: "فَاتَّقُوا اللهَ وَاَطِيْعُوْن"۔

اس آیت کریمہ سے یہ بھی معلوم ہوا کہ نبوت کا منصب ومقام ہی اطاعت ہے، رسول مفروض اطاعت ہی ہونا چاہیے اور نبی واجب الاتباع ہونا چاہئے، اور یہ کہ جب اللہ جل

ذکرہ نے امت محمدیہ کی عبرت ونصیحت، پندوموعظت اورحق کی رہنمائی اورصراط مستقیم کی ہدایت کی غرض سے ان کے سامنے انبیاء سابقین اوران کی امتوں کے واقعات اوران کی عبرت کے لئے کرشمے، اس مؤثر اورعجیب انداز سے بیان فرمادیئے اوراس سے قبل قرآن عظیم کی معجزانہ جلالت شان کا تذکرہ فرماچکے تو آخر میں خاتم انبیاء ﷺ کو مذکورہ ذیل خطاب فرما کراس بیان کو ختم فرمادیا، ارشاد ہے:

٢٦-﴿وَاَنْذِرْ عَشِيْرَتَكَ الْاَقْرَبِيْنَ وَاخْفِضْ جَنَاحَكَ لِمَنِ اتَّبَعَكَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ فَاِنْ عَصَوْكَ فَقُلْ اِنِّيْ بَرِيْءٌ مِّمَّا تَعْمَلُوْنَ﴾

[الشعراء:٢١٤تا٢١٦]

ترجمہ: اوراپنے نزدیک کے کنبے کو ڈرایئے، اوران لوگوں کے ساتھ فروتنی سے پیش آیئے جو مسلمانوں میں داخل ہوکرآپ کی راہ پر چلیں اوراگر یہ لوگ آپ (ﷺ) کا کہنا نہ مانیں تو آپ کہہ دیجئے کہ میں تمہارے افعال سے بیزار ہوں۔

اور بہ طور تہدید اس امر کو واضح فرمادیا کہ رسول کی نافرمانی اس کی متقاضی ہے کہ وہ ان سے اوران کے اعمال وافعال سے اپنی بے تعلقی کا اعلان کردے کہ نہ میرا ان سے کوئی تعلق ہے اور نہ ان کا مجھ سے، نہ ان کو خدا سے کوئی واسطہ ہے نہ رسول سے کوئی علاقہ ہے، (یہ تو انسان نما جانور ہیں بلکہ ان سے بھی گئے گذرے)۔

نیز ان تمام آیات اطاعت رسول پر ازسرنو غور فرمایئے، ہر آیت میں اطاعت رسول سے متعلق نو بنو منافع، مصالح اورنہایت لطیف انداز میں ترغیب وترہیب کی طرف معجزانہ پیرائے میں اشارے فرمائے گئے ہیں کہ رسول کی اطاعت کروگے تو دین ودنیا کی فلاح اور دنیوی واخروی منافع حاصل کرسکوگے اوراگر نافرمانی کی تو دین ودنیا دونوں کی تباہی کا سامنا کرنا پڑے گا۔

چنانچہ کسی آیت میں تصریح ہے رسول کی اطاعت سے روگردانی اورانحراف کفر ہے، کہیں یہ ترغیب ہے کہ رسول کی اطاعت اللہ تعالیٰ کی رحمت کے نزول کا واحد ذریعہ ہے، کہیں

ارشاد ہے کہ دنیا و آخرت کی کامیابی و کامرانی اور جنت میں داخل ہونے کا راستہ صرف رسول کی اطاعت ہے اور رسول کی اطاعت سے انحراف عمر بھر کے اعمال صالحہ کے بیکار و برباد ہو جانے کا موجب ہے، کہیں ارشاد ہے کہ فوز و فلاح اطاعت رسول پر موقوف ہے، اور کہیں ارشاد ہے کہ اطاعت رسول کا ثمرہ عظیم تر کامیابی ہے اور اس سے انحراف عذاب عظیم کا موجب ہے۔

معزز قارئین! ذرا غور کیجیے! کیا اطاعت رسول کی ترغیب و تحریض کا کوئی بھی پہلو ایسا رہ گیا ہے جو قرآن عظیم نے بیان نہ کیا ہو، اور کیا معصیت رسول سے ڈرانے دھمکانے کا کوئی بھی اسلوب ایسا رہ گیا ہے جو قرآن عظیم نے اختیار نہ کیا ہو اور علیم و خبیر پروردگار کا کلام اس پر حاوی نہ ہو؟ ہرگز نہیں ہرگز نہیں، یہ حکمتوں والے لائق و ستائش پروردگار کا کلام ہے مگر یہ اسی کے لئے منفعت بخش ہے جو دل کے کانوں سے پوری توجہ کے ساتھ اس کو سنے اور اس سے ہدایت حاصل کرے۔

اطاعت رسول سے متعلق یہ آیتیں (روشن دلیلیں) جب ایمان بالرسول سے متعلق (سابقہ باب میں ذکر شدہ) آیتوں کو بھی ان کے ساتھ شامل کر لو اس لئے کہ ایمان بالرسول کے معنی ہی اطاعت رسول ہیں، تو یہ اطاعت رسول کی فرضیت، اتباع رسول کے وجوب اور سنت رسول کے اتباع کی کافی دلیلیں ہو جاتی ہیں، اب ہم ان دلائل پر قرآن عزیز ہی سے مزید وضاحت کرتے ہیں، ملاحظہ فرمائیے، ارشاد ہے:

۱-﴿قُلْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِيْ يُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ وَ يَغْفِرْلَكُمْ ذُنُوْبَكُمْ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ الرَّحِيْم﴾ [آل عمران:۳۱]

ترجمہ: (اے نبی) کہہ دو! اگر تم اللہ سے محبت کرتے ہو تو میری پیروی کرو اللہ تم سے محبت کرے گا اور تمہارے گناہ بخش دے گا اور اللہ تو بڑا ہی بخشنے والا مہربان ہے۔

یہ آیت کریمہ رسول کی فرمانبرداری اور پیروی کے واجب ہونے کی بالکل قطعی اور صریح دلیل ہے نہ صرف یہ بلکہ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ رسول کی فرمانبرداری اللہ تعالیٰ کی محبت کی علامت ہے۔

اس لئے کہ اللہ تعالیٰ کی اطاعت اور فرماں پذیری ظاہر ہوتی ہے رسول کی فرمانبرداری اور پیروی کی شکل میں کیونکہ اللہ جل ذکرہ نے رسول کو اپنا داعی اور نائب بنا کر بھیجا ہے اسی لئے رسول علیہ الصلوۃ والسلام کی فرمانبرداری تو ہے ہی اللہ کی فرمانبرداری، بالفاظ دیگر اللہ جل ذکرہ کی اطاعت کا مظہر اور عملی صورت رسول کی اطاعت ہے اس کے بغیر اللہ کی اطاعت ہو ہی نہیں سکتی، اس لئے اللہ جل ذکرہ نے اپنی محبت اور رضا کو رسول علیہ الصلوۃ والسلام کی پیروی میں منحصر فرمایا، اور اسی لئے رسول کی پیروی کو اپنی محبت کی دلیل ٹھہرایا ہے، اور ظاہر ہے کہ رسول کی پیروی کے معنی اس کے سواء کچھ نہیں کہ اس کے جملہ احکام اوامر ہوں یا نواہی کی، اس کے ہر قول وفعل، اس کی سنت وسیرت کی دل وجان سے پیروی کی جائے، نہ صرف یہ کہ بچوں کی طرح آپ کے اعمال وافعال کی نقل اتاری جائے بلکہ اپنے آپ کو رسول کی پیروی کا مامور جان کر اور مان کر اللہ جل ذکرہ کی رضا اور محبت ومغفرت کے حاصل کرنے کی غرض سے بالقصد والارادہ آپ کی پیروی کی جائے، ارشاد ہے:

۲-﴿فَاِنْ تَنَازَعْتُمْ فِیْ شَیْءٍ فَرُدُّوْهُ اِلَی اللهِ وَالرَّسُوْلِ اِنْ كُنْتُمْ تُؤْمِنُوْنَ بِاللهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ﴾ [النساء:۵۹]

ترجمہ: پس اگر تمہارا کسی چیز میں نزاع ہو جائے تو اس کو اللہ اور رسول کی طرف لوٹاؤ (اور اس کے مطابق فیصلہ کرو) اگر (واقعی) اللہ اور یوم آخر پر تمہارا ایمان ہے۔

اپنے نزاعات کو اللہ کی طرف لوٹانے کے بعد رسول کی طرف لوٹانے کا حکم اس امر کی قطعی دلیل ہے کہ رسول کا فیصلہ اور اس کی رائے قطعی حجت ہے، اور یہ کہ رسول کا حکم، اس کا فیصلہ، اس کا اجتہاد اور اس کی فہم اور رائے مستقل شرعی دلیل ہیں اور امت کے لئے واجب الاطاعت ہیں، حافظ ابن قیم ''اعلام الموقعین'' میں لکھتے ہیں:

''تمام اہل علم کا اس پر اجماع اور اتفاق ہے کہ (اپنے نزاعات کو) اللہ کی طرف لوٹانے کے معنی ہیں اللہ کی کتاب کی طرف لوٹانا، یعنی قرآن کے موافق فیصلہ کرنا، تو رسول کی طرف لوٹانے کے معنی ہوئے آپ کی زندگی میں خود آپ کی طرف

لوٹانا یعنی آپ سے فیصلہ کرنا، اورآپ کی وفات کے بعدآپ کی سنت کی طرف لوٹانا یعنی آپ کی احادیث کے مطابق فیصلہ کرنا''۔

علامہ ابن قیمؒ کے اس بیان کی روشنی میں ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ تمام امت کا اس پر اتفاق اوراہل علم کا اس پراجماع ہے کہ آپ کی وفات کے بعدآپ کی سنت اورحدیث شرعی حجت اوردلیل ہیں، امت کا فرض ہے کہ وہ ہر معاملہ کو قرآن کے بعد حدیث کی طرف لوٹائے یعنی حدیث کے مطابق فیصلہ کرے، ارشاد ہے:

۳-﴿وَاِذَا قِيْلَ لَهُمْ تَعَالَوْا اِلٰى مَاۤاَنْزَلَ اللّٰهُ وَاِلَى الرَّسُوْلِ رَاَيْتَ الْمُنٰفِقِيْنَ يَصُدُّوْنَ عَنْكَ صُدُوْدًا﴾ [النساء:٦١]

ترجمہ:اورجب ان سے کہاجاتا ہے کہ آؤ اس چیز کی طرف جواللہ نے نازل کی (قرآن) اوررسول کی طرف (ان کا فیصلہ قبول کرو) توتم منافقوں کودیکھو گے کہ وہ تم سے اعراض کرتے ہیں صریح اعراض۔

یہ "ما انزل اللہ" یعنی قرآن کے بعد "والی الرسول" کی طرف دعوت اور "الی الرسول" کا "ماانزل اللہ" پرعطف واضح اورروشن دلیل ہےاس امر کی کہ قرآن کے علاوہ رسول یعنی اس کی سنت وحدیث مستقل دلیل اور حجت ہے (یعنی دو چیزوں کوتسلیم کرنا اوران پرعمل کرنا امت کا فرض ہے، ایک قرآن دوسرے رسول یعنی اس کی حدیث وسنت)۔

سورہ مائدہ میں سورہ نساء کی طرح ارشاد ہے:

٤-﴿وَاِذَا قِيْلَ لَهُمْ تَعَالَوْا اِلٰى مَاۤاَنْزَلَ اللّٰهُ وَاِلَى الرَّسُوْلِ قَالُوْا حَسْبُنَا مَاوَجَدْنَا عَلَيْهِ اٰبَاۤءَنَا اَوَ لَوْ كَانَ اٰبَاۤؤُهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ شَيْئًا وَّلَا يَهْتَدُوْنَ﴾ [المائدہ:١٠٤]

ترجمہ:اورجب ان سے کہاجاتا ہے کہ اس کی طرف آؤ جواللہ نے اتارا ہے، اور رسول کی طرف تووہ کہتے ہیں ہمیں تووہی کافی ہے جس پرہم نے اپنے باپ دادا کوپایا ہے کیا اگرچہ ان کے باپ دادا کچھ بھی نہ جانتے ہوں (پھر بھی وہ یہی کہیں گے)۔

(فرق صرف یہ ہے کہ پہلی آیت منافقین کے اس جواب سے متعلق ہے اور دوسری آیت میں روئے سخن کفار و مشرکین کی طرف ہے)۔

اللہ جل مجدہ کفار و مشرکین کے اس جواب اور انکار پر اپنے نبی علیہ الصلوۃ والسلام کو حکم دیتے ہیں:

٥-﴿فَاَعْرِضْ عَنْهُمْ وَعِظْهُمْ وَقُلْ لَّهُمْ فِيْۤ اَنْفُسِهِمْ قَوْلًا بَلِيْغاً﴾

[النساء:٦٣]

ترجمہ: پس تم بھی ان سے اعراض کرو اور ان کو نصیحت کرتے رہو اور ان کے نفسوں کے بارے میں موثر باتیں کہتے رہو۔

اللہ تعالیٰ رسول علیہ الصلوۃ والسلام کو ان کفار و مشرکین سے اعراض کرنے کا حکم دینے کے ساتھ ہی ساتھ موثر انداز میں پند و موعظت اور وعظ و ارشاد کا سلسلہ جاری رکھنے کا حکم بھی فرماتے ہیں اور اس کے بعد (آپ کے اطمینان کے لئے) ارشاد فرماتے ہیں:

﴿وَمَاۤ اَرْسَلْنَا مِنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا لِيُطَاعَ بِاِذْنِ اللهِ﴾ [النساء:٦٤]

اور اس کے بعد (طاعت رسول کی قطعیت واہمیت کو ظاہر کرنے کی غرض سے) ارشاد ہے:

٦-﴿فَلَا وَرَبِّكَ لَا يُؤْمِنُوْنَ حَتّٰى يُحَكِّمُوْكَ فِيْمَا شَجَرَ بَيْنَهُمْ ثُمَّ لَا يَجِدُوْا فِيْۤ أَنْفُسِهِمْ حَرَجاً مِّمَّا قَضَيْتَ وَ يُسَلِّمُوْا تَسْلِيْماً﴾[النساء:٦٥]

ترجمہ: پس ایسے نہیں قسم تیرے رب کی! وہ مؤمن نہ ہوں گے جب تک تجھ کو اپنے باہمی جھگڑوں میں حاکم نہ مان لیں اور پھر جو تو نے فیصلہ دیا اس سے اپنے دلوں میں تنگی بھی محسوس نہ کریں اور (سرتاپا) سپرد نہ کر دیں سپرد کرنا کلی طور پر۔

اس کے بعد انجام کار اور اتمام حجت کے طور پر ارشاد ہے:

٧-﴿وَلَوْ اَنَّهُمْ فَعَلُوْا مَا يُوْعَظُوْنَ بِهٖ لَكَانَ خَيْراً لَّهُمْ وَاَشَدَّ تَثْبِيْتاً، وَاِذًا لَّاٰتَيْنٰهُمْ مِّنْ لَّدُنَّاۤ اَجْراً عَظِيْماً، وَلَهَدَيْنٰهُمْ صِرَاطاً مُّسْتَقِيْماً، وَ

مَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ وَالرَّسُوْلَ فَاُولٰٓئِكَ مَعَ الَّذِيْنَ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ مِّنَ النَّبِيّٖنَ وَالصِّدِّيْقِيْنَ وَالشُّهَدَآءِ وَالصّٰلِحِيْنَ﴾ [النساء:٦٦تا٦٩]

ترجمہ: اور اگر وہ کر لیتے وہ (کام) جس کی ان کو نصیحت کی جاتی ہے تو ان کے لئے بہتر ہوتا اور ان کے دین وایمان کو بہت زیادہ پختہ کرنے والا ہوتا اور ہم ان کو اپنے پاس سے بڑا اجر دیتے، اور ان کو سیدھے راستے پر چلا دیتے، اور جو کہا مانیں اللہ کا اور رسول کا پس وہی ہوں گے (قیامت کے دن) ان لوگوں کے ساتھ جن پر اللہ نے انعام فرمایا ہے، انبیاء، صدیقین، شہداء اور نیکو کاروں کے۔

ان مسلسل آیات اور ان کے باہمی ربط وتعلق اور ترتیب سے آفتاب نصف النہار کی طرح روشن ہو گیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ہر قول وفعل، وعظ ونصیحت اور حکم وفیصلہ کو دل وجان سے قبول کرنا، اس کی پیروی کرنا، اسے ظاہراً بھی اور باطناً بھی تسلیم کرنا امت پر فرض ہے، اور یہ کہ دنیا وآخرت دونوں کے اعتبار سے ان کے حق میں بہتر بھی ہے، اور یہی صراط مستقیم کی راہ یابی کا طریقہ ہے، یہ ہیں اطاعت رسول کے بارے میں تاکیدات وترغیبات اور یہ کہ رسول کی اطاعت ہی انبیاء ورسل، صدیقین وعارفین، شہداء اور صالحین کا مسلک ہے جن سے بہتر کوئی رفیق راہ نہیں ہو سکتا۔

کیا اس کے بعد بھی منکرین سنت کے لئے دُم مارنے کی مجال ہے، بجز ہٹ دھرمی اور سینہ زوری کے؟ پاک ہے تو اے اللہ! جس کو تو ہی راہ حق سے جھٹکا دے اس کی رہنمائی کون کر سکتا ہے؟

خدا کی قسم اگر قرآن عظیم میں (منصب رسالت اور اطاعت رسول سے متعلق) سورہ نساء کی صرف یہی بارہ آیتیں ہوتیں (۵۹ سے لیکر ۶۹ تک یعنی "یاایھاالذین امنوا اطیعوا اللہ واطیعوا الرسول" سے "وکفی باللہ علیما" تک) تو یہی آیتیں رسول کے ہر قول وفعل، وعظ وارشاد، رائے واجتھاد اور ہر فیصلہ وحکم کے حجت، مفروض الطاعت اور واجب الاتباع ہونے کو ثابت کرنے کے لئے بہت کافی ووافی دلیل وبرہان ہیں، نیز یہ آیات

ثابت کر رہی ہیں کہ کوئی شخص اس وقت تک مومن ہو ہی نہیں سکتا جب تک کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اس منصب کو، اس مرتبہ کو، اس درجہ ومقام کو تسلیم نہ کرے۔

اللہ جل جلالہ کا ارشاد ہے:

۸-﴿وَكَيْفَ تَكْفُرُوْنَ وَاَنْتُمْ تُتْلٰى عَلَيْكُمْ اٰيَاتُ اللّٰهِ وَفِيْكُمْ رَسُوْلُهٗ﴾ [آعمران:۱۰۱]

ترجمہ: اور تم کس طرح کافر ہوتے ہو درآں حالیکہ تم پر اللہ کی آیتیں پڑھی جارہی ہیں اور تم میں اس کا رسول موجود ہے۔

یہ آیات کریمہ واضح طور پر بتلاتی ہیں کہ جس طرح قرآن عزیز کی آیات (رہتی دنیا تک) نوع انسانی کی ہدایت ورہنمائی کا وسیلہ ہیں اسی طرح نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا وجود مسعود آپ کی زندگی میں، اور آپ کی سنت واحادیث آپ کی وفات کے بعد نسل انسانی کی رشد و ہدایت اور ایمان واسلام سے سرفرازی کا وسیلہ ہیں (اس آیت کریمہ میں اس امر کی طرف بھی اشارہ ہے کہ جس طرح نوع انسانی کی ہدایت کے لئے قیامت تک قرآن کریم کی آیات بینات دنیا میں محفوظ رہیں گی اسی طرح رسول علیہ الصلوۃ والسلام کی سنت وحدیث بھی محفوظ رہے گی، (مترجم) اور یہ جبھی ہوسکتا ہے جب کہ آپ کی اطاعت وپیروی کی جائے اور دین کے تمام امور میں آپ کو مقتدیٰ تسلیم کیا جائے، لہذا لازمی طور پر رسول مفروض الطاعت اور واجب الاتباع ہونا چاہیے۔

بہرصورت یہ آیات کریمہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اطاعت کے فرض ہونے کی انتہائی روشن اور قوی دلائل ہیں جو نہایت روح پرور اور دلنشین انداز میں اس مدعا کو ثابت کرتی ہیں۔

اللہ جل شانہ کا ارشاد ہے:

۹-﴿فَلَا وَرَبِّكَ لَا يُؤْمِنُوْنَ حَتّٰى يُحَكِّمُوْكَ فِيْمَا شَجَرَ بَيْنَهُمْ ثُمَّ لَا يَجِدُوْا فِيْٓ اَنْفُسِهِمْ حَرَجًا مِّمَّا قَضَيْتَ وَ يُسَلِّمُوْا تَسْلِيْمًا﴾

[النساء:٦٥]

ترجمہ: پس ایسے نہیں قسم تیرے رب کی! وہ مؤمن نہ ہوں گے جب تک تجھ کو اپنے باہمی جھگڑوں حاکم نہ مان لیں اور پھر جو تو نے فیصلہ دیا اس سے اپنے دلوں میں تنگی بھی محسوس نہ کریں اور (سرتاپا) سپرد نہ کردیں سپرد کرنا کلی طور پر۔

یہ آیت کریمہ اس امر کی آفتاب سے بھی زیادہ روشن اور محکم دلیل ہے کہ رسول اللہ ﷺ کا ہر فیصلہ (نہ صرف دینی امور میں بلکہ) امت کے باہمی نزاعات اور جھگڑوں میں بھی برحق ہوتا ہے، اللہ کے نزدیک پسندیدہ ہوتا ہے، اس کے سامنے سر جھکانا، دل وجان سے اس کو تسلیم کرنا ان پر فرض ہے، اس کے متعلق ذرہ برابر شک وشبہ کرنا یا دلوں میں اس سے ناگواری محسوس کرنا ایمان کے منافی ہے، جیسا کہ ہم اس سے پہلے بیان کر چکے ہیں:

اللہ رب العالمین کا ارشاد ہے:

۱۰- ﴿إِنَّآ أَنزَلْنَآ إِلَيْكَ الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ لِتَحْكُمَ بَيْنَ النَّاسِ بِمَآ أَرٰكَ اللهُ وَلَا تَكُنْ لِّلْخَآئِنِيْنَ خَصِيْماً﴾ [النساء:۱۰۵]

ترجمہ: بلاشک ہم ہی نے اتاری تیری طرف برحق کتاب تاکہ تو فیصلے کرے لوگوں کے درمیان جو کچھ سمجھادے تجھ کو اللہ، اور تو مت ہو دغابازوں کی طرف سے جھگڑنے والا (حمایتی)۔

یہ آیت کریمہ اس امر کی واضح دلیل ہے کہ آپ ﷺ کے ہر حکم اور فیصلہ کو ماننا اور اس کی اطاعت کرنا امت پر فرض ہے نیز یہ کہ آپ کسی معاملہ میں اپنے اجتہاد سے کوئی حکم لگاتے ہیں تو وہ بمنزلہ وحی کے حجت شرعیہ ہوتا ہے، جو اللہ آپ کے پاس بھیجتا ہے یا علم لدنّی پر مبنی ہوتا ہے جو اللہ نے آپ کو عطا فرمانا ہے یا الہام یا القاء فی القلب پر، اس کے معنی یہ ہوئے کہ دین کے امور میں آپ کی رائے اور اجتہاد (جس پر اللہ تعالیٰ نے سکوت فرمایا ہو) غلطی اور خطاء سے محفوظ ہوتا ہے، یعنی یہ اس امر کی شہادت ہے کہ آپ معصوم الرائے ہیں، لہذا اس اجتہادی حکم پر عمل کرنا بھی واجب اور فرض ہے، اس لئے کہ رسول اللہ ﷺ اللہ تعالیٰ کے بتلانے کے مطابق ہی اللہ کی کتاب کی تشریح وتوضیح پر مامور تھے، جیسا کہ ارشاد ہے: ''ثم ان

علینا بیانہ" لہٰذا اللہ تعالیٰ کا حکم ہے اور غلطی وخطاء سے بالکل پاک وصاف ہے (یہی معنی ہیں معصوم الرائے ہونے کے)۔

اور خیانت کا مجرم وہ شخص ہے جو اللہ یا اس کے رسول ﷺ کے ان احکام شرعیہ اور امانت الٰہیہ میں خیانت کرتا ہے جو اللہ یا اس کے رسول کی جانب سے آئے ہیں، جیسا کہ سورہ انفال کی آیت کریمہ "لاتخونوا اللہ والرسول" [الانفال:۲۷] میں اس کی تصریح فرمادی ہے اور زیر بحث آیت کریمہ "ولا تکن للخائنین خصیما" میں بھی اس کی طرف اشارہ فرمایا ہے۔

اللہ جل جلالہ کا ارشاد ہے:

۱۱-﴿يٰاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا اسْتَجِيْبُوْا لِلّٰهِ وَلِلرَّسُوْلِ اِذَا دَعَاكُمْ لِمَا يُحْيِيْكُمْ﴾ [الانفال: ۲٤]

ترجمہ: اے ایمان والو! تم قبول کرو اللہ اور رسول کے بلاوے کو جبکہ وہ رسول تم کو بلائے اس (کام) کی طرف جو (ایمانی) زندگی کا موجب ہے۔

یہ آیت کریمہ روشن اور قطعی دلیل ہے اس امر کی کہ دین حق کی دعوت پر جو درحقیقت ابدی اور حقیقی زندگی ہے لبیک کہنا اور رسول اللہ ﷺ کی اطاعت امت پر فرض ہے، نیز اوّل اللہ اور رسول دونوں کا ذکر کرنا اور پھر "اذا دعاکم" میں فعل واحد لانا اس حقیقت پر متنبہ کرنا ہے کہ رسول کی دعوت ہی درحقیقت اللہ کی دعوت ہے کیونکہ رسول اس دعوت کے دینے میں اللہ کا نائب اور قائم مقام ہے، جیسا کہ سورہ "آل عمران" کی آیت ذیل میں بھی اس کی تصریح فرمائی ہے:

۱۲-﴿اَلَّذِيْنَ اسْتَجَابُوْا لِلّٰهِ وَالرَّسُوْلِ مِنْ بَعْدِ مَا اَصَابَهُمُ الْقَرْحُ لِلَّذِيْنَ اَحْسَنُوْا مِنْهُمْ وَاتَّقَوْا اَجْرٌ عَظِيْمٌ﴾ [آل عمران:۱۷۲]

ترجمہ: جن لوگوں نے قبول کیا اللہ اور رسول کے بلاوے کو (اور حکم مانا) اس کے بعد کہ ان کو زخم لگ چکے تھے (زخموں سے چور تھے) ان میں جو مخلص اور پرہیزگار ہیں ان کے

لئے بڑا بھاری ثواب ہے۔

اس آیت کریمہ میں ہر اس شخص سے جو رسول کی دعوت پر لبیک کہے، اجر عظیم کا وعدہ فرمایا ہے اور ظاہر ہے کہ یہ دعوت جہاد رسول اللہ ﷺ کی جانب سے تھی، اس کے باوجود "استجابوا لله والرسول" میں اللہ اور رسول دونوں کا ذکر ہے، یہ درحقیقت اس امر کا اعلان ہے کہ رسول کا دعوت دینا اور بلانا ہی اللہ کا دعوت دینا اور بلانا ہے۔

اللہ جل جلالہ رسول اللہ ﷺ کو ان کے منصب سے آگاہ فرماتے ہیں، ارشاد ہے:

۱۳-﴿وَ اَنْزَلْنَا اِلَيْكَ الذِّكْرَ لِتُبَيِّنَ لِلنَّاسِ مَا نُزِّلَ اِلَيْهِمْ وَلَعَلَّهُمْ يَتَفَكَّرُوْنَ﴾ [النحل:٤٤]

ترجمہ: اور ہم نے تجھ پر ذکر (کلام اللہ) اتارا، تاکہ تو کھول کر بیان کر دے لوگوں کے سامنے جو ان کی طرف اتارا گیا ہے اور تاکہ وہ (خود بھی اس میں) غور کریں۔

اس آیت کریمہ سے واضح طور پر معلوم ہوتا ہے کہ رسول علیہ الصلوۃ والسلام کا منصب یہ بھی ہے کہ اللہ جل ذکرہ نے جو دین اور اس کے شرعی احکام، ان کے اسرار و حکم اور تفصیلات آپ پر نازل فرمائی ہیں، ان کی آپ وضاحت فرمائیں، اور غرض شارع کو ملحوظ رکھ کر جو ان میں مجمل امور ہیں ان کی تفصیل بیان کریں اور جو امور مبہم ہیں ان کی وضاحت کریں، یہ وضاحت آپ نے زبان مبارک سے بھی فرمائی ہے اور عمل سے بھی اور بیان سکوتی کے ذریعہ بھی، یعنی آپ نے صحابہ کو کوئی کام کرتے سنا یا کام کرتے دیکھا اور اس پر آپ نے سکوت فرمایا (اس لئے کہ اگر صحابہ کی وہ بات یا عمل شرعاً درست نہ ہوتا تو آپ کبھی خاموش نہیں رہ سکتے تھے) یہی مطلب ہے مشہور مقولہ "السکوت فی معرض البیان بیان" کا (یعنی بولنے کے موقع پر خاموش رہنا بولنے کے ہی مرادف ہوتا ہے) زیادہ واضح الفاظ میں یوں کہئے کہ جب رسول اللہ ﷺ کے سامنے کوئی کام کیا گیا یا کوئی بات کہی گئی اور آپ نے اس سے منع نہیں فرمایا تو آپ کی یہ خاموشی شرعاً اس کے درست ہونے کی دلیل ہے، اسی کو محدثین کی اصطلاح میں "تقریر"، یعنی "بیان سکوتی" کہا جاتا ہے۔ اس آیت کریمہ کے تحت رسول اللہ

صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ہر قولی، فعلی اور سکوتی سنت داخل ہے، اسی کا نام محدثین کی اصطلاح اور عرف عام میں ''حدیث'' ہے، سنت اور حدیث کے درمیان صرف تعبیر کے اعتبار سے فرق ہے، اس کی مزید تفصیل ہم اپنے موقعہ پر آئندہ بیان کریں گے۔

تنبیہ

بعض حضرات پر تو ناواقفیت کی بنا پر سنت اور حدیث کے درمیان فرق مخفی رہا ہے، لیکن اکثر و بیشتر ملحدوں اور بے دین لوگوں نے جان بوجھ کر سنت اور حدیث میں صرف اس غرض سے فرق کیا کہ وہ احادیث میں واردشدہ شرعی احکام سے اپنی گلوخلاصی چاہتے ہیں اور اس مقصد کے لئے بے معنی اور پادر ہوا حیلے بہانے تراشتے ہیں اور اس راہ سے وہ سنت کو تو مانتے ہیں، مگر احادیث کا وہ سرے سے انکار کرتے ہیں، جس کے نتیجے میں نہ صرف سنت بلکہ قرآن حکیم کا بھی انکار لازم آتا ہے، (اور یہی ان کا اصلی مقصد ہے) سچ فرمایا اللہ رب العالمین نے:

﴿يَقُوْلُوْنَ بِاَفْوَاهِهِمْ مَالَيْسَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ وَاللهُ اَعْلَمُ بِمَا يَكْتُمُوْن﴾

[آل عمران:١٦٧]

ترجمہ: وہ اپنے منہ سے وہ باتیں کہتے ہیں جو ان کے دلوں میں نہیں اور اللہ خوب جانتا ہے جو وہ چھپاتے ہیں۔

بہر حال قرآن کریم کی یہ زیر بحث آیت کریمہ پوری صراحت اور وضاحت کے ساتھ بتلاتی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا منصب قرآن کریم کے، اور اس کے علاوہ جو وحی آپ پر لوگوں کے لئے بھیجی گئی ہے اس کے معانی ومصادیق کو بیان کرنا اور مطالب کی تشریح کرنا بھی ہے، دوسرے لفظوں میں قرآن کریم کی مراد بتلانے کا اختیار صرف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو حاصل ہے۔

باب چہارم

اسلام میں احادیث نبویہ کے انکار کے ابتدائی اسباب

① پہلا سبب

یہ ایک حقیقت ہے جس سے انکار نہیں کیا جاسکتا کہ امت محمدیہ میں سب سے پہلا فتنہ جس نے سر اٹھایا وہ خارجیوں کا فتنہ ہے، اسی فتنہ سے ٹکرا کر مسلمانوں کے اتحاد کی چٹان ٹکڑے ٹکڑے ہوئی، چنانچہ ان خارجیوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بڑے بڑے صحابہؓ سے بے تعلقی کا صاف اعلان کر دیا اور حضرت عثمانؓ، حضرت علیؓ، شرکاء جنگ جمل اور تحکیم (ثالثی) کو تسلیم کرنے والے تمام صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کو کافر قرار دے دیا، اس تکفیر کے نتیجہ میں ان تمام صحابہ کی احادیث جو انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کی ہیں ان کو صحیح ماننے سے بھی انکار کر دیا، (کہ راوی حدیث کے لئے مسلمان ہونا اوّلین شرط ہے، اور یہ سب کافر ہیں [العیاذ باللہ]) اور اس طرح انکار حدیث وسنت کی تخم ریزی شروع ہوگئی۔

② دوسرا سبب

پھر اس خارجیوں کے فتنہ کے بالمقابل شیعیت کے فتنہ نے سر اٹھایا حالانکہ شیعیت کا فتنہ ایک سیاسی ہتھکنڈا (اسٹنٹ) تھا (کہ حب آل رسول کے نام سے ہی اقتدار کی باگ ڈور کسی طرح شیعوں کے ہاتھ آجائے) پھر انہی شیعوں میں سے سبائی رافضیوں کا گروہ منظر عام پر آیا، انہوں نے حضرت علیؓ کے ماسوا تینوں خلفاء راشدین کو اور چند طرفداران علی (جن کی تعداد میں خود شیعوں کا بھی اختلاف ہے) کے علاوہ باقی تمام صحابہ کرام کو کافر قرار دے دیا، اس

فتنہ کا فطری نتیجہ تھا کہ انہوں نے ان چند رواۃ کے علاوہ جو ان کے حامی اور طرفدار تھے باقی تمام صحابہ کی حدیثوں کو ماننے سے انکار کر دیا (کہ یہ سب کافر ہیں)۔

③ تیسرا سبب

اس کے بعد (۲ھ کے آخر میں) اعتزال (عقلیت پرستی) کا دور آیا، چنانچہ اس عقلیت پرستی کے تسلط نے معتزلہ کو ان تمام حدیثوں میں تاویلیں کرنے پر (اور تاویل نہ ہو سکنے کی صورت میں ان کو صحیح ماننے سے انکار کرنے پر) مجبور کر دیا، جن کو انہوں نے اپنے عقلی معتقدات کے خلاف محسوس کیا، عباسی خلیفہ مامون کے عہد میں جبکہ یونانی فلسفہ کی کتابیں عربی میں ترجمہ ہو کر منظر عام پر آئیں، مذہب اعتزال نے مامون کی سرپرستی میں بڑا فروغ حاصل کیا۔

④ چوتھا سبب

جب خوارج اور معتزلہ دونوں نے اپنے اپنے معتقدات میں غلو کی بنا پر اعمال کو ایمان کا جزء اور رکن قرار دے دیا، تو ردعمل کے طور پر ان کے مقابلہ میں ''مرجئہ'' کا گروہ اور ''اِرجاءُ'' کا عقیدہ منظر عام پر آیا، مرجئہ نے اس عقیدہ میں اتنا غلو کیا کہ صاف کہہ دیا:

"لا تضر مع الایمان معصیة کما لا تنفع مع الکفر طاعة"

ترجمہ: ایمان کے ہوتے ہوئے معصیت ضرر نہیں پہنچاتی، جیسے کہ کفر کے ہوتے ہوئے کوئی بھی طاعت نفع نہیں پہونچاتی۔

اس عقیدہ کے نتیجہ میں مرجئہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ان تمام صحیح حدیثوں کو ماننے سے انکار کر دیا، جن میں کبیرہ گناہوں اور معصیتوں کے ارتکاب پر عذاب جہنم کی وعیدیں مذکور ہیں۔

⑤ پانچواں سبب

اسی زمانہ میں مشہور گمراہ اور غالی ''جہم بن الصفوان الراسبی'' (جو کہ بعد میں قتل

کردیا گیا) کا متبع فرقہ ''جہمیہ'' منظر عام پر آیا، اور صفات باری تعالیٰ پر مشتمل احادیث کا اور روزانہ وجود میں آنے والی جزئیات اور حوادث وواقعات سے متعلق باری تعالیٰ کے علم قبل از وقوع کی احادیث کا انکار کر دیا، خلق قرآن (قرآن کے مخلوق ہونے کا) فتنہ اور جبر (بندہ کے مجبور محض ہونے) کا عقیدہ بڑے زور وشور سے منظر عام پر آیا، نیز انہوں نے کفار کے خلود فی النار (دائمی طور پر جہنمی ہونے) کا بھی (جوامت کا اجماعی عقیدہ تھا) صاف انکار کر دیا۔

الغرض یہ خارجی قدری (معتزلی) شیعہ، مرجئہ، جہمیہ، وہ بڑے بڑے گمراہ فرقے ہیں جو اسلام کے ابتدائی دور میں نمودار ہوئے، (اور انہوں نے اسلامی عقائد کی وحدت کو پارہ پارہ کر دیا) انہی فرقوں نے اپنے اپنے اعتقادات کی حمایت کی غرض سے اپنے معتقدات کے مخالف احادیث صحیحہ کو ماننے سے انکار کر دیا، اور انہی کی بدولت انکار حدیث کا فتنہ ایک مستقل فتنہ کی صورت میں وبا کی طرح پھیل گیا جیسا کہ ہم بتلا چکے ہیں۔

یہ ہے انکار سنت وحدیث کی (یا ان میں تحریف وتصرف اور خودساختہ تاویلوں کا دروازہ کھولنے) کی تاریخ، اور اس کے وجوہ واسباب، ان خارجیوں، قدریوں، شیعوں، جہمیوں وغیرہ فرقوں نے ساری ہی حدیثوں کا انکار نہیں کیا نہ ہی ان کے لئے یہ ممکن تھا (کیونکہ یہ فرقے اپنے اپنے مسلک اور معتقدات کو حدیثوں سے ہی ثابت کرنے کی کوشش کرتے تھے، بلکہ یہ فرقے صرف اپنے خلاف حدیثوں ہی کا انکار کرتے تھے) لیکن انہوں نے ایک ایسے راستے کی داغ بیل ڈال دی جس پر چل کر ملحدوں اور زندیقوں نے دینی عقائد واحکام سے گلوخلاصی حاصل کرنے کی غرض سے علی الاعلان تمام ہی حدیثوں کا انکار کرنے اور الحاد وبے دینی کا دروازہ چوپٹ کھول دیا۔

حدیث کی حفاظت کے لئے حاملین حدیث کی جد وجہد

لہذا اللہ جل شانہ کی حکمت متقاضی ہوئی کہ دین کے تانے بانے کی حفاظت اور سید الانبیاء والمرسلین علیہ الصلوۃ والسلام کی سنت وحدیث سے دفاع کے لئے اور مسخ وتحریف، تغیر و تبدل سے پاک کرنے کی غرض سے، جن پر دین قائم ہے، ائمہ اہل سنت والجماعت وحامیان

دین الٰہی میدان میں آئیں، اور اپنا فریضہ حفاظت وحمایت شریعت محمدیہ ادا کریں۔

چنانچہ قرن اوّل کے ان حامیان دین متین کے اوّلین قائد ''امام ابوحنیفہؒ'' اس فرض کو ادا کرنے کے لئے کھڑے ہوئے، اور انہوں نے اپنے آپ کو خارجیوں خصوصاً خارجیوں کے فرقہ ''ازارقہ'' سے مقابلہ کے لئے وقف کردیا، یہ فرقہ ''ازارقہ''، ''نافع بن ازرق'' خارجی کا پیرو تھا، چونکہ ان کا مرکز بصرہ تھا وہیں ان کی زبردست طاقت وقوت تھی، اور اقتدار وتسلط ان کو حاصل تھا، اس لئے تاریخ ہمیں بتاتی ہے کہ امام ابوحنیفہؒ نے ازارقی خارجیوں سے علمی مقابلہ اور مناظرہ کے لئے کوفہ سے بیس مرتبہ بصرہ کا سفر کیا ہے، یہ ''نافع بن ازرق'' پہلا خارجی تھا، جس نے اپنے فرقہ کا نام ''مرجئہ'' رکھا، جیسا کہ ابن ابی العوام نے اپنی سند سے مناقب ابی حنیفہ میں اس کی تصریح کی ہے۔

امام شافعیؒ نے بھی اپنی تصنیف ''کتاب الام'' اور ''الرسالۃ'' میں ان منکرین سنت اور مرجئہ پر رد کرنے اور ان کی بیخ کنی کرنے کا بیڑہ اٹھایا۔

امام احمد بن حنبلؒ نے ''خلق قرآن'' کے مسئلہ میں معتزلہ کی تردید اور بیخ کنی کرنے کا کٹھن فریضہ انجام دیا، چنانچہ اس سلسلہ میں امام احمد بن حنبلؒ کی لرزہ خیز ایذاء رسانیوں اور مظالم کی داستان تاریخ اسلام کا ایک زبردست حادثہ اور المیہ ہیں۔

امام جلال الدین سیوطی علیہ الرحمہ اپنی کتاب ''مفتاح الجنۃ فی الاحتجاج بالسنۃ'' میں لکھتے ہیں:

> ''اس مسلک ''انکار حدیث وسنت'' کے لوگ ائمہ اربعہ کے زمانے میں بہ کثرت موجود تھے، ان کے حلقہ ہائے درس میں آتے تھے ان ائمہ نے اپنی تصانیف میں ان کی تردیدیں کی ہیں ان سے مناظرے کئے ہیں''۔

چنانچہ سنت وحدیث کی حمایت ودفاع کی راہ میں امام ابوحنیفہؒ کے شاندار کارنامے، اور ان خارجیوں، قدریوں، جہمیوں، اور معتزلہ کی سرکوبی کے سلسلہ میں ان کی مسلسل کوشش وکاوش تاریخ کی ایک ناقابل فراموش حقیقت ہے۔

جیسا کہ امام شافعی علیہ الرحمۃ اور محدثین علیہم الرحمۃ کی مساعی مشکورہ ''مرجئہ'' کی بیخ کنی کے سلسلے میں ایک نا قابل انکار حقیقت ہے۔

اور امام احمد بن حنبلؒ کو مسئلہ خلق قرآن کے سلسلہ میں معتزلہ، جہمیہ اور منکرین صفات کی سرکوبی کرنے کے لئے توفیق خداوندی کا سہرا نصیب ہوا۔

ان دینی فسادات اور گمراہ کن فتنوں کے رونما ہونے کی وجہ سے ہی کبار محدثین اور قدیم ائمہ اہل سنت اور سرفہرست ائمہ حدیث نے ضروری سمجھا کہ ان منکرین حدیث وسنت کے رد میں مستقل تصانیف لکھیں، جیسا کہ مدونین حدیث ائمہ مثلاً امام بخاریؒ، مسلمؒ، ابوداؤدؒ، نسائیؒ، ابن ماجہؒ، وغیرہ نے اپنی اپنی مشہور ومعروف کتابوں میں مستقل ابواب ان علمبرداران الحاد وزندقہ، گمراہ، کجراہ منکرین حدیث کے معتقدات کی تردید میں قائم کئے ہیں، اور ان کے رد میں حدیثیں جمع کی ہیں۔

لہذا ان تمام ائمہ حدیث اور حامیان سنت ائمہ کی مقدس ومبارک جدوجہد اور کوشش وکاوش کی بدولت حدیث وسنت ان مفسدوں کی دست درازیوں اور دراندازیوں سے بالکل محفوظ ہوگئی، یہاں تک کہ امام ابوجعفر طحاویؒ نے تو اپنی مشہور ومعروف حدیث کی کتابیں ''مشکل الآثار'' اور ''شرح معانی الآثار'' صرف اسی مقصد اور داعیہ کے تحت تصنیف کی ہیں جیسا کہ ان کتابوں میں انہوں نے خود تصریح کی ہے، اسی لئے یہ دونوں کتابیں حدیث وسنت اور ان کے معانی ومقاصد کی تشریح وتوضیح کے اور منکرین حدیث کے شکوک وشبہات اور اعتراضات کا جواب دینے کے سلسلہ میں یکتا اور بے مثل کتابیں سمجھی گئی ہیں، جیسا کہ امام طحاویؒ نے ''شرح معانی الآثار'' کے مقدمہ میں اس کی تصریح کی ہے۔

کتب حجیت حدیث

مختصر یہ کہ سنت کے ثبوت، حجیت اور دین میں سنت کے مرتبہ ومقام کے سلسلہ میں بہت سی چھوٹی بڑی کتابیں وجود میں آئیں، ناظرین کی بصیرت کے لئے ہم ان میں سے چند کتابوں اور مصنفین کے نام مع سنہ وفات لکھتے ہیں:

١-کتاب الرسالة: امام محمد بن ادریس الشافعیؒ، وفات: ۲۰۴ھ

٢-کتاب اختلاف الحدیث: امام محمد بن ادریس الشافعیؒ، وفات: ۲۰۴ھ

٣-کتاب مختلف الحدیث: امام ابوعبداللہ مسلم بن قتیبہؒ، وفات: ۲۷۶ھ

٤-کتاب السنة: امام احمد بن حنبل الشیبانیؒ، وفات: ۲۴۱ھ

٥-کتاب السنة: امام ابوداؤد سلیمان بن الاشعث السجزیؒ، وفات: ۲۷۵ھ

٦-کتاب السنة: عبداللہ بن احمد بن حنبلؒ، وفات: ۲۹۰ھ

٧-کتاب السنة: امام ابوبکر احمد بن محمد الاثرمؒ، وفات: ۲۷۳ھ

٨-کتاب السنة: امام ابومحمد الدارمیؒ، وفات: ۲۵۵ھ

٩-کتاب السنة: امام ابوبکر احمد بن عمرو بن ابی عاصم الشیبانیؒ، وفات: ۲۸۷ھ

١٠-کتاب السنة: امام ابوعلی حنبل بن اسحاق الشیبانیؒ، وفات: ۲۷۳ھ

١١-کتاب السنة: امام ابوعبداللہ الحاکم الحزامیؒ، وفات: ۲۹۵ھ

١٢-کتاب السنة: امام ابوبکر احمد بن الخلالؒ، وفات: ۳۱۱ھ

١٣-کتاب السنة: امام ابوالشیخ ابومحمد عبداللہ بن الاصبہانیؒ، وفات: ۳۱۹ھ

١٤-کتاب السنة: امام ابوالقاسم سلیمان بن احمد الطبرانیؒ، وفات: ۳۶۰ھ

١٥-کتاب السنة: امام ابوحفص عمر بن احمد ابن شاہینؒ، وفات: ۳۸۵ھ

١٦-کتاب السنة: ابوالحسین محمد بن حامد السریؒ۔

١٧-کتاب السنة: امام ابوعبداللہ محمد بن اسحاق بن مندہؒ، وفات: ۳۹۵ھ

١٨-کتاب السنة: حافظ ابوالقاسم عبداللہ بن الحسن اللالکائیؒ، وفات: ۴۱۸ھ

١٩-کتاب الابانة: ابوعبداللہ بن بطہ۔

٢٠-کتاب الابانة: امام ابوالحسن الاشعریؒ، وفات: ۳۳۰ھ

٢١-کتاب الابانة: ابونصر عبداللہ بن سعید السجزیؒ، وفات: ۴۴۴ھ

۲۲-كتاب اثبات الحجة على تارك السنة

ابوالفتح نمر بن ابراھیم المقدسیؒ، وفات: ۴۹۰ھ۔

۲۳-دلائل السنة: حافظ عبدالرحمن بن فطیسؒ، وفات: ۴۰۲ھ

۲٤-كتاب الأصول: ابوعبداللہؒ.

۲۵-كتاب الردعلى الجهمية محمد بن عبداللہ الجعفی شیخ البخاریؒ، وفات: ۲۲۹ھ

۲٦-كتاب الردعلى الجهمية: عثمان بن سعید الدارمیؒ، وفات: ۲۸۰ھ

۲۷-كتاب الردعلى الجهمية: عبدالرحمن بن ابی حاتمؒ، وفات: ۳۲۷ھ

ان کتابوں کے علاوہ اور بہت سی حدیث کی کتابوں میں اور ائمہ حدیث وکلام کی تصانیف میں اس موضوع سے متعلق سیر حاصل بحث موجود پائیں گے، ہم ان میں سے چند کتابوں کے نام بھی ذیل میں لکھتے ہیں:

۱-كتاب المدخل: البیہقیؒ، وفات: ۴۵۸ھ

۲-كتاب احكام الاحكام: ابن حزمؒ، وفات: ۴۵٦ھ

۳-كتاب جامع بيان العلم: ابن عبدالبرؒ، وفات: ۴٦۳ھ

٤-كتاب العواصم والقواصم: قاضی ابوبکر بن العربیؒ، وفات: ۵۴۳ھ

۵-كتاب الاعتصام بالسنة

شاطبی ابواسحق ابراہیم بن موسیٰ الشاطبیؒ، وفات: ۷۹۰ھ

٦-اعلام الموقعين: ابن قیم المعروف بابن الوزیرؒ، وفات: ۷۵۱ھ

۷-كتاب العواصم والقواصم

ابوعبداللہ محمد بن ابراہیم الوزیر الیمانیؒ مصنف کتاب "ایثار الحق علی الخلق"، وفات: ۸۴۰ھ

۸-كتاب الروض الباسم فى الذب عن سنة ابى القاسم

ابوعبداللہ محمد بن ابراہیم الوزیر الیمانیؒ، مصنف کتاب "ایثار الحق علی الخلق"، وفات: ۸۴۰ھ

۹-مفتاح الجنۃ فی الاحتجاج بالسنۃ امام جلال الدین سیوطیؒ، وفات: ۹۱۱ھ

اللہ تعالیٰ شانہ ان تمام حفاظ اور ائمہ دین کو وہ جزائے خیر عطا فرمائیں جو اپنے خاص عباد صالحین کو عطا فرماتے ہیں۔

خاص طور پر ابن قتیبہؒ کی کتاب "مختلف الحدیث" امام شافعیؒ کی کتاب "اختلاف الحدیث" امام ابوجعفر طحاویؒ کی کتاب "مشکل الآثار" اور ابن فورکؒ کی کتاب "مشکل الحدیث" تو حدیث وسنت کے دفاع کے لئے ہی لکھی گئی ہیں۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد قرآن کا شارح ومفسر

گزشتہ آیت کریمہ میں "وانزلنا الیك الذکر" کے بعد "لتبین للناس مانزل الیھم" فرمانا اس امر کی قطعی دلیل ہے کہ آپ کا منصب صرف قرآن کے معنی اور مراد بتلانا ہی نہیں ہے، بلکہ پورا دین الٰہی اور احکام شرعیہ جو اللہ جل ذکرہ نے آپ پر نازل فرمائے ہیں ان کی قولاً وفعلاً وضاحت کرنا اور بتلانا آپ کا فرض ہے اور آپ کی بعثت کا مقصد اصلی ہے، اور ظاہر ہے کہ آپ کا یہ عام بیان اور تعلیمات قرآن کریم کے علاوہ ہے، اگرچہ وہ سب کچھ ماخوذ قرآن ہی سے ہے، اس لحاظ سے قرآن ہی تشریح وتفسیر ہے۔

تمام امت آپ کی تعلیمات کو اسی نظر سے دیکھتی ہے کہ (آپ کی وفات کے بعد) آپ کی احادیث (آپ کی جگہ) قرآن کی تشریح وتفسیر کرتی ہیں، قرآن کے مجمل احکام کی تفصیل، مبہم احکام کی توضیح، دقیق اشارات کی تشریح، عام کی تخصیص اور خاص کی تعمیم، مطلق کی تقیید اور مقید کے اطلاق کا واحد ذریعہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی احادیث کو ہی جانتی ہے اور مانتی ہے۔

الغرض امت اس پر متفق ہے کہ قرآن کی تفسیر وتشریح کا واحد ذریعہ احادیث صحیحہ ہی ہیں، قرآن کریم میں جب کبھی کوئی اشتباہ واقع ہوگا، یا اشتباہ میں واقع ہونے کا امکان ہوگا یا اس کے متعدد احتمالات میں سے کسی ایک احتمال کے متعین کرنے میں امت کو اشتباہ یا التباس

ہوگا تو احادیث صحیحہ کے ذریعہ ہی اس اشتباہ کا ازالہ، اور کسی ایک احتمال کی تعیین کی جائے گی، اس کی مزید وضاحت آپ عنقریب ملاحظہ فرمائیں گے۔

بہر حال یہ آیت کریمہ قرآن کی نسبت سے سنت اور حدیث کا مرتبہ اور مقام متعین کرنے کے لئے واضح ترین دلیل ہے، اسی طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اجتہاد کی حجیت (شرعی دلیل ہونا) بھی اسی بیان وتبیین کے تحت داخل ہیں، اور اسی آیت کریمہ کے آخری جزو "ولعلهم يتفكرون" میں امت کے اجتہاد کی حجیت کی طرف بھی اشارہ فرمادیا ہے، اس لحاظ سے یہ آیت کریمہ شریعت کے ادلۂ اربعہ (کتاب، سنت، اجماع اور اجتہاد چاروں) پر حاوی اور ان کے ثبوت وحجیت کی دلیل ہے، اس لئے کہ امت کا تفکر جس کی دعوت قرآن نے دی ہے وہی معتبر ہے جو کتاب (قرآن) یا سنت کی روشنی میں کیا جائے اسی کا نام اصطلاح اصول فقہ میں اجتہاد (اور قیاس) ہے۔

اور اس امر کی تائید کہ رسول علیہ الصلوۃ والسلام جو کچھ بھی کہتے ہیں اور بیان فرماتے ہیں سب لوگوں کے لئے حجیت شرعیہ ہے، اللہ تعالیٰ کے مذکورہ ذیل ارشاد سے بھی ہوتی ہے:

﴿يَا أَهْلَ الْكِتَابِ قَدْ جَاءَكُمْ رَسُوْلُنَا يُبَيِّنُ لَكُمْ عَلٰى فَتْرَةٍ مِّنَ الرُّسُلِ أَنْ تَقُوْلُوْا مَا جَاءَنَا مِنْ بَشِيْرٍ وَّلَا نَذِيْرٍ فَقَدْ جَاءَكُمْ بَشِيْرٌ وَّنَذِيْرٌ وَاللهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ﴾ [المائدة:١٩]

ترجمہ: اے کتاب والو! تحقیق آچکا ہے تمہارے پاس ہمارا رسول جو کھول کر بیان کرتا ہے رسولوں کے (سلسلہ کے) انقطاع کے بعد (ہمارے احکام) کبھی تم کہنے لگو کہ ہمارے پاس تو نہ کوئی خوشخبری دینے والا آیا نہ خبردار کرنے والا سو تحقیق آچکا تمہارے پاس خوشخبری سنانے والا اور خبردار کرنے والا اور اللہ تو ہر چیز پر قادر ہے۔

اس آیت کریمہ میں "يبين لكم" کا مفعول ذکر نہ فرمانا اس امر کی دلیل ہے کہ جو کچھ آپ بیان فرمائیں (قرآن میں مذکور ہو چاہے نہ ہو) وہ حجت شرعیہ ہے اور اہل کتاب پر اس کا ماننا فرض ہے۔

اللہ جل شانہ کا ارشاد ہے:

﴿ثم ان علینا بیانه﴾ [القیامة:۱۹]

ترجمہ: پھر بیشک ہمارے ہی ذمہ ہے اس کو واضح کرنا۔

یہ آیت کریمہ بھی سابقہ آیت کی طرح اس امر کو ثابت کرتی ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی زبان مبارک سے آیات قرآن کے جو بھی معنی و مراد، مصداق و محمل اور جو بھی مصالح و اغراض شرعیہ بیان ہوئے ہیں وہ سب اللہ جل ذکرہ کی بتلائے ہوئے ہیں، اور لسان نبوت کے ذریعہ قرآن عظیم کی تشریح و تفسیر ہے، اور قرآن عظیم کی وحی کے علاوہ وہ بھی اللہ تعالیٰ ہی کی وحی ہے، اور اسی کی بتلائی ہوئی ہے (بالفاظ دیگر اللہ نے اپنے کلام کی مراد رسول کو بتلائی، رسول نے امت کو بتلائی)۔

نیز اس آیت کریمہ میں سابقہ آیت پر یہ اضافہ بھی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے خود رسول کے بیان کو اپنا بیان قرار دیا ہے، چنانچہ ترجمان قرآن حضرت عبداللہ بن عباسؓ نے "ثم ان علینا بیانه" کی تفسیر میں فرمایا ہے:

"ثم ان تبیینه علی لسانك"

ترجمہ: پھر اس کی وضاحت آپ کی زبان مبارک سے (ہمارے ذمہ ہے)۔

جیسا کہ امام بخاریؒ نے صحیح بخاری کی "کتاب التفسیر" میں حضرت ابن عباسؓ سے یہ تفسیر نقل کی ہے، لہذا یہ آیت کریمہ احادیث نبویہ کے حجت ہونے کی سب سے زیادہ قوی دلیل ہے، اور قرآن عظیم کی نسبت سے احادیث و تعلیمات نبویہ کے رتبہ و مقام اور عظمت و رفعت کی سب سے بڑی اور سب سے اعلیٰ و ارفع دلیل ہے۔

اس لئے کہ مثلاً نماز کی تمام تفصیلات، ارکان، نماز کی ترتیب و تعیین، اوقات نماز کی تعیین، قرأت قرآن و اذکار و ادعیہ کی تشخیص (غرض نماز کی پوری عملی شکل و صورت) اسی طرح زکوۃ، اموال زکوۃ، نصاب زکوۃ، مقدار زکوۃ وغیرہ کی تعیین، اسی طرح روزہ اور اس کے احکام و آداب کی تفصیل، اسی طرح حج اور مناسک حج و عمرہ کا بیان اور عملی تشکیل، اسی طرح بیع و شراء

وغیرہ معاملات کی انواع واقسام اور ہرایک کے احکام کی تفصیل، ربوا (سود) کے انواع و اقسام، اوراموال ربویہ کی تفصیل، اور ہرایک کے احکام اوران کے علاوہ دین کے یقینی اور بدیہی امور، شعائر اسلام اور شریعت کے احکام، یہ سب کے سب اللہ تعالیٰ نے نبی کریم علیہ الصلوۃ والسلام کی زبان مبارک کے ذریعہ بیان فرمائے ہیں، اور قرآن کریم کی نص صریح "ثم ان علینا بیانه" کے مطابق قرآن عزیز ہی کا بیان اور تفسیر وتبیین ہے۔

پھر یہ بھی تصریح فرمادی کہ یہ نبی علیہ الصلوۃ والسلام کا بیان دراصل ہمارا ہی بیان ہے جس کو ہم نے اپنی قدرت کاملہ خاصہ سے اپنے محبوب وبرگزیدہ نبی کی زبان پر جاری کردیا ہے، چنانچہ ارشاد ہے:

﴿فاذا قرأناه فاتبع قرانه ثم ان علینا بیانه﴾ [القیامة:۱۸، ۱۹]

ترجمہ: پس جب ہم پڑھیں (فرشتہ کی وساطت سے) توتم ساتھ ساتھ اس کے پڑھنے کو سنتے رہو پھر ہمارے ہی ذمہ ہے اس کو کھول کر بتلادینا۔

ان شاء اللہ آپ عنقریب اس کی مزید وضاحت آیات تعلیم کتاب وحکمت کے ذیل میں پڑھیں گے۔

اللہ جل شانہ کا ارشاد ہے:

﴿لقدکان لکم فی رسول الله اسوة حسنة لمن کان یرجو الله والیوم الآخر وذکر الله کثیرا﴾ [الاحزاب:۲۱]

ترجمہ: بخدا تمہارے لئے رسول اللہ (کی زندگی میں) اچھا نمونہ (موجود) ہے، اس کے لئے جو اللہ سے اور یوم آخر سے امید رکھتا ہو اور اللہ کا ذکر کثرت سے کرتا رہتا ہو۔

یہ آیت کریمہ اس امر کی روشن دلیل ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی نبوت کے بعد کی مقدس زندگی خدا پرستوں کے لئے پیروی کے لائق وبہترین نمونہ ہے، سیرت وصورت کے اعتبار سے بھی، اخلاق وآداب کے لحاظ سے بھی، معیشت ومعاشرت کے اعتبار سے بھی اور محض اللہ جل ذکرہ کی رضا کے لئے راہ حق میں سختیاں جھیلنے اور مصائب برداشت کرنے کے لحاظ سے بھی۔

اس آیت کریمہ کا شان نزول اگرچہ خندق کھودنے کی مشقت اٹھانے اور غزوۂ احزاب کی سختیاں برداشت کرنے کا واقعہ ہے (اور اسی جفاکشی وسخت کوشی میں آپ کی مقدس ہستی کو بطور اسوۂ حسنہ پیش کیا گیا ہے) لیکن یہ آیت کریمہ اس کے الفاظ عام ہیں، نہ اس واقعہ کی کوئی تخصیص ہے، نہ ان مخاطبین کی کوئی تخصیص ہے، جو اس واقعہ میں موجود تھے، اور نہ اس زمانہ کی کوئی تخصیص ہے، (بلکہ پوری امت کے لئے آپؐ کی حیات طیبہ کو ہر اعتبار سے بہترین نمونہ قرار دیا ہے)۔

اتباع رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مراتب

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اسوۂ حسنہ کی پیروی کرنے کے مختلف درجے اور مرتبے ہیں:

① احکام شرعیہ سے متعلق۔

② اوامر نواہی اور امور دینیہ سے متعلق۔

③ اقوال وافعال کا مرتبہ اور ہے۔

④ اور آپ کے مکارم اخلاق، خصائل حمیدہ، شمائل پسندیدہ، عادت وسیرت، معیشت ومعاشرت میں آپ کے پسندیدہ امر اور میلانات ورجحانات میں پیروی کرنے کا مرتبہ اور ہے۔

مگر ان تمام امور میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مکمل پیروی وہی شخص کرسکتا ہے جس کا مطلوب ومقصود آخرت کی نعمتیں ہوں، نہ دنیا کی نعمتیں اور آسائشیں اور اس کی نیت اس پیروی سے قرب خداوندی اور رضاء الٰہی حاصل کرنا ہو، سوائے ان امور کے جن میں کسی قطعی دلیل سے یہ ثابت ہو کہ یہ امور آپ کے ساتھ خاص ہیں، یا آپ کی تعلیمات اور احادیث میں امت کے لئے ان امور میں جداگانہ اور مستقل احکام شرعیہ موجود ہوں۔ (تو ان امور خاصہ میں آپ کی پیروی کسی کے لئے بھی جائز نہ ہوگی)۔

اس بات کا ثبوت کہ یہ آیت کریمہ عام ہے، اور ہر چیز میں آپ کی پیروی مطلوب ہے، یہ ہے کہ امت کے بہت بڑے عالم اور ترجمان القرآن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے چچازاد

بھائی حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ نے اس آیت کریمہ کا یہی مطلب سمجھا اور بتلایا ہے، چنانچہ امام بخاریؒ نے صحیح بخاری میں "باب الجهر بالقرأة في صلوة الفجر" کے تحت ابن عباسؓ کا حسب ذیل اثر نقل کیا ہے:

"عن ابن عباس قال: قرأ النبي ﷺ، فيما امر و سكت فيما امر و ما كان ربك نسيًّا و لقدكان لكم في رسول الله اسوة حسنة"

[صحیح بخاری، ج:۱ ص:۱۰٦]

ترجمہ: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے انہوں نے کہا جس نماز میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو (قرآن زور سے) پڑھنے کا حکم دیا گیا تھا اس میں آپ نے (زور سے) پڑھا اور جس میں آہستہ پڑھنے کا حکم دیا تھا اس میں آہستہ پڑھا، اور (اے نبی!) تیرا رب تجھ سے غافل نہیں رہا، اور بخدا! تمہارے لئے تو رسول اللہ کی زندگی میں یہ بہترین نمونہ ہے۔

ذرا دیکھئے! کس خوبی سے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما ہر چیز میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سیرت کی پیروی پر استدلال کرتے ہیں، اور کس طرح آپ کے ہر امر و نہی کو اور نماز میں بلند آواز سے یا آہستہ قرآن پڑھنے کو اللہ جل ذکرہ کی جانب سے قرار دیتے ہیں، اور آیت کریمہ ﴿وماكان ربك نسيا﴾ سے اس پر استدلال کرتے ہیں (کہ اللہ تعالیٰ آپ کی کسی بھی چیز سے غافل نہیں ہے) اور پھر اس کی تائید ﴿لقدكان لكم في رسول الله اسوة حسنة﴾ سے پیش کرتے ہیں، (کہ اللہ جل ذکرہ نے تو آپ کی ہستی کو امت کے لئے بہترین نمونہ قرار دیا ہے، پھر وہ آپ کی کسی بھی چیز سے غافل کیسے رہ سکتے ہیں؟) یہ ہے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اور دیگر جلیل القدر صحابہ کرامؓ کی فہم قرآن۔

اللہ جل شانہ کا ارشاد ہے:

﴿وما اتاكم الرسول فخذوه ومانهاكم عنه فانتهوا واتقوا الله ان الله شديدالعقاب﴾ [الحشر:۷]

ترجمہ: اور جو تم کو رسول دے اس کو لے لو اور جس سے منع کرے اس کو چھوڑ دو اور

اللہ سے ڈرتے رہو بیشک اللہ کا عذاب بہت سخت ہے۔

یہ آیت کریمہ رسول اللہ ﷺ کے تمام تر اوامر ونواہی اور احکام کی اطاعت وپیروی کے واجب ہونے پر محیط، حاوی اور عام ہے، چنانچہ اس آیت کے بموجب آپ کے ہر حکم کی (امر ہو یا نہی) اطاعت امت پر واجب ہے، اور جو بھی احکام آپ اپنے رب کے پاس سے لیکر آئے ان کی پیروی کرنا امت پر فرض ہے، اس آیت کریمہ کو ''مال غنیمت'' اور ''مال فئی'' کی تقسیم (دینے یا نہ دینے) کے ساتھ صرف اس بنیاد پر مخصوص قرار دینا کہ یہ آیت مال غنیمت اور مال فئی کی تقسیم کے موقعہ پر نازل ہوئی ہے رسوا کن جہالت یا کھلی ہوئی گمراہی و کجراہی کا نتیجہ ہے۔ تمام صحابہ کرامؓ نے جن کے سامنے یہ آیت اتری ہے اس آیت کریمہ کو آپ کے جملہ احکام شرعیہ (اوامر ونواہی اور تمام ماجاء بہ الرسول) کے لئے عام سمجھا ہے اور اسی آیت کریمہ سے مختلف مواقع پر بہت سی حدیثوں کے حجت ہونے پر استدلال کیا ہے۔

علاوہ ازیں علماء امت کا اس پر اجماع واتفاق ہے کہ کسی آیت کے کسی خاص واقعہ اور موقعہ پر نازل ہونے کے یہ معنی نہیں ہوتے کہ وہ آیت اور اس کا حکم اسی واقعہ اور موقعہ کے ساتھ خاص ہے، بلکہ آیت اور اس کا حکم اپنے عموم پر باقی رہتا ہے اور وہ واقعہ یا موقعہ اس آیت کے مصادیق میں سے ایک مصداق ہوتا ہے، علماء امت اس مفہوم کو ذیل کے فقرہ سے ادا کیا کرتے ہیں:

"العبرة لعموم اللفظ لا لخصوص المورد"

ترجمہ: اعتبار لفظوں کے عموم کا ہوتا ہے نہ کہ کسی خاص موقعہ اور محل کا۔

اس آیت کریمہ کے رسول کے لائے ہوئے تمام احکام پر حاوی ہونے کا قرینہ یہ ہے کہ آیت کے دوسرے جزو میں اللہ پاک ارشاد فرماتے ہیں: ﴿و ما نهاكم عنه فانتهوا﴾ لہذا "مانہاکم" کے لفظ سے معلوم ہوا کہ پہلے جزو میں "ماآتاکم" کے معنی ہیں "ما امرکم" نہ کہ "مااعطاکم" اس لئے کہ ''نہی'' کا مقابل ''امر'' ہے نہ کہ ''اعطا'' تاکہ اس آیت کریمہ کے تحت رسول علیہ الصلوۃ والسلام کے لائے ہوئے تمام احکام شرعیہ

(اوامر ہوں یا نواہی) داخل ہو جائیں، اور ان سب کی اطاعت و پیروی امت پر فرض ہو جائے اور اسی تاکید و تائید کی غرض سے ارشاد فرمایا:﴿ واتقوا الله ان الله شديد العقاب ﴾ اور اشارہ کر دیا کہ رسول کی مخالفت اللہ کی مخالفت ہے اور اللہ کے شدید عذاب کا موجب ہے اس لئے اللہ سے ڈرتے رہو۔

بہر حال اللہ جل شانہ نے اس آیت کریمہ میں "ما آتاکم" کے مقابل "ما نہاکم" فرمایا تا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لائے ہوئے تمام احکام اس آیت کے تحت آجائیں جن میں سے ایک حکم مال غنیمت کی تقسیم بھی ہے اسے بھی بے چون و چرا تسلیم کرلیں۔

اگر یہ آیت کریمہ صرف مال غنیمت کی تقسیم کو قبول کرنے سے متعلق ہوتی اور مقصد یہ بیان کرنا ہوتا کہ جتنا اور جس قدر مال آپ دیں یا نہ دیں اسے بے چون و چرا قبول کرو تو اس کی واضح اور صریح تعبیر "مااعطاکم" اور "مامنعکم" ہوتی، نہ کہ "ما آتاکم" اور "مانہاکم"۔

غرض "اتی" کے مقابلہ پر "نہی" کا لانا اس امر کی دلیل ہے کہ "آتاکم" کے معنی "امرکم" کے ہی ہیں (اس لئے کہ نہی کے مقابلہ پر امر ہی آتا ہے) اور چونکہ نہی تحریم کے لئے مفید ہوتی ہے، اس لئے امر وجوب اور فرضیت کے لئے مفید ہونا چاہیئے، لہذا یہ آیت کریمہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے منصب تشریع احکام کی قطعی اور یقینی دلیل ہے کہ آپ کو کسی بھی کام کا حکم دینے کا بھی اختیار ہے اور کسی بھی کام سے روکنے اور منع کر دینے کا بھی اختیار ہے، اس لئے کہ آپ اپنی طرف سے اور اپنی خواہش سے نہ کسی کام کا حکم دیتے ہیں نہ ہی اپنی خواہش سے اور اپنی طرف سے کسی کام سے منع کرتے ہیں، جو کرتے ہیں اللہ کے حکم سے کرتے ہیں، اسی لئے اللہ جل جلالہ نے آپ کے "محصول القول" ہونے کی شہادت ذیل کے الفاظ میں دی ہے:

﴿ وماينطق عن الهوى ان هو الا وحى يوحى ﴾ [النجم:٣،٤]

ترجمہ: اور وہ نہیں بولتا (اپنی خواہش) سے، وہ تو جو بولتا ہے وہ وحی ہوتی ہے جو اس کے پاس بھیجی گئی ہوتی ہے۔

اس آیت کے متعلق یہ کہنا بھی رسوا کن جہالت کا نتیجہ ہے کہ عربی میں "ایتاء" کا لفظ حسی اور مادی چیزیں دینے کے ساتھ مخصوص ہے (یعنی کسی مادی اور حسی چیز کے دینے کو ہی "ایتاء" کہتے ہیں) اس لئے کہ خود قرآن عزیز میں "ایتاء" کا لفظ معنوی امور یعنی علوم ومعارف اور حقائق ومعانی کے دینے کے لئے استعمال ہوا ہے، چنانچہ اللہ تعالیٰ نے حضرت عیسی علیہ الصلوۃ والسلام کے متعلق فرمایا ہے: ﴿وأتانی الکتاب﴾ اور حضرت خضر علیہ السلام کے متعلق ارشاد ہے: ﴿وعلمناہ من لدنا علما﴾ اسی طرح ارشاد ہے: ﴿وأتیناہ الحکمۃ﴾۔

باب پنجم

مخالفت رسول اور قرآن

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نافرمانی پر وعید وسزا

اللہ رب العالمین کا ارشاد ہے:

۱-﴿وَمَنْ يَّعْصِ اللهَ وَرَسُوْلَهٗ وَ يَتَعَدَّ حُدُوْدَهٗ يُدْخِلْهُ نَارًا خَالِدًا فِيْهَا وَلَهٗ عَذَابٌ مُّهِيْنٌ﴾ [النساء:١٤]

ترجمہ: اور جس نے اللہ اور اس کے رسول کی نافرمانی کی اور اس کی (قائم کردہ) حدوں سے تجاوز کیا اس کو اللہ ضرور داخل کرے گا (جہنم کی) آگ میں، جو ہمیشہ ہمیشہ اس میں رہے گا اور اس کے لئے رسوا کن عذاب (مقرر) ہے۔

اس آیت کریمہ سے ثابت ہوتا ہے کہ رسول کی نافرمانی خود ایک مستقل جرم ہے، جس کی بنا پر نافرمانی کرنے والا ایسے ہی سزا اور عذاب کا مستحق ہے، جیسے اللہ کی نافرمانی کرنے والا، اس لئے کہ اگر رسول کی نافرمانی اللہ کی نافرمانی کے علاوہ کوئی مستقل اور جداگانہ چیز نہ ہو تو "ورسولہ" کا کلمہ ذکر فرمانے کے کوئی معنی نہیں رہتے اور اللہ کے کلام میں "ورسولہ" کا ذکر عبث اور بے مصرف ہو جاتا ہے، حالانکہ علیم وحکیم رب العالمین کا کلام اس سے بہت اعلیٰ وارفع اور برتر و پاک تر ہے کہ وہ بے معنی اور بھرتی کے الفاظ وکلمات پر مشتمل ہو، اس کی شان تو اس قدر برتر وبلند تر ہے کہ اس کے متعلق اس قسم کا وہم وگمان بھی نہیں کیا جاسکتا۔

علاوہ ازیں جب کہ قطعی اور یقینی دلائل سے رسول کا مستقل طور پر ''مطاع'' (واجب الاطاعت) اور مفروض الطاعت ہونا ثابت ہو چکا تو لازمی طور پر اس کی نافرمانی بھی مستقل جرم اور اللہ کی ناراضگی اور رسوا کن عذاب کا موجب ہونی چاہئے۔

اللہ جل شانہ رسول کی نافرمانی کرنے والے کافروں کا حشر اور انجام بیان فرماتے ہیں:

۲-﴿يَوْمَئِذٍ يَوَدُّالَّذِينَ كَفَرُوْا وَعَصَوُا الرَّسُوْلَ لَوْتُسَوى بِهِمُ الْاَرْض وَلَايَكْتُمُوْنَ اللهَ حَدِيْثاً﴾ [النساء:٤٢]

ترجمہ: اس (قیامت کے) دن آرزو کریں گے وہ لوگ جنہوں نے کفر کو اختیار کیا تھا اور رسول کی نافرمانی کی تھی کہ کاش ان کو زمین میں برابر کر دیا جائے (خاک میں ملا دیا جائے) اور نہ چھپا سکیں گے اللہ سے کوئی بات۔

اس آیت کریمہ سے معلوم ہوا کہ رسول کی نافرمانی بجائے خود موجب کفر ہے اور اس کا انجام یہ ہے کہ وہ نافرمان کافر خاک میں ملکر خاک ہوجانے کی تمنا کرے گا۔

اللہ جل شانہ اپنے رسول علیہ الصلوۃ والسلام کو نافرمانوں سے بے تعلقی کا اعلان کرنے کا حکم دیتے ہیں:

۳-﴿فَاِنْ عَصَوْكَ فَقُلْ اِنِّیْ بَرِیءٌ مِّمَّاتَعْمَلُوْن﴾ [الشعراء:٢١٦]

ترجمہ: پس اگر وہ تمہارا حکم نہ مانیں تو کہدا کہ جو تم کر رہے ہو اس سے میں بری ہوں (میرا اس سے کوئی تعلق نہیں)۔

اس آیت کریمہ سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نافرمانی کرنے والوں سے برأت اور بے تعلقی کا اعلان کر دینے کے مامور ہیں، گویا آپ کا ان سے کوئی تعلق نہیں، بالفاظ دیگر وہ امت محمدیہ سے خارج اور کافر ہیں۔

اسی طرح رسول کی نافرمانی کے کھلی ہوئی گمراہی کا موجب ہونے کا اعلان فرماتے ہیں:

٤-﴿وَمَنْ يَّعْصِ اللهَ وَرَسُوْلَهٗ فَقَدْضَلَّ ضَلَالًا مُّبِيْنًا﴾

[الاحزاب:٣٦]

ترجمہ: اور جس نے اللہ کا اور اس کے رسول کا حکم نہ مانا تو وہ کھلی گمراہی میں پڑ گیا۔

اسی طرح رسول کی نافرمانی سے باز نہ آنے والوں کے متعلق ارشاد ہے:

٥-﴿اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ نُهُوْا عَنِ النَّجْوٰى ثُمَّ يَعُوْدُوْنَ لِمَا نُهُوْا عَنْهُ وَيَتَنَاجَوْنَ بِالْاِثْمِ وَالْعُدْوَانِ وَمَعْصِيَةِ الرَّسُوْلِ (الى قوله تعالىٰ) حَسْبُهُمْ جَهَنَّمُ يَصْلَوْنَهَا وَبِئْسَ الْمَصِيْرُ﴾ [المجادلة:٨]

ترجمہ: کیا تم نے دیکھا نہیں ان لوگوں کو جنہیں کانا پھوسی کرنے سے منع کیا گیا، (اس کے باوجود) پھر وہ وہی (کانا پھوسی) کرتے ہیں جس سے منع کیا گیا ہے، اور چپکے چپکے باتیں کرتے ہیں، گناہ کی اور ظلم وتعدی کی، اور رسول کی نافرمانی کی۔۔۔۔ جہنم ان کے لئے بہت کافی ہے، وہ اس میں ضرور داخل ہوں گے، سو وہ بڑی ہی بری جگہ ہے۔

اہل ایمان کو ان نافرمانوں کا طرز عمل اختیار کرنے سے بچنے کی ہدایت:

٦-﴿يٰاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا اِذَا تَنَاجَيْتُمْ فَلَا تَتَنَاجَوْا بِالْاِثْمِ وَالْعُدْوَانِ وَمَعْصِيَةِ الرَّسُوْلِ وَتَنَاجَوْا بِالْبِرِّ وَالتَّقْوٰى﴾ [المجادلة:٩]

ترجمہ: اے ایمان والو! جب تم کان میں بات کرو تو گناہ کی، ظلم وتعدی کی، رسول کی نافرمانی کی باتیں مت کرو، ہاں! کان میں بات کرو نیکی کی اور پرہیزگاری کی۔

ان دونوں آیتوں میں معصیت رسول کو "اثم وعدوان" سے علیحدہ ایک مستقل جرم کے طور پر بیان فرمانا، اور اس پر وعید اور سزا کا مرتب کرنا اس امر کی دلیل ہے کہ رسول کی نافرمانی بذات خود ایک مستقل اور لائق سزا جرم ہے، اس لئے کہ رسول علیہ الصلوۃ والسلام کی اطاعت بجائے خود فرض ہے۔

عورتوں سے بیعت لینے کے وقت خاص طور پر رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی نافرمانی سے بچنے پر بیعت لینے کی ہدایت:

٧-﴿وَلَا يَعْصِيْنَكَ فِيْ مَعْرُوْفٍ﴾ [الممتحنة:١٢]

ترجمہ: اور وہ تمہاری نافرمانی نہ کریں بھلے کاموں میں۔

یہ آیت کریمہ اس امر کی دلیل ہے کہ رسول کی اطاعت کی جاتی ہے نافرمانی ہرگز نہیں کی جاتی (مرد ہوں یا عورتیں رسول کی اطاعت سب پر فرض ہے) اور چونکہ رسول کا ہر حکم معروف ہی ہوتا ہے اس لئے آپ کے حکم کو نہ ماننا ایک امر معروف کو نہ ماننے کے مرادف اور جرم ہے، اسی تصریح کی غرض سے "فی معروف" کا اضافہ فرمایا ہے۔

حضرت نوح علیہ الصلوۃ والسلام رب العالمین کے سامنے اپنی مجبوری کا اظہار اور قوم کی سرکشی کا شکوہ ان الفاظ میں پیش کرتے ہیں:

٨- ﴿رَبِّ اِنَّهُمْ عَصَوْنِيْ وَاتَّبَعُوْا مَنْ لَّمْ يَزِدْهُ مَالُهٗ وَوَلَدُهٗٓ اِلَّا خَسَارًا﴾ [النوح:٢١]

ترجمہ: اے میرے پروردگار! تحقیق انہوں نے میری نافرمانی کی ہے اور ان لوگوں کی پیروی کی ہے جن کے اموال واولاد سراسر خسارہ اور ٹوٹے کا موجب ہیں۔

اس آیت کریمہ میں حضرت نوح علیہ الصلوۃ والسلام سب سے پہلے قوم کی نافرمانی وسرکشی کا ذکر کرتے ہیں گویا تمام تر گمراہیوں کا اصل سبب رسول کی نافرمانی ہے۔

یہ آٹھ آیتیں اس امر کی قطعی دلیل ہیں کہ رسول کی اطاعت فرض ہے اس کی نافرمانی کھلی ہوئی گمراہی ہے، اور کھلے ہوئے خسارے یعنی جہنم میں جانے اور جبار وقہار پروردگار کے قہر وغضب کا نشانہ بننے کا موجب ہے، لہذا ایسے لوگوں کا انجام بھی بدترین اور ٹھکانہ بھی بدترین ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مخالفت پر مزید وعیدیں

اللہ جل جلالہ اپنے رسول کی مخالفت کرنے والوں کو تنبیہ فرماتے ہیں: ارشاد ہے:

١- ﴿فَلْيَحْذَرِ الَّذِيْنَ يُخَالِفُوْنَ عَنْ اَمْرِهٖٓ اَنْ تُصِيْبَهُمْ فِتْنَةٌ اَوْ يُصِيْبَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ﴾ [النور:٦٢]

ترجمہ: پس ڈرتے رہنا چاہئے ان لوگوں کو جو اس (رسول) کے حکم کا خلاف کرتے

ہیں اس سے کہ ان پر آپڑے کوئی مصیبت یا آ پکڑے ان کو دردناک عذاب۔

یہ آیت کریمہ صریح دلیل ہے اس امر کی کہ رسول اللہ ﷺ کی مخالفت دردناک عذاب کا موجب ہے، اور رسول کی مخالفت کے معنی اس کے اقوال و افعال اور اس کی سنتوں کی مخالفت کے سوا اور کیا ہو سکتے ہیں؟ اگر یہ وعید قرآن کی مخالفت پر مرتب ہوتی تو اس کی تعبیر تو "یخالفون عن امر اللہ" کے الفاظ سے ہونی چاہئے تھی، نہ کہ "یخالفون عن امرہ" کے الفاظ سے، اس لئے کہ یہ ضمیر یقیناً رسول کی طرف راجع ہے جس کا ذکر اسی آیت سے پہلے آیا ہے (بالفاظ دیگر قرآن کی مخالفت اللہ کے حکم کی مخالفت ہے اور رسول کی مخالفت اس کے اقوال و افعال اور سنن کی یعنی حدیث کی مخالفت ہے، اور اس آیت کریمہ میں رسول کی مخالفت کو عذاب الیم کا موجب بتلایا ہے، لہٰذا اس مخالفت سے رسول اللہ ﷺ کی سنت و حدیث کی مخالفت ہی مراد ہو سکتی ہے، اور وہی عذاب الیم کا موجب ہے)۔

اللہ جل جلالہ فرماتے ہیں:

۲-﴿ذٰلِكَ بِأَنَّهُمْ شَاقُّوا اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَمَنْ يُّشَاقِّ اللّٰهَ فَإِنَّ اللّٰهَ شَدِيْدُ الْعِقَابِ﴾　　[الحشر:٤]

ترجمہ: یہ (تباہی ان پر آئی) اس لئے کہ انہوں نے اللہ اور اس کے رسول کی مخالفت (اور دشمنی) اختیار کی تھی، اور جو کوئی اللہ کا مخالف (اور دشمن) ہوگا تو (یاد رکھو) اللہ کا عذاب بڑا سخت ہے۔

"مشاقة" اس مخالفت کو کہتے ہیں جو عداوت پر مبنی ہو، گویا شدید ترین دشمنی پر مبنی مخالفت کا نام "مشاقة" ہے۔

یہ آیت کریمہ صراحتاً اس امر کی دلیل ہے کہ رسول کی مخالفت و عداوت اللہ کی مخالفت و عداوت ہے، اور اللہ کی مخالفت (عداوت) رسول کی مخالفت و عداوت ہے، اس لحاظ سے رسول اللہ ﷺ کے اقوال و افعال اور اخلاق و خصائل سے مشاقت یعنی عداوت و دشمنی بھی اللہ کی مخالفت کی طرح شدید جرم ہے اور اس کا ارتکاب کرنے والا شدید ترین عذاب کا

مستحق ہے۔

اس آیت کریمہ کے مانند آیت کریمہ ذیل بھی ہے:

۳-﴿ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ شَاقُّوا اللهَ وَرَسُوْلَهٗ وَمَنْ يُّشَاقِقِ اللهَ وَرَسُوْلَهٗ فَاِنَّ اللهَ شَدِيْدُ الْعِقَابِ﴾ [الانفال:۱۳]

ترجمہ: یہ اس لئے ہے کہ ان مشرکین نے اللہ اور اس کے رسول سے (عداوت و مخالفت کی ہے، اور جو کوئی اللہ اور اس کے رسول سے مخالفت (وعداوت) رکھے گا تو (یاد رکھو) اللہ کا عذاب بڑا سخت ہے۔

اسی طرح بلکہ اس سے زیادہ واضح آیت کریمہ ذیل ہے:

٤-﴿وَمَنْ يُّشَاقِقِ الرَّسُوْلَ مِنْ بَعْدِ مَاتَبَيَّنَ لَهُ الْهُدٰى وَ يَتَّبِعْ غَيْرَ سَبِيْلِ الْمُؤْمِنِيْنَ نُوَلِّهٖ مَا تَوَلّٰى وَنُصْلِهٖ جَهَنَّمَ وَسَائَتْ مَصِيْرًا﴾

[النساء:۱۵۱]

ترجمہ: اور جو کوئی رسول کی مخالفت کرے (اور عداوت رکھے) اس کے بعد کہ واضح ہو چکی اس پر سیدھی راہ اور اختیار کرے سب مسلمانوں کے برخلاف راستہ تو ہم اس کو اسی راہ پر چھوڑ دیں گے جو اس نے اختیار کی اور (پھر) اس کو جہنم میں داخل کر دیں گے اور وہ بہت ہی بری جگہ ہے۔

سابقہ دونوں آیتوں کی بہ نسبت اس آیت کریمہ میں مزید اس امر کی تصریح ہے کہ اس مخالفت رسول کا کوئی بھی مومن ہرگز مرتکب نہیں ہوسکتا، نیز یہ کہ حق یعنی وجوب اطاعت رسول ظاہر ہوجانے کے بعد یہ مخالفت رسول مومنین کا مسلک کبھی نہیں ہوسکتا، یہ تو ایمان سے محروم لوگوں یعنی منکرین حدیث ہی کا مسلک ہے، نیز اس امر کی طرف بھی اشارہ ہے کہ رسول کے اتباع پر تمام اہل ایمان کا اجماع ہے، یعنی اس کے اقوال وافعال کی مخالفت بالاجماع باطل اور حرام ہے، جیسا کہ اس آیت کریمہ میں اجماع کے حجت شرعیہ ہونے کی طرف بھی اشارہ ہے، چنانچہ تمام علماء اصول قرآن کریم سے اجماع کی حجیت کے ثبوت میں اسی آیت

کریمہ کو پیش کرتے ہیں، اور امام شافعیؒ تو پہلے شخص ہیں جنہوں نے قرآن کریم سے حجیت اجماع پر اسی آیت کریمہ سے استدلال کیا ہے۔

مخالفت وعداوت رسول کے مہلک نتائج کے سلسلہ میں اللہ رب العالمین فرماتے ہیں:

۵-﴿اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَصَدُّوْا عَنْ سَبِيْلِ اللهِ وَشَاقُّوا الرَّسُوْلَ مِنْ بَعْدِ مَاتَبَيَّنَ لَهُمُ الْهُدٰى لَنْ يَّضُرُّوا اللهَ شَيْئًا وَسَيُحْبِطُ اَعْمَالَهُمْ﴾

[محمد:۳۲]

ترجمہ: بیشک جن لوگوں نے (خود بھی) کفر کو اختیار کیا اور لوگوں کو (بھی) اللہ کی راہ سے باز رکھا اور مخالف (ودشمن) ہو گئے رسول کے، اس کے بعد کہ واضح ہو چکی ان پر سیدھی راہ، وہ اللہ کا کچھ نہیں بگاڑ سکیں گے، ان کے اعمال کو اللہ ضرور برباد کر دے گا۔

سابقہ آیات کی طرح یہ آیت کریمہ بھی اس امر کی روشن اور واضح دلیل ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مخالفت کافروں اور خدا کے دشمنوں کا شیوہ ہے، اعمال کے برباد ہونے کا موجب ہے، اہل ایمان کے مسلک کو چھوڑ کر غیر مسلموں کی پیروی کے مرادف ہے، اور اس کی سزا جہنم اور اس کا عذاب شدید ہے، اس آیت کریمہ میں بھی صرف مخالفت وعداوت رسول کا ذکر ہے۔

اسی سلسلہ میں اللہ جل شانہ ارشاد فرماتے ہیں:

۶-﴿اَلَمْ يَعْلَمُوْا اَنَّهٗ مَنْ يُّحَادِدِ اللهَ وَرَسُوْلَهٗ فَاَنَّ لَهٗ نَارَ جَهَنَّمَ خَالِدًا فِيْهَا ذٰلِكَ الْخِزْيُ الْعَظِيْمُ﴾ [التوبة:۶۳]

ترجمہ: کیا وہ جان نہیں چکے کہ جو کوئی اللہ اور اس کے رسول کا مخالف (اور دشمن) ہو تو اس کے لئے دوزخ کی آگ (ٹھکانہ) ہے، سدا رہے اس میں، یہی ہے عظیم رسوائی اور خواری۔

"محادة" کے معنی ہیں حد سے تجاوز، مخالفت اور دشمنی، اس لحاظ سے "محادة"، "مشاقة" سے بڑھ کر ہے، اس لئے اس کی سزا عظیم تر رسوائی بیان فرمائی ہے۔

اللہ جل شانہ رضائے رسول کی اہمیت کو ظاہر کرنے کی غرض سے ارشاد فرماتے ہیں:

۷-﴿وَاللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ اَحَقُّ اَنْ یُّرْضُوْهُ اِنْ كَانُوْا مُؤْمِنِیْنَ﴾

[التوبة:٦٢]

ترجمہ: اور اللہ اور اس کے رسول کا حق ہے کہ وہ اس کو راضی کریں اگر (واقعی) وہ مومن ہیں۔

یہ آیت کریمہ بتلاتی ہے کہ امت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو راضی کرنے اور راضی رکھنے کی مامور ہے، اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس شخص سے بھلا کیسے راضی اور خوش ہو سکتے ہیں جو آپ کی (سنت اور حدیث کی) مخالفت اور نافرمانی کا مرتکب ہو؟ اور کیا یہ ممکن ہے آپ کسی شخص کو کسی کام یا چیز کا حکم دیں اور وہ اس کی مخالفت اور نافرمانی کرے اور آپ اس سے راضی اور خوش ہوں؟ ناممکن، قطعاً ناممکن ہے۔

اللہ جل شانہ رسول کی نافرمانی کو اللہ اور رسول کی خیانت قرار دیتے ہیں، ارشاد ہے:

۸-﴿یٰاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَخُوْنُوا اللّٰهَ وَالرَّسُوْلَ وَتَخُوْنُوْا اَمَانَاتِكُمْ وَ اَنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ﴾

[الانفال:٢٧]

ترجمہ: اے ایمان والو! اللہ اور رسول کی خیانت (نافرمانی) مت کرو اور اپنی امانتوں میں بھی خیانتیں نہ کرو جان بوجھ کر۔

اللہ اور اس کے رسول کی ''امانت'' یعنی وہ احکام شرعیہ الٰہیہ جو اللہ اور رسول کی جانب سے آئے ہیں، ان کو رد کر دینے اور ٹھکرا دینے سے بڑھ کر بھی کوئی خیانت ہو سکتی ہے؟ (اسی طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنن واحادیث بھی امانت ہیں ان کا انکار کر دینے سے بڑھ کر بھی کوئی خیانت نہیں ہو سکتی)۔

اللہ جل شانہ اپنے رسول کے مرتبہ اور مقام کا آیت کریمہ ذیل میں اظہار فرماتے ہیں، ارشاد ہے:

۹-﴿یٰاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تُقَدِّمُوْا بَیْنَ یَدَیِ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ .....(الی) اِنَّ اللّٰهَ سَمِیْعٌ عَلِیْمٌ﴾

[الحجرات:١]

ترجمہ: اے ایمان والو! اللہ اور اس کے رسول کے سامنے آگے مت بڑھو بیشک اللہ (سب کچھ) سننے جاننے والا ہے۔

ترجمان القرآن حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما اس تقدم کا مصداق اور آیت کریمہ کی تفسیر ذیل کے الفاظ میں فرماتے ہیں:

"لا تقولوا خلاف الكتاب والسنة"

ترجمہ: قرآن اور حدیث کے خلاف کوئی بات مت کہو۔

حافظ ابن قیمؒ نے "اعلام الموقعین" (صفحہ: ۱۸ / پر) حضرت ابن عباسؓ سے یہ تفسیر نقل کی ہے:

"یعنی اللہ اور اس کے رسول کے سامنے پیش قدمی کرنے اور بڑھ کر بولنے کے معنی ہیں کتاب وسنت اور قرآن وحدیث کے خلاف بات کہنا"۔

بالفاظ دیگر خدا اور اس کے رسول کے سامنے بڑھ کر بولنے کا اصلی مصداق کتاب و سنت کو رد کرنا، اور اس کے مقابلہ میں اپنی طرف سے بات کہنا ہے، تو جیسے کتاب اللہ کو رد کرنا کفر ہے ایسے ہی سنت رسول اللہ کو رد کرنا بھی کفر ہوگا۔

اسی سلسلہ میں ارشاد ہے:

۱۰ - ﴿يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَرْفَعُوْٓا اَصْوَاتَكُمْ فَوْقَ صَوْتِ النَّبِيِّ وَلَا تَجْهَرُوْا لَهٗ بِالْقَوْلِ كَجَهْرِ بَعْضِكُمْ لِبَعْضٍ﴾ [الحجرات:۲]

ترجمہ: اے ایمان والو! تم بلند نہ کرو اپنی آوازیں نبی کی آواز کے اوپر، اور نہ نبی سے تڑخ کر بات کرو، جیسے تم ایک دوسرے سے تڑخ کر بات کرتے ہو۔

یہ آیت کریمہ نبی علیہ الصلوۃ والسلام کے اقوال وافعال کی پیروی کے واجب ہونے کی نہایت واضح دلیل ہے، اس لئے کہ جب نبی علیہ الصلوۃ والسلام کی آواز سے زیادہ بلند آواز سے بولنا گستاخی و بے ادبی اور اعمال کے برباد ہونے کا موجب ہے تو آپ کی سنت و حدیث اور اوامر ونواہی کا سرے سے انکار کر دینا ایمان واعمال صالحہ کے برباد کر دینے کا

موجب کیسے نہ ہوگا؟ (کہ اسلام کے دائرہ سے خارج اور کافر ہو جانے کا موجب ہوگا)

اللہ جل شانہ ارشاد فرماتے ہیں:

۱۱-﴿وَلَا يُحَرِّمُوْنَ مَا حَرَّمَ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ﴾ [التوبة:۲۹]

ترجمہ: اور ان چیزوں کو حرام نہیں مانتے جن کو اللہ اور اس کے رسول نے حرام کیا ہے۔

یہ آیت کریمہ اس امر کی قطعی دلیل ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی تحریم و تحلیل اشیا (چیزوں کو حرام یا حلال قرار دینے) کا اور احکام شرعیہ نافذ کرنے کا اختیار حاصل ہے، جیسے کہ دوسری آیات سے صراحتاً ثابت ہو چکا ہے۔

باب ششم

حدیث نبوی اور قرآن کریم

قرآن کریم تمام علوم کا جامع ہے

ہم قبل ازیں قرآن کریم کی وہ آیات بینات پیش کر چکے ہیں، جن میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی احادیث کے حجت شرعیہ ہونے پر قطعی دلائل آئے ہیں، یہ آیات اگر کسی مجنون پر پڑھی جائیں تو اسے جنون سے افاقہ ہوجائے، مگر دیوانوں کی یہ جماعت دائمی جنون میں مستغرق، اور کفر وعناد اور جہالت وغفلت کی آخری حد سے تجاوز کر چکی ہے، اس لئے اس مرض سے ان کے افاقہ کی توقع نہیں کی جاسکتی، تاہم ان کے ہاں کچھ وساوس وشبہات ہیں جن کے ذریعہ وہ ایسے سادہ لوح نادانوں کا شکار کرنے کے عادی ہیں جنہیں علم دین سے کوئی تعلق اور واسطہ نہیں، اس لئے جی چاہتا ہے ان شبہات کا بھی ازالہ کر دیا جائے، بتوفیق اللہ سبحانہ۔

اور سب سے پہلے ایک سیر حاصل بحث اس پر کرنا چاہتا ہوں کہ قرآن کریم حق تعالیٰ کا کلام قدیم ہے، جو تمام احکام وحِکَم اور علوم ومعارف پر محیط ہے، اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بیشتر ارشادات قرآن کریم ہی کی شرح وتفسیر ہیں، جن کے ادراک سے امت کی عقل وفہم قاصر تھی، مگر حق تعالیٰ نے ''رسول امت'' حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ''شرح صدر'' عطا فرمایا، جس سے آپ نے ان علوم کا ادراک کیا، اسی طرح ائمہ مجتہدین کے تمام اقوال ان ''جوامع الکلم'' کی شرح وتفسیر ہیں، جو ''نبی امت'' اور ''نبی ائمہ'' نے ارشاد فرمائے ہیں، الغرض یہاں علوم پر علوم ہیں جن کا سرچشمہ (قرآن کریم) خشک نہیں ہو پاتا، اور افہام وافکار کا ایک طویل سلسلہ

ہے جواس سرچشمہ سے مسلسل سیراب ہوتا چلا آیا مگر اس کے عجائبات ختم ہوئے نہ ہوں گے، یہ ایک بحر عمیق ہے جسے ڈول گدلا نہیں کرتے، اور ایک ایسا دریائے ناپیدا کنار ہے جس کی حدود و نہایت کا سراغ آج تک نہیں ملا۔

البتہ یہاں کچھ ایسے علوم بھی ہیں جن کا فیضان حق تعالیٰ نے براہ راست اپنے رسول ''نبی امی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم'' کے قلب اطہر پر فرمایا ہے اور آپ کو ان علوم سے سرفراز فرمایا کہ:

"اعلم الاولین ولآخرین"

کا خطاب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہی کے حصہ میں آیا، ارشاد خداوندی ہے:

﴿وَعَلَّمَكَ مَالَمْ تَكُنْ تَعْلَم وَكَانَ فَضْلُ اللهِ عَلَيْكَ عَظِيْمًا﴾

[النساء:۱۱۳]

ترجمہ: اور آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کو وہ باتیں بتلائیں جو آپ نہ جانتے تھے، اور آپ پر اللہ تعالیٰ کا بڑا فضل ہے۔

محقق یمانیؒ اپنی کتاب "ایثار الحق علی الباطل" (ص:۱۱۴) میں فرماتے ہیں:

''اس میں شک نہیں کہ قرآن عظیم ہی وہ سب سے بڑی چیز ہے جس کے مطابق آپ نے فیصلہ کیا اور جس کی دعوت دی، بعد ازاں آپ کی سنت، جو درحقیقت قرآن ہی کی شرح وتفسیر ہے، چنانچہ نماز وزکوۃ، اور دیگر ارکان اسلام ومواریث وغیرہ کی تفصیلات میں امت نے اس پر اجماع کیا ہے''۔

وہ آگے چل کر مزید کہتے ہیں:

''اور اس کی مزید وضاحت دو طرح سے ہوتی ہے:

اول: یہ کہ ایمان واسلام کے ارکان کی تعداد اور ان کی صراحت ووضاحت کے سلسلہ میں صحیح، مشہور بلکہ متواتر احادیث وارد ہیں، اور صحابہ ؓ سے لیکر آج تک تمام امت نے ان کو قبول کیا ہے، اور ان کی روایت سلف سے خلف تک ہر دور میں طبقہ در طبقہ چلی آتی ہے، یہ احادیث نہایت وضاحت وجامعیت کے ساتھ

شرائط اسلام وایمان کی نشاندہی کرتی ہیں۔

دوم: یہ کہ اس امر پر امت کا اجماع منعقد ہے کہ جو شخص اس دین کی (جو تواتر اور بداہت کے ساتھ معلوم ہے) مخالفت کرے وہ کافر ہے، اور اگر ایسا شخص قبل ازیں اسلام میں داخل تھا تو مرتد اور دائرہ اسلام سے خارج ہے''۔

حافظ ابن قیمؒ نے ''اعلام الموقعین'' میں ذکر کیا ہے کہ امام احمدؒ نے ''اطاعت رسول'' کے موضوع پر ایک مستقل کتاب لکھی ہے، اور اس میں ان لوگوں کا رد کیا ہے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنتوں کے مقابلہ میں ظاہر قرآن سے استدلال کرتے ہیں، اور سنت کو چھوڑ دیتے ہیں، چنانچہ وہ (امام احمدؒ) اپنے خطبہ میں فرماتے ہیں:

''اللہ جل شانہ نے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو ہدایت اور دین حق دے کر بھیجا تا کہ اسے تمام دینوں پر غالب کردے، اگرچہ مشرکوں کو کتنا ہی ناگوار ہو، اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر اپنی کتاب نازل فرمائی، جو پیروی کرنے والوں کے لئے سراپا ہدایت اور نور مبین ہے، اور قرآن کریم کے ظاہر و باطن، خاص و عام اور ناسخ و منسوخ وغیرہ تمام مقاصد سے حق تعالیٰ کی جو حقیقی مراد ہے اس کی نشاندہی کا کام اپنے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے سپرد فرمایا، بنابریں رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہی کا یہ منصب ہے کہ آپ کتاب اللہ کی مراد اور اس کے معانی کی تعبیر و تشریح فرمائیں، اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے قول و عمل اور فعل و تقریر سے کتاب اللہ کی جو تشریح فرمائی اسے صحابہ کرامؓ نے، جنہیں اللہ نے اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی مقدس صحبت کے لئے چھانٹ کر منتخب کیا تھا، آنکھوں سے دیکھا اور ان تشریحات کو بعد کی امت کی طرف منتقل کیا، اس لئے یہ حضرات عینی شاہد کی حیثیت سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم (کی سنت و سیرت اور شرح و تفسیر) کے سب سے بڑے عالم اور مراد خداوندی کے سب سے بڑے دانا اور رمز شناس تھے، اس لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد وہی اس کے شارح و ترجمان تھے''۔

اور حافظ ابن قیمؒ ''کتاب الروح'' (ص: ۷۵، طبع دوم) میں لکھتے ہیں:

''اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر دو قسم کی وحی نازل فرمائی، اور دونوں پر ایمان وعمل کو واجب قرار دیا، اور وہ ہیں کتاب وحکمت۔

حق تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿وَاَنْزَلَ اللہ عَلَیْكَ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ﴾ [النساء:١١٣]

ترجمہ: اور اللہ تعالیٰ نے آپ پر کتاب اور حکمت نازل فرمائی۔

نیز ارشاد خداوندی ہے:

﴿هُوَالَّذِیْ بَعَثَ فِی الْاُمِّیِّیْنَ رَسُوْلًا مِّنْهُمْ یَتْلُوْا عَلَیْهِمْ اٰیَاتِهٖ وَ یُزَكِّیْهِمْ وَ یُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ﴾ [الجمعة:٢]

ترجمہ: اور وہی ہے جس نے ناخواندہ لوگوں میں ان ہی میں سے ایک پیغمبر بھیجا، جو ان کو اللہ کی آیتیں پڑھ پڑھ کر سناتے ہیں، اور ان کو پاک کرتے ہیں، اور ان کو کتاب اور حکمت سکھلاتے ہیں۔

نیز ارشاد ہے:

﴿وَاذْكُرْنَ مَایُتْلٰی فِیْ بُیُوْتِكُنَّ مِنْ اٰیَاتِ اللہِ وَالْحِكْمَةِ﴾

[الاحزاب:٣٤]

ترجمہ: اور تم ان آیات الٰہیہ اور حکمت کو یاد رکھو جس کا تمہارے گھروں میں چرچا رہتا ہے۔

باتفاق سلف "الکتاب" سے مراد قرآن ہے اور "الحکمة" سے مراد سنت نبوی، اور جس وحی کی خبر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ تعالیٰ کی جانب سے دی (یعنی حدیث) وہ بھی تصدیق وایمان کے واجب ہونے میں ٹھیک اس وحی کی مثل ہے جس کی خبر اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان مبارک سے دی (یعنی قرآن کی مثل) اور یہ اصول تمام اہل اسلام کا متفق علیہ ہے، اس کا انکار وہی کرسکتا ہے جو اہل اسلام میں داخل نہ ہو۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

"انی اوتیت القرآن و مثلہ معہ"

ترجمہ: مجھے قرآن دیا گیا ہے اور اس کی مثل اس کے ساتھ۔

اور صفحہ ۱۳۸ پر لکھتے ہیں:

"اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اپنی پناہ میں رکھا ہے، اس بات سے کہ آپ کی سنت، قرآن کریم کے نصوص کے معارض ہو، بلکہ وہ تو اس کی مؤید ہے، ان دونوں کے مابین تعارض کا گمان بدفہمی کی پیداوار ہے، اور یہ نہایت قبیح اور ناخوشگوار طریقہ ہے کہ جو کچھ ظاہر قرآن سے سمجھا جاتا ہو اس کے مقابلہ میں سنن ثابتہ کو رد کر دیا جائے، علم کامل یہ ہے کہ سنن کو قرآن پر منطبق کیا جائے کہ وہ قرآن ہی سے ماخوذ و مشتق ہیں، اور وہ قرآن کی شروح و بیان ہیں، اس کے معارض نہیں"۔

قرآن وحدیث کا باہمی فرق مراتب

گزشتہ اوراق میں عرض کیا جاچکا کہ "سنت" ہی درحقیقت تشریع کا سب سے پہلا سرچشمہ ہے اور اطاعت اور قبول احکام کی ساری عمارت "سنت" کے ستونوں پر قائم ہے، کیونکہ پورے دین کی بنیاد وحی آسمانی ہے، اسی پر نبوت وبعثت کا مدار ہے، اور وحی جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زبان مبارک سے بلاواسطہ سنی جائے تو خواہ وہ قرآن کی ہو یا حدیث کی، متلو ہو یا غیر متلو، بہرحال وہ قطعی طور پر واجب الاطاعۃ ہے، اس لئے وجوب اطاعت میں کتاب وسنت دونوں یکساں ہیں اور یہی منشا ہے، حضرت ابن عمرؓ کے ارشاد کا، جسے قاضی عیاضؒ نے "الشفا" میں بایں الفاظ نقل کیا ہے:

"صلوۃ السفر رکعتان فمن خالف السنۃ کفر"

ترجمہ: نماز سفر کی دو رکعتیں ہیں، پس جس نے سنت کی مخالفت کی وہ کافر ہو گیا۔

الغرض صحابہ کرامؓ کے لئے جنہوں نے براہ راست زبان نبوت سے اخذ کیا، دونوں قسم کی وحی یکساں طور پر قطعی تھی، مگر بعد کی امت کو قرآن وحدیث دونوں بطور نقل و روایت پہنچے، اور طریق نقل کی بنا پر دونوں کے مرتبہ میں تفاوت پیدا ہو گیا، چنانچہ قرآن کریم کی نقل و

روایت متواتر اور قطعی ہے جس میں کسی ادنی ریب وتردد کی گنجائش اور شک وشبہ کی مجال نہیں، اور ہر ہر حدیث کی نقل وروایت اس درجہ قطعی نہیں، بلکہ ظنی ہے، البتہ جو احادیث تواتر اصطلاحی کے ساتھ منقول ہیں وہ قطعی ہیں، تاہم مجموعی طور پر احادیث کو بھی درجہ قطعیت حاصل ہے، علاوہ ازیں قرآن کا ایک ایک جز تواتر طبقہ کے ساتھ منقول ہے،، اور یہ تواتر اسناد سے بڑھ کر ہے، حاصل یہ کہ احادیث کو چونکہ قطعیت کے بجائے ظنیت کا درجہ حاصل ہے، اس لئے انہیں قرآن کے بعد درجہ دوم حاصل ہوسکا، اور کبھی یوں خیال آتا ہے کہ حق تعالیٰ کا کسی حکم قرآن میں نازل کرنا اس کی قوت وشدت کی جانب اشارہ کرتا ہے، اور کسی حکم کو بطریق سنت نازل کرنا اس کی آسانی وخفت کی طرف مشیر ہے، بنابریں کتاب اللہ کے نصوص کو سنت کے نصوص پر ہر دور میں فوقیت حاصل رہتی ہے، بہرحال جب کوئی حکم کتاب اللہ میں صراحۃً موجود ہو تو سنت کی تلاش کی حاجت نہیں ہوگی، اور جب کتاب اللہ اس حکم سے خاموش ہو تو سنت کی طرف رجوع کیا جائے گا، حضرت معاذؓ کی حدیث مرفوع جو ابوداؤد اور ترمذی میں مروی ہے، اس اصول کی نشاندہی کرتی ہے، جس میں بتایا گیا ہے کہ سب سے پہلے کتاب اللہ سے فیصلہ کیا جائے گا، اگر اس میں وہ حکم صراحۃً موجود نہ ہو تو سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ، اور تمام امت نے اس اصول کو قبول کیا ہے، اس کی مزید تائید حضرت ابن مسعودؓ کی موقوف حدیث سے بھی ہوتی ہے، جو سنن نسائی میں اسی سیاق وترتیب سے مروی ہے، نیز حضرت عمرؓ کا ارشاد بھی اس کا مؤید ہے، انہوں نے قاضی شریحؒ کو لکھا تھا:

"انظر ما تبين لك في كتاب الله فلا تسأل عنه احداً، ومالم يتبين لك في كتاب الله فابتغ فيه سنة رسول الله ﷺ".

ترجمہ: دیکھو جو مسئلہ تمہارے سامنے واضح طور پر کتاب اللہ میں موجود ہو، اس کے بارے میں کسی سے دریافت نہ کرو، اور جو مسئلہ تمہارے سامنے واضح طور پر کتاب اللہ میں موجود نہ ہو اس کے لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کو تلاش کرو۔

صحابہؓ، تابعین اور فقہائے امت کا تعامل ہر دور میں اسی اصول پر رہا ہے، یہی وجہ

ہے کہ ان مسائل میں جو کتاب اللہ میں منصوص ہیں، امت کے درمیان بہت کم اختلاف ہوا، اِلا یہ کہ دلالت قطعی نہ ہو۔

قرآن وحدیث کا باہمی ربط

رہا یہ سوال کہ آیا حدیث کا تعلق قرآن کے ساتھ وہی ہے جو اجمال کے ساتھ تفصیل کا، اور مبیَّن کے ساتھ بیان کا ہوتا ہے؟ اور یہ کہ اس بیان کا مدار ہمیشہ وحی پر ہوتا ہے، یا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اجتہاد کو بھی اس میں دخل تھا؟ اگرچہ حق تعالیٰ کا اجتہاد نبوی کو برقرار رکھنا اسے بھی بمنزلہ وحی کے بنا دیتا ہے، یا یہ کہ کتاب اللہ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اقوال اور اوامر ونواہی کو حجت قرار دے کر واجب الاتباع قرار دیا؟ (یعنی سنت نبوی صرف قرآن کی شرح و تفسیر تک محدود نہیں، بلکہ بنص قرآن وہ مستقل حجت شرعیہ ہے) اس موضوع پر ''الموافقات'' (جلد ۳، ۴) میں امام محقق ''شاطبیؒ'' کا کلام نہایت متین اور تمام اقوال کا جامع ہے، ہم یہاں اس کا خلاصہ پیش کرتے ہیں:

''سنت بوجوہ چند ''کتاب'' ہی کی طرف راجع ہے۔

اول: یہ کہ وہ کتاب اللہ کے مجمل کی تفصیل، مشکل کی تفسیر اور اس کے مختصر کی توضیح کرتی ہے، اور یہ تفصیل وتوضیح کبھی باعتبار کیفیات عمل کے ہوتی ہے، یا باعتبار اس کے اسباب کے، یا باعتبار اس کی شرائط کے، یا اس کے موانع کے، یا اس کے لواحق کے، یا اس قسم کی اور چیزوں کے اعتبار سے، مثلاً سنت نے نمازوں کی تعداد، ان کے اوقات، رکوع وسجود اور دیگر احکام کو بیان فرمایا، اور زکوۃ کے باب میں ان امور کو بیان کیا: زکوۃ کی مقدار، ادائے زکوۃ کے اوقات، اموال زکوۃ کے نصاب اور یہ کہ کن چیزوں پر زکوۃ ہے کن پر نہیں؟ اور روزے کے احکام کو بیان فرمایا جن میں کچھ مسائل ایسے بھی ہیں جن کی کتاب اللہ میں تصریح نہیں، اسی طرح طہارت حقیقی، طہارت حکمی، حج، ذبائح، شکار، حلال وحرام جانوروں کی تفصیل، نکاح اور اس کے متعلقات، طلاق، رجعت، ظہار، لعان، خرید وفروخت کے احکام، جنایات، قصاص وغیرہ۔

یہ ساری چیزیں قرآن کے مجمل بیان کی توضیح وتفسیر ہیں، کیونکہ حق تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿ وَاَنْزَلْنَا اِلَيْكَ الذِّكْرَ لِتُبَيِّنَ لِلنَّاسِ مَانُزِّلَ اِلَيْهِمْ ﴾ [النحل:٤٤]

ترجمہ: اور اتاری ہم نے تجھ پر یہ یادداشت کہ تو کھول دے لوگوں کے سامنے وہ چیز جو اتری ان کے واسطے۔

حضرت عمران بن حصینؓ نے ایک شخص سے (جس نے کسی مسئلہ کا ثبوت کتاب اللہ سے مانگا تھا) فرمایا:

''تو تو احمق آدمی ہے، کیا کتاب اللہ میں کہیں موجود ہے کہ ظہر کی چار رکعتیں ہیں اور یہ کہ اس میں جہری قرأت نہیں؟

بعد ازاں آپ نے نماز، زکوۃ اور دیگر چیزوں کو شمار کر کے فرمایا:

''کیا تم یہ ساری چیزیں کتاب اللہ میں پوری تفصیل کے ساتھ پاتے ہو؟ بات یہ ہے کہ کتاب اللہ نے اس کو مبہم رکھا اور سنت نے اس کی تفسیر کی''۔

مطرف بن عبداللہ بن الشخیر سے کسی نے کہا:

''ہمارے سامنے تو صرف قرآن بیان کیا کرو''

یہ سن کر مطرفؒ نے فرمایا:

''واللہ! ہم بھی قرآن کے بجائے کسی دوسری چیز کا ارادہ نہیں کرتے، مگر ہم اس ذات قدسی صفات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارادہ کرتے ہیں جو قرآن کو ہم سے زیادہ جانتے تھے''۔

امام اوزاعیؒ حبان بن عطیہؒ سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے فرمایا: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر وحی نازل ہوتی تھی، اور جبریل علیہ الصلوۃ والسلام آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس وہ سنت لے کر آتے تھے جو اس وحی کی تفسیر کرتی تھی، اسی بنا پر امام اوزاعیؒ نے فرمایا:

''الکتاب احوج الی السنة من السنة الی الکتاب''

ترجمہ: کتاب اللہ کو (سمجھنے کے لئے ہمیں) جس قدر سنت کی احتیاج ہے اس قدر سنت کو (سمجھنے کے لئے ہمیں) کتاب کی احتیاج نہیں۔

یہی مضمون امام احمدؒ سے بھی مروی ہے کہ سنت، کتاب اللہ کی تشریح وتفسیر کرتی ہے۔

دوم: یہ کہ سنت بھی کتاب ہی کی طرف راجع ہے، بایں معنی کہ کتاب اللہ نے سنت پرعمل کرنے اور سنت کی پیروی کرنے کوواجب قراردیا ہے، جن حضرات نے اس اصول کولیاان میں سے ایک حضرت عبداللہ بن مسعودؓ ہیں، ایک موقعہ پرحضرت عبداللہؓ نے فرمایا:

''اللہ کی لعنت گودنے والیوں اور گودوانے والیوں پر''

بنواسراء کی ایک خاتون کوان کی یہ بات پہنچی تو کہا:

''ابوعبدالرحمن! میں نے سنا ہے کہ آپ ایسی ایسی عورتوں پرلعنت کرتے ہیں؟

فرمایا:

''میں ان پرلعنت کیوں نہ کروں جن پررسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے لعنت فرمائی، اوروہ اللہ کی کتاب میں بھی ملعون ہیں''۔

وہ عورت بولی:

''میں نے تواول سے آخرتک ساراقرآن پڑھا ہے، مجھے توکہیں یہ نہیں ملا''

فرمایا:

''اگرتونے (واقعی غوروتدبرسے) پڑھا ہوتا تو تجھے یقیناً مل جاتا، اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: ''جو کچھ تمہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم دیں وہ لے لو، اور جس سے روک دیں، اس سے رک جاؤ''۔

یہ حدیث امام احمدؒ، امام بخاریؒ اورامام مسلمؒ نے مختلف الفاظ میں روایت کی ہے۔

سوم: ان معانی کلیہ میں غوروفکر کے ذریعہ اجتہاد کرنا جوقرآنی تشریع کا مرجع ہیں، اورجن پرچلنے کوسعادت دارین کا، اورنہ چلنے کوشقاوت دارین کاذریعہ قراردیا گیا ہے، یہ مقاصدکلیہ تین امورہیں:

اول: انسان کی پانچ بنیادی ضروریات اوران کے مکملات یعنی:

① دین ② جان ③ نسل ④ مال ⑤ اورعقل کی حفاظت۔

دوم: انسانی احتیاجات اوران کے مکملات: اس سے مراد ہے ایسی قانون سازی کرنا جس کا منشا مندرجہ بالاضروریات میں نرمی، آسانی اور گنجائش کا پیدا کرنااورحرج اور تنگی کا رفع کرنا ہو، مثلاً سفر ومرض میں افطار کی اجازت، اور کھڑا ہونے کی طاقت نہ ہوتو بیٹھ کر یا اشارہ سے نماز پڑھنے کا جواز، اور ہمچوقسم دیگر احتیاجات۔

سوم: تحسینات اوران کے مکملات: یعنی مکارم اخلاق ، اچھے آداب اورعمدہ عادات کے ساتھ آراستہ ہونا، چنانچہ کتاب اللہ ان امور ثلاثہ کے اصول کلیہ بیان کرتی ہے، جن کی طرف رجوع کیا جائے، اورسنت ان کی تفریعات وجزئیات پیش کرتی ہے۔

چہارم: احکام منصوصہ کی علل میں غور وفکر کرنا: چنانچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کسی حکم منصوص کی علت نکال کر دیگر مسائل کو، جن میں یہی علت پائی جاتی ہو، اس کے ساتھ ملحق کردیتے تھے، اس کی مثال ''ربوا'' ہے، حق تعالیٰ نے ربوا (سود) کوحرام قرار دیا، اور ربوا کی حرمت بوجہ اس زیادتی کے تھی جو کسی ایک جانب بغیر معاوضہ کے ہو، پس سنت نے اس کے ساتھ ہر ایسے عقد کو ملحق کردیا جس میں ایسی زیادتی پائی جائے، چنانچہ فرمایا: سونے کے بدلے سونا، اوراس کی دوسری مثال یہ ہے کہ: حق تعالیٰ نے ماں بیٹی کو اور دو بہنوں کو ایک نکاح میں جمع کرنا حرام قرار دیا، اوراس تحریم کی علت یہ ہے کہ اس میں قطع رحمی در آتی ہے، پس آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اتحاد علت کی بنا پر پھوپھی اور بھتیجی کا نیز خالہ اور بھانجی کا ایک نکاح میں جمع کرنا بھی حرام قرار دیا۔

پنجم: سنت میں جس قدر معانی واحکام وارد ہیں تم دیکھو گے کہ ان کی اصل قرآن میں بطور اشارات کے موجود ہے، اس کی مثال یہ ہے کہ حضرت ابن عمرؓ نے جب اپنی زوجہ کو بحالت حیض طلاق دی، تو جیسا کہ صحیح بخاری میں ہے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت عمرؓ سے فرمایا:

''اس کو حکم دو کہ وہ اپنی مطلقہ سے رجوع کرلے، پھر اسے یوں ہی رہنے دے، یہاں تک کہ وہ پاک ہوجائے، پھر حیض آئے پھر پاک ہوجائے، پھر اس کے بعد اس کا جی چاہے تو اپنے پاس روکے رکھے اور جی چاہے تو طلاق دیدے، پس یہ

ہے وہ عدت جس کے لئے عورتوں کو طلاق دینے کا اللہ نے حکم فرمایا ہے"۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا اشارہ حق تعالیٰ کے ارشاد ﴿فَطَلِّقُوْهُنَّ لِعِدَّتِهِنَّ﴾ کی طرف تھا۔

اور یہ بحث سنت کے اس حصہ سے متعلق ہے جس کا تعلق احکام تکلیفیہ سے ہے کہ اس کا ربط کتاب اللہ کے ساتھ ان مذکورہ بالا جہات و وجوہ سے ہوتا ہے، لیکن سنت کا وہ حصہ جس کا تعلق افعال مکلفین اور مواقع تکلیف سے نہیں، مثلاً اخبار و واقعات اور انبیاء علیہم السلام کے قصص، تو اس کے لئے یہ لازم نہیں کہ قرآن کریم میں اس کی اصل ہو، یا اس کی طرف اشارہ ہو، یہ ایک امر زائد ہے، مثلاً کوڑھ، گنجے، اور اندھے والی حدیث اور جریج راہب والی حدیث (یہ سب صحاح میں ہیں)۔

البتہ بسا اوقات ان کا ربط ترغیب و ترہیب سے ہوتا ہے، جو ضروریات تشریع کے مکملات میں سے ہیں۔

میں کہتا ہوں کہ ان ہی دونوں (یعنی ۴/اور ۵/) کی پیروی فقہاء امت اور حکماء شریعت نے قیاس و اجتہاد اور تحقیق المناط، تنقیح المناط، اور تخریج المناط کے مسائل میں کی ہے، جس کی تفصیل انشاء اللہ آئندہ آئے گی، مگر وہ خطا سے معصوم نہیں تھے، جب کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم معصوم عن الخطا ہیں، اس لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اعتبار و قیاس اور فقہا مجتہدین کے قیاس کے درمیان آسمان و زمین کا فرق ہے بہر حال۔

باب ہفتم
حفظ حدیث کے ایمانی نفسیاتی اور فطری اسباب

یہ ایک روشن حقیقت ہے کہ خدا اور سول پر ایمان لانا خدا اور سول سے محبت کا فطری ذریعہ ہے، اور جب یہ لذت ایمان دل میں اتر جائے اور اس کی حلاوت انسان کی رگ و پے میں سرایت کر جائے تو اس سے عشق و محبت کا ایک بے پناہ کیف و سرور حاصل ہوتا ہے، جس کی ٹھیک ٹھیک ترجمانی سے زبان و بیان قاصر ہیں۔

حب ایمانی کی خلش دل میں ہو تو دنیا کی کوئی مشقت، مشقت نہیں، ماں باپ سے جدائی، بیوی بچوں سے کنارہ کشی، قوم و وطن سے علیحدگی اور دنیا کی ہر مرغوب و محبوب چیز سے دست کشی رضا محبوب کے سامنے ایک معمولی پیشکش ہے، اور یہ سب خاصہ ہے ایمان قوی کا، جو دل کی گہرائیوں میں پیوست ہو، آیات ذیل اور اس کی نوعیت کی دوسری آیات میں "حب ایمانی" کا جو معیار پیش کیا گیا ہے اسے بغور دیکھو تو معلوم ہوگا کہ اوپر جو کچھ عرض کیا گیا ہے وہ شاعری نہیں ایک حقیقت واقعیہ ہے، ارشاد ہے:

۱ - ﴿وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَشَدُّ حُبًّا لِّلّٰهِ﴾ [آل عمران:١٦٥]

ترجمہ: اور جو مؤمن ہیں وہ اللہ تعالیٰ کی محبت میں سب سے بڑھ کر ہیں۔

۲ - ﴿قُلْ اِنْ كَانَ اٰبَآؤُكُمْ وَاَبْنَآؤُكُمْ وَاِخْوَانُكُمْ وَاَزْوَاجُكُمْ وَ عَشِيْرَتُكُمْ وَاَمْوَالُ نِ اقْتَرَفْتُمُوْهَا وَتِجَارَةٌ تَخْشَوْنَ كَسَادَهَا وَمَسٰكِنُ تَرْضَوْنَهَآ اَحَبَّ اِلَيْكُمْ مِّنَ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَجِهَادٍ فِيْ سَبِيْلِهٖ فَتَرَبَّصُوْا

حَتّٰی یَاْتِیَ اللہ بِاَمْرِہٖ﴾ [التوبۃ:۲٤]

ترجمہ: آپ کہہ دیجئے اگر تمہارے باپ، اور تمہارے بیٹے، اور تمہارے بھائی، اور تمہاری بیویاں، اور تمہارا کنبہ اور وہ مال جو تم نے کمائے ہیں اور وہ تجارت جس میں نکاسی نہ ہونے کا تم کو اندیشہ ہو، اور وہ گھر جن کو تم پسند کرتے ہو، تم کو اللہ سے اور اس کے رسول سے اور اس کی راہ میں جہاد کرنے سے زیادہ محبوب ہوں تو تم منتظر رہو، یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ اپنا حکم بھیج دیں۔

۳-﴿ لَاتَجِدُ قَوْمًا یُّؤْمِنُوْنَ بِاللہِ وَالْیَوْمِ الْاٰخِرِ یُوَادُّوْنَ مَنْ حَادَّاللہَ وَ رَسُوْلَہٗ وَلَوْکَانُوْا اٰبَائَھُمْ اَوْاَبْنَائَھُمْ اَوْاِخْوَانَھُمْ اَوْعَشِیْرَتَھُمْ اُولٰئِکَ کَتَبَ فِیْ قُلُوْبِھِمُ الْاِیْمَانَ وَاَیَّدَھُمْ بِرُوْحٍ مِّنْہُ﴾ [المجادلۃ:۲۲]

ترجمہ: جو لوگ اللہ پر اور قیامت کے دن پر ایمان رکھتے ہیں آپ ان کو نہ دیکھیں گے کہ ایسے شخصوں سے دوستی رکھتے ہوں جو اللہ اور رسول کے برخلاف ہیں، گو وہ ان کے باپ یا بیٹے یا بھائی یا کنبہ ہی کیوں نہ ہو، ان لوگوں کے دلوں میں اللہ تعالیٰ نے ایمان ثبت کر دیا ہے، اور ان کو اپنے فیض سے قوت دی۔

نیز بہت سی احادیث نبوی (علی صاحبہا الصلوۃ والسلام) میں بھی اسی حقیقت کی جانب رہنمائی کی گئی ہے، چنانچہ احادیث ذیل ملاحظہ ہوں۔

۱-لایؤمن احدکم حتی اکون احب الیہ من والدہ وولدہ والناس اجمعین. (بخاری عن انس وابی ھریرۃ)

ترجمہ: تم میں سے کوئی مومن نہیں جب تک اس کے نزدیک میری محبت اس کے باپ سے اس کی اولاد سے اور تمام انسانوں سے زیادہ محبوب نہ ہو۔

۲-ثلاث من کن فیہ وجد بھن حلاوۃ الایمان ،ان یکون اللہ و رسولہ احب الیہ مماسواھما ،وان یحب المرء لایحبہ الاللہ،وان یکرہ ان یعود فی الکفر کمایکرہ ان یقذف فی النار. (بخاری عن انس)

ترجمہ: تین باتیں جس شخص میں ہوں وہ ان کی بدولت ایمان کی لذت وحلاوت

پائے گا، ①: یہ کہ اللہ ورسول اسے ہر ماسوا سے زیادہ محبوب ہوں ② یہ کہ: کسی شخص سے محبت کرے تو محض اللہ کی خاطر اسے محبوب رکھے ③ یہ کہ: کفر کی جانب لوٹ جانا اس کے لئے اتنا ناگوار ہو جیسا کہ آگ میں ڈال دیا جانا اس کے لئے ناقابل برداشت ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے اخلاص ومحبت اور آپ پر جاںنثاری وفدائیت کا جو حیرت انگیز ریکارڈ صحابہ کرامؓ نے قائم کیا، کیا تاریخ عالم میں روئے زمین کی کوئی قوم اس کی ادنی جھلک بھی پیش کرسکتی ہے؟ اگر یہ محبوب (میرے باپ اس پر فدا ہوں) سب سے نرالا تھا تو کیا عشاق کی ایسی جماعت بھی چشم فلک نے کبھی دیکھی؟ عصر جدید کے ''مریضان عقل'' آج انگشت بدندان ہیں کہ محبوب (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی ایک ایک بات ان کی لوح حافظہ پر کیونکر ثبت ہو جاتی تھی، مگر وہ نہیں جانتے کہ یہ ''ادب شناسان محبت'' جن کے نزدیک محبوب کا لعاب دہن اور وضو کا استعمال شدہ پانی غازۂ حسن کا حکم رکھتا ہو اور جن کے نزدیک آپ کے جسم اطہر کا ایک ایک موئے مبارک دنیا ومافیہا سے زیادہ قیمت رکھتا ہو، ان کے نزدیک فرمودات نبوت کی قیمت کیا کچھ نہ ہوگی؟ کیا انہیں گوارا ہوگا کہ محبوب کے ''کلمات طیبات'' کا کوئی لفظ فضا میں تحلیل ہو کر رہ جائے، اور ان کے حافظہ پر کندہ نہ ہو؟ اس داستان عشق ومحبت کے چند ورق یہاں پیش کئے جاتے ہیں:

① صحیح بخاری میں بروایت مسور بن مخرمہ اور مروان بن حکم صلح حدیبیہ کی طویل حدیث کا ایک اقتباس:

''پھر عروہ (جو کافروں کی طرف سے سفیر بن کر آیا تھا) نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے صحابہ کو بغور دیکھنے لگا، پس اللہ کی قسم! (۱) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دہن مبارک سے اگر بلغم ڈالی تو صحابہ کرامؓ میں سے کسی نہ کسی ہاتھ ہی میں گری، اور اس نے فوراً سے اپنے چہرہ وجسم پر مل لیا (۲) جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کوئی حکم فرماتے تو ہر شخص اس کی طرف سبقت کرتا (۳) اور جب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم وضو کرتے تو یہ عالم ہوتا کہ آپ کے مستعمل پانی پر گویا لڑ مریں گے (۴) اور جب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کلام فرماتے تو سب ہمہ

تن گوش ہوجاتے، اور تمام آوازیں خاموش ہوجاتیں اور عظمت وہیبت کی بنا پر کسی کو ہمت نہ ہوتی کہ آپ کو نظر بھر کر دیکھ لے"۔

عروہ اپنے لوگوں کے پاس لوٹا تو ان سے یوں گویا ہوا:

"اے قوم! بخدا میں نے شہنشاہوں کے دربار دیکھے ہیں، میں قیصر وکسری اور نجاشی کے دربار میں بھی حاضر ہوا ہوں، بخدا! میں نے کوئی شہنشاہ نہیں دیکھا کہ اس کے حاشیہ نشین اس کی ایسی تعظیم کرتے ہوں جیسی تعظیم محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے ہم نشین محمد کی بجالاتے ہیں۔ بخدا! آپ اگر تھوکتے ہیں تو وہ کسی نہ کسی کے ہاتھ میں جاتا ہے جسے فوراً وہ اپنے چہرہ وجسم پر مل لیتا ہے"۔۔۔۔۔۔۔الخ (آگے اس نے محفل نبوی کا پورا نقشہ کفار مکہ کے سامنے بیان کیا)۔

② صحیح بخاری کتاب الوضوء میں حضرت انسؓ کی حدیث ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جب حجۃ الوداع میں سر کے بال اتروائے تو ابوطلحہؓ پہلے شخص تھے جس نے موئے مبارک حاصل کئے۔

③ صحیح بخاری میں ابن سیرینؒ سے مروی ہے کہ میں نے عَبیدہ (سلمانی کوفی، جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حیات طیبہ میں اسلام لائے مگر زیارت سے مشرف نہ ہوئے) سے کہا کہ: "ہمارے پاس آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ایک موئے مبارک ہے، جو ہمیں حضرت انسؓ سے (یا حضرت انسؓ کے گھر کے لوگوں سے) دستیاب ہوا"، عبیدہ نے کہا: "مجھے دنیا ومافیہا سے زیادہ محبوب ہے کہ میرے پاس ایک بھی موئے مبارک ہوتا"۔

④ طبرانی اور ابن مردویہ حضرت عائشہ وابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کرتے ہیں کہ ایک شخص دربار نبوت میں حاضر ہوا اور عرض کیا کہ آپ مجھے اہل ومال سے بھی زیادہ محبوب ہیں، آپ یاد آتے ہیں تو دیدار کئے بغیر چین نہیں آتا، میں نے موت کے بعد کی حالت پر غور کیا تو آپ جب جنت میں جائیں گے تو نبیوں کے ساتھ مقامات عالیہ میں ہوں گے، اور میں اگر جنت میں گیا بھی تب بھی آپ کو دیکھ نہیں سکوں گا، اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت

نازل فرمائی:

﴿وَمَنْ يُّطِعِ اللهَ وَالرَّسُوْلَ فَاُولٰئِكَ مَعَ الَّذِيْنَ اَنْعَمَ اللهُ عَلَيْهِمْ مِّنَ النَّبِيّٖنَ وَالصِّدِّيْقِيْنَ وَالشُّهَدَآءِ وَالصّٰلِحِيْنَ وَحَسُنَ اُولٰئِكَ رَفِيْقًا﴾ [النساء:٦٩]

ترجمہ اور جو شخص اللہ اور رسول کا کہنا مان لے گا تو ایسے اشخاص ہی ان حضرات کے ساتھ ہوں گے جن پر اللہ تعالیٰ نے انعام فرمایا ہے، یعنی انبیاء اور صدیقین اور شہداء اور صلحاء، اور یہ حضرات بہت اچھے رفیق ہیں۔

اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو یہ آیت پڑھ کر سنائی (اور اسے تسلی دی) یہ حدیث قاضی عیاضؒ نے ''شفاء'' میں نقل کی ہے، اور یہ صاحب واقعہ حضرت ثوبانؓ ہیں، یا عبداللہ بن زیدؓ صاحب اذان جیسا کہ ''خفاجی'' نے بغوی سے نقل کیا ہے۔

⑤ ''الشفاء'' ہی میں ایک اور حدیث ہے کہ ایک صاحب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بیٹھے ٹکٹکی باندھ کر آپ کو دیکھ رہے تھے، اور دیر تک نظر نہ ہٹائی، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے دریافت فرمایا: کیا بات ہے؟ عرض کیا میرے ماں باپ آپ پر نثار! میں آپ کے دیدار پُر انوار سے لطف اٹھا رہا ہوں۔

⑥ حضرت خالد بن معدانؒ کا قصہ مشہور و معروف ہے، قاضی عیاضؒ وغیرہ نے بھی ذکر کیا ہے کہ: وہ جب بھی بستر خواب پر جاتے تو نہایت ذوق وشوق سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور مہاجرین وانصار صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو یاد کرتے، ایک ایک کا نام لیتے اور کہتے: ''یہی حضرات میری اصل وفصل تھے، انہی کی طرف میرا دل مشتاق ہے، اور میرا یہ اشتیاق بہت ہی طویل ہو گیا، اب تو اے رب! مجھے اپنے پاس بلا ہی لے''۔ نیند آنے تک یہی ان کا وظیفہ رہتا۔

⑦ ایک انصاری خاتون کا باپ، بھائی اور شوہر تینوں غزوۂ اُحد میں شہید ہو گئے تھے، اور یہ لوگوں سے دریافت کر رہی تھیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا کیا حال ہے؟ لوگوں نے کہا: ''جیسا کہ تو چاہتی ہے، آپؐ بحمد اللہ خیریت سے ہیں''، کہنے لگی: ''مجھے ایک بار زیارت

کرادو"، جب آپؐ کی زیارت ہوئی تو عرض کیا: "آپؐ کے بعد ہر مصیبت آسان ہے۔

(شفا قاضی، ودیگر کتب سیر)

⑧ حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے دریافت کیا گیا کہ آنحضرت ﷺ کی ذات عالی سے آپ لوگوں کی محبت کیسی تھی؟ فرمایا: "بخدا! آپ ہمیں اپنے مال واولاد، ماں، باپ اور ٹھنڈے پانی سے بھی زیادہ محبوب تھے، ﷺ۔

⑨ حضرت عمر رضی اللہ عنہ ایک رات (اپنے دور خلافت میں) گشت کے لئے نکلے، تو دیکھا کہ ایک مکان میں چراغ روشن ہے اور ایک معمر خاتون پشم دھنتے ہوئے بڑے والہانہ انداز میں گنگنا رہی ہے:

علی محمد صلاة الابرار　　صلی علیه الطیبون الاخیار

قدکنت قواما بالاسحار　　یالیت شعری والمنایااطوار

هل یجمعنی وحبیبی الدیار

ترجمہ: محمد ﷺ پر نیک لوگوں کا درود ہو، آپؐ پر پاک وپسندیدہ لوگ درود بھیجیں، آپ اوقات سحر میں بہت ہی قیام کرنے والے تھے، اے کاش! میں جان لیتی اور موت تو مختلف شکلوں میں آتی ہے۔ کہ کیا میں اور میرا محبوب ایک جگہ جمع بھی ہوں گے؟

حضرت عمرؓ یہ سن کر آبدیدہ ہو گئے، یہ قطعہ طویل ہے جسے خفاجیؒ نے "نسیم الریاض" (ج:۳، ص:۳۹۹) میں ذکر کیا ہے۔

⑩ ایک بار حضرت ابن عمرؓ کا پاؤں سُن ہو گیا، ان سے عرض کیا گیا آپ کسی ایسی شخصیت کو یاد کیجئے جو آپ کو سب سے زیادہ محبوب ہو، انہوں نے فوراً بلند آواز سے کہا "یا محمداہ" پاؤں اسی وقت ٹھیک ہو گیا۔

⑪ اسی نوعیت کا واقعہ حضرت ابن عباسؓ کا بھی مروی ہے۔

⑫ حضرت بلالؓ کا آخری وقت آیا تو بے چینی میں ان کی بیوی کے منہ سے نکل گیا: "وا حر باه!" (ہائے! آفت ٹوٹ پڑی) آپؓ نے فرمایا: "واطربا!" (واہ واہ!

کتنی خوشی کا موقعہ آیا)

غدا نلقی الاحبه محمدًا و حزبه

ترجمہ: کل یاروں سے ملیں گے، یعنی محمد ﷺ اور آپ کی جماعت سے۔

⑬ ایک خاتون نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے عرض کیا: ''مجھے رسول اللہ ﷺ کی قبر اطہر کھول کر دکھادو''، حضرت عائشہؓ نے فرمائش پوری کردی، اس خاتون نے رو روکر وہیں جان دے دی۔

⑭ حضرت زید بن دثنہ رضی اللہ عنہ بیر معونہ کے حادثہ میں کفار کے ہاتھ آ گئے تھے، انہیں مکہ لے جایا گیا، اور جب کافروں نے حرم سے باہر لے جا کر انہیں شہید کرنے کا ارادہ کیا تو ابوسفیان نے ان سے کہا: ''زید! میں تجھے خدا کی قسم دے کر پوچھتا ہوں، کیا تیرا جی چاہتا ہے کہ تیری جگہ محمد (ﷺ) ہوتے، ہم ان کی گردن اڑا دیتے اور تو اپنے گھر میں چین سے ہوتا؟

حضرت زید رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ''اللہ کی قسم! میں تو یہ بھی برداشت نہیں کرسکتا کہ محمد ﷺ کے اپنی جگہ رہتے ہوئے کانٹا بھی چبھ جائے اور میں اپنے گھر بیٹھا رہوں''۔

حضرت زید رضی اللہ عنہ کا یہ جواب سن کر ابوسفیان نے کہا: ''اللہ کی قسم! میں نے عالم انسانیت میں ایک شخص بھی ایسا نہیں دیکھا کہ وہ کسی سے ایسی محبت رکھتا ہو جیسی محمد (ﷺ) کے صحابہ کو محمد (ﷺ) سے ہے''۔ یہ واقعہ ''الشفاء''، ''المواہب'' اور دیگر کتب سیر میں ہے۔

⑮ ''المواہب'' (مقصد ششم وہفتم) میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے آزاد کردہ غلام حضرت ثوبانؓ کو آنحضرت ﷺ سے شدید محبت تھی، وہ آپ کے دیدار سے، بہت کم صبر کرسکتے تھے، ایک دن بارگاہ نبویؐ میں حاضر ہوئے، تو چہرے کا رنگ اڑا ہوا تھا، اور بدن لاغر ہو رہا تھا، محبوب خداؐ نے ان سے خیریت دریافت کی تو عرض کیا: ''یا رسول اللہ! مجھے تکلیف تو کچھ نہیں، بس یہ ہے کہ جب کچھ دیر تک دیدار پُرانوار سے محروم رہتا ہوں تو جذبات شوق میں

ہیجان برپا ہوجاتا ہے اور جب تک زیارت سے مشرف نہیں ہوجاتا ایک عجیب وحشت سی طاری رہتی ہے۔

⑯ ابن منیرؒ کہتے ہیں کہ جیسا کہ ''المواہب'' مقصد دہم میں نقل کیا ہے کہ: جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا وصال ہوا، تو عقل وہوش جاتا رہا، بعض گم سم تھے کہ ایک لفظ بھی زبان سے نہیں نکلتا تھا، اور بعض نحیف ولاغر ہوگئے، چنانچہ حضرت عمرؓ حواس گم کردہ لوگوں میں تھے، حضرت عثمانؓ گم سم تھے، آتے جاتے، مگر بات کرنے کی طاقت نہ تھی، اور حضرت علیؓ اپنی جگہ ایسے بیٹھے تھے کہ حرکت کرنے کی طاقت نہ تھی، اس دن سب سے زیادہ ثابت قدمی و پامردی حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے دکھائی، آپ تشریف لائے، آنکھوں سے سیلاب اشک رواں تھا، روتے روتے ہچکی بندھ گئی تھی۔

⑰ ''اسد الغابہ'' (ج:۳ص:۳۲۴) میں ہے کہ زیاد بن حنظلہؓ کہتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے فراق کا زخم ہی حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی وفات کا سبب ہوا، یہی بات حضرت ابن عمرؓ نے بھی فرمائی ہے۔

⑱ برکہ نامی حبشی خاتون (یہ ام ایمن ہیں یا کوئی اور) نے (فرط محبت میں) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا پیشاب پی لیا تھا۔ (استیعاب لابن عبدالبر۔ الاصابہ لابن حجر وغیرہ)

⑲ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عبداللہ بن زبیرؓ کو اپنے خون حجامت کے دفن کرنے کا حکم فرمایا، انہوں نے باہر لے جا کر اس کو پی لیا، اور واپس آکر کہا: ''میں اسے بہت ہی پوشیدہ جگہ میں رکھ آیا ہوں''، آپؐ نے فرمایا: ''شاید تو نے اسے پی لیا ہوگا'' عرض کیا: ''جی ہاں''۔ (ابن کثیر۔ البدایہ والنہایہ)

⑳ اسی طرح متعدد صحابہؓ سے جن میں ''ابوطیبہ حجام'' (پچھنے لگانے والے) بھی شامل ہیں، ثابت ہے کہ انہوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پچھنوں سے حاصل شدہ خون اپنے پیٹ میں محفوظ کرلیا تھا، جہاں تک یاد پڑتا ہے حافظ بدرالدین عینیؒ نے ''عمدہ'' میں پانچ نام ذکر کئے ہیں، اور یہ سب غلبۂ محبت اور وفور عشق کی باتیں ہیں۔

بہر حال یہ اور اس قسم کے دیگر واقعات سے روز روشن کی طرح واضح ہوجاتا ہے کہ حضرات صحابہؓ ''حب نبی صلی اللہ علیہ وسلم'' کے اس مقام پر فائز تھے کہ اس سے آگے کا تصور نہیں کیا جاسکتا، نہ انسانی تاریخ نے ایسے عاشق دیکھے، اور نہ سطح زمین پر کوئی ایسا محبوب گزرا، جس سے محبت کرنے والوں نے ایسی سچی محبت کی ہو کہ وہ ان کے گوشت پوست میں سرایت کرگئی ہو، ان کے دل میں پیوست ہوگئی ہو، اور ان کی روح میں رچ بس گئی ہو، اسی محبت کا کرشمہ تھا کہ حفاظت دین اور پاسبانی اسلام کی خاطر بڑی سے بڑی قربانی ان کے لئے معمولی بات تھی، ان حضرات نے عشق ومحبت کے ساتھ انتہائی توقیر واجلال اور ادب وتعظیم کو جمع کر کے دکھایا، وہ محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کے اجزاء زائدہ پر لڑتے ہیں، آپؐ کے تھوک اور رینٹھ سے تبرک حاصل کرتے ہیں، ممکن نہیں کہ آپ کے وضو کے پانی کا ایک قطرہ بھی ضائع ہونے دیں، وہ آپ کے دیدار پُرانوار سے لطف اندوز ہوتے ہیں، اور آپ کے مبارک اور لذیذ وشیریں کلام سے جھوم جھوم جاتے ہیں، اور ان کی وہی کیفیت ہوتی ہے جو ایک شاعر نے یوں بیان کی ہے:

لها احاديث من ذكراها تشغلها　　عن الشراب وتلهيها عن الزاد

لها بوجهك نور يستضاء به　　و من حديثك فى اعقابها حاد

اذا اشتكت من كلال السير و اعدها　　روح الوصال فتحيى عند ميعاد

ترجمہ: وہ تذکار محبوب کی باتوں میں کھو کر کھانے پینے سے غافل ہوجاتے ہیں، انہیں تیرے رخ پرنور سے روشنی حاصل ہوتی ہے، اور تیری باتیں ان کے لئے حدی خواں کا حکم رکھتی ہیں، وہ سفر کی تھکان کی شکایت کریں تو روح وصال کے وعدہ سے پھر زندہ اور تازہ دم ہوجاتے ہیں۔

سوچنا چاہئے کہ کیا یہ بات قرین عقل ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے وہ اقوال وافعال جو ان کی سعادت ونجات کے کفیل ہیں، اور جن کی اتباع واقتداء کا انہیں قرآن کریم میں حکم دیا گیا ہے، ان سے ضائع ہوجائیں؟ نہیں! ہرگز نہیں! آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے افعال واقوال، حرکات وسکنات، آداب واخلاق اور شمائل وعادات ایک ایک نقشہ ان کی لوحِ قلب پر کندہ تھا،

مگراس بات کا سمجھنا بھی ہرایک کے بس کی بات نہیں، اس کیفیت کو وہی سمجھ سکتا ہے جس پر گذری ہو، عربی کا ایک محاورہ ہے "من لم یذق لم یدر" جس نے کبھی چکھ کر نہیں دیکھا وہ کیا جانے؟ اگر مادرزاد اندھا سیاہ وسفید اور خوش رنگ و بدرنگ کے درمیان امتیاز نہیں کرسکتا، اگرایک بہرا حسین نغموں سے لطف اندوز نہیں ہوسکتا، اگرایک قوت شامہ سے عاری شخص گلاب و یاسمین کی خوشبو کے ادراک سے محروم رہتا ہے، اگر عنین لذت جماع کے ادراک سے معذور ہے، اوراگرایک دیوانہ غور وفکر کی دریافت سے عاجز ہے تو یہ کیونکر ممکن ہے کہ ایک کافر ومشرک حلاوت ایمان کی لذت کا ادراک کرلے؟ اور یہ کیسے تصور کیا جاسکتا ہے کہ جو لوگ تاثیر ایمان سے بے خبر ہیں، جن کے قلوب ذوق محبت سے عاری ہیں اور جن کی عقلیں کھوکھلی ہیں (گولڈزیہر، شاخت وغیرہ) وہ حب نبویؐ کی لذت سے آشنا ہوں؟

عوام اہل ایمان کو جوشفقت ومحبت اوررقت ورحمت اپنے اہل وعیال سے ہوتی ہے یہ مسکین (مستشرقین) تواس سے بھی فارغ ہیں، ان بندگان شکم اورغلامان شہوت کے جذبات محبت اسی لذت حیوانی تک محدود ہیں جو چوپایوں کو بھی حاصل ہے، بلکہ شاید اس سے بھی کم، کیاان کے لئے ممکن ہے کہ وہ صحابہ کرامؓ کی آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے محبت وشیفتگی کی حقیقت اوراس کے آثار ونتائج تک پہنچ جائیں؟ نہیں! ہرگز نہیں!

اور یہ تو جب ہے جبکہ ہم اس خلش وعداوت سے، جو ان لوگوں کو اسلام اور مسلمانوں سے ہے، چشم پوشی کرلیں، اور یہ فرض کرلیں کہ اپنی نام ونہاد "ریسرچ" میں وہ بڑے مخلص اورغیر جانبدار ہوتے ہیں، ورنہ واقعہ یہ ہے کہ ان کی اسلام دشمنی نے ان کی عقل پر پردے ڈال دیئے ہیں اورانہیں حقائق شناسی سے اندھا کردیا ہے، کیا یہ ممکن ہے کہ پانی کے بجائے آگ کے سمندر میں کود کر سیرابی کی توقع رکھی جائے؟ نہیں! ہرگز نہیں!

اگرآپ ان حقائق پر، جو عرض کئے گئے ہیں، ٹھنڈے دل سے غور کریں گے تو معلوم ہوگا کہ صحابہؓ کے قلوب حدیث نبوی کے ایسے صفحات تھے جن کی سطریں کبھی محو نہیں ہوئی تھیں، اور وہ سنت نبوی کا چلتے پھرتے کتب خانہ تھے، جس کا چھاپہ خانہ خود ان کے سینے

تھے۔اندریں حالات حدیث نبوی کی حفاظت کے لئے انہیں کتابیں لکھنے اوراوراق سیاہ کرنے کی کیا ضرورت رہ جاتی ہے؟ علاوہ ازیں اس کے کچھ اور وجوہ واسباب بھی ہیں جو آئندہ آپ کے گوش گذار ہوں گے، واللہ الموفق۔

حفاظت حدیث اوراس کے فطری اسباب

سب سے پہلے یہ سمجھئے کہ حدیث نبوی ہے کیا چیز؟ جانتے ہو حدیث نبوی کسے کہتے ہیں؟ حدیث نبوی دین اسلام کا وہ ضخیم انسائیکلو پیڈیا ہے جس کی روشنائی وسیاہی، جس کے حروف وسطور، جس کے صفحات وعبارات اور جس کے حواشی وتعلیقات حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی عظیم الشان حیات طیبہ کے جامع نقوش سے عبارت ہیں یعنی:

آپؐ کی عبادت ودعا، صلوۃ وصیام، شب بیداری وآہ سحر گاہی، ہدایت وارشاد، قول وفعل، حرکت وسکون، نشست وبرخاست، آداب ومعاشرت، اخلاق وعادات، طور وطریق، رزانت ومتانت، انفاس طیبہ، شمائل قدسیہ، تعلیم وتلقین، اصلاح وتربیت، غزوۂ وجہاد، دعوت وتبلیغ، صلح وجنگ، حج وعمرہ، خطبہ ونکاح اور شادی ورخصتی، وغیرہ وغیرہ۔

الغرض حیات طیبہ کا ایک ایک ذرہ، آپ کے اخلاق وشمائل کی ایک ایک ادا، اور آپ کے نقش پا کا ایک ایک نشان حدیث نبوی ہے، جسے صحابی دیکھتا ہے، اوراس کے ''آئینہ دل''میں اس کا عکس فوراً اتر جاتا ہے اور پھر ایسا محفوظ اور اتنا پائیدار! کہ مجال نہیں کہ پانی کے چھینٹے اور بارش کے قطرے اسے محو کرسکیں، ادھر زبان سے کوئی ارشاد صادر ہوا، اور ادھر دلوں کے مقناطیس نے اسے فوراً جذب کرلیا، اور جسد اطہر کی ایک ایک حرکت لوح حافظہ پرکندہ ہوگئی، الغرض حدیث نبوی کو سننے والے کان، محفوظ رکھنے والے دل، پختہ عزائم اور صاف وستھرے قالب میسر تھے، اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے ان نیک وپاک اور تشنہ کام دلوں کو آپ کی سیرت مطہرہ اور حیات طیبہ کا ریکارڈ محفوظ رکھنے کے لئے خود چنا تھا، مگر آپؐ نے انہیں کتابت حدیث کا حکم نہیں فرمایا اوراس کے متعدد اسباب تھے۔

باب ہشتم

کتابت حدیث کی ممانعت اور اجازت کے اسباب

سبب اوّل: اسوۂ نبوّت

حدیث آنحضرت ﷺ کے اسوۂ حسنہ کا نام ہے، اور صحابہ کرامؓ مامور ہیں کہ اپنی زندگی کو اسوۂ حسنہ کا "نقش دوام" بنائیں، اندریں صورت آنحضرت ﷺ کی عبادات و آداب اور آپ کی حیات طیبہ کا جو عملی نقشہ رات دن اور صبح وشام ان کے سامنے آتا ہے کیا وہ اسے بھول سکتے ہیں؟ بالخصوص جب کہ ان کا ایک ایک فرد آنحضرت ﷺ کا ایسا عاشق ہو، جسے شہید محبت اور فنافی الرسول کہئے تو بجا ہے، تو کیا وہ محبوب کی اداؤں کو لکھ کر ہی یاد کرسکتا ہے؟

صحابہ کرامؓ ایسے نہ تھے کہ اسوۂ نبوت کا دفتر قلمبند کرکے اسے طاق نسیان میں سجا رکھیں، بلکہ ان کا سینہ ودل بجائے خود اسوۂ نبوت کا دفتر تھا، یہی ان کی کتابیں تھیں، اور یہی ان کے صحیفے تھے، وہ حفظ حدیث کے لئے قلم وقرطاس کے منت کش نہیں تھے، وہ اپنے عمل وکردار سے اسوۂ حسنہ کو رقم کرنے کے خوگر تھے، اور ان کی عملی زندگی حدیث کی تحریر وکتابت اور ضبط و اتقان کی خودکار مشین تھی، (ستم ظریفی کا تماشہ دیکھو!) جن سوختہ جانوں نے انفاس نبوی کا ایک ذرہ ضائع نہیں ہونے دیا (ان پر تہمت؟ کہ انہوں نے چونکہ حدیث کو لکھا نہیں اس لئے ان کے نزدیک حدیث کی کوئی قیمت نہ تھی) کیا یہ ممکن ہے کہ اسوۂ نبوی جو دنیا وآخرت میں ان کی سعادت کی کفیل تھی، اسی سے انہوں نے غفلت وبے اعتنائی برتی ہوگی۔

سبب دوم: عرب اور کتابت

عرب قوم ''اُمّی'' تھی، ان کی غالب اکثریت نوشت وخواند سے ناواقف اور خامۂ وقرطاس کے شغل سے ناآشنا تھی، اندریں حالات انہیں یہ زحمت دینا کہ وہ ہر حدیث لکھا کریں، عادۃً تکلیف مالایطاق تھی، خصوصاً جبکہ احادیث کا دائرہ اس قدر وسیع تھا جس کی وضاحت اوپر گزر چکی ہے، کہ کوئی لمحہ مشکل ہی سے ایسا ہوگا جس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے کسی حرکت وسکون کا ظہور نہ ہوا ہو۔

بہرحال ایک طرف ماہرین کتابت کی انتہائی قلت اور دوسری طرف احادیث نبوی (علی صاحبہا الصلوۃ والتسلیمات) کی کثرت اس امر کا قوی سبب تھا کہ انہیں ابتدا میں احادیث کی کتابی تدوین کا مکلف نہیں کیا گیا۔

ایک صحابیؓ فرماتے ہیں: ''آپؐ کے ارشاد کو میرے کانوں نے سنا، دل نے محفوظ کیا اور آنکھوں نے آپ کا نظارہ کیا''۔

ایک دوسرے صحابیؓ فرماتے ہیں: ''اس وقت آپ کا گھٹنا میرے گھٹنے سے مس کر رہا تھا''۔

ایک اور صحابیؓ فرماتے ہیں: ''میں نے آپ کو سنا جب کہ میں آپ کی سواری کی لگام تھامے ہوئے تھا''۔

یہ اور اس قسم کی دیگر تعبیرات اس امر کی غمازی ہیں کہ صحابہ کرامؓ نہ صرف آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی احادیث طیبہ کو ٹھیک ٹھیک محفوظ رکھتے تھے بلکہ اس موقع ومحل کی ہیئت کذائیہ اور جزئی حالات تک ان کے حافظہ کے انمٹ نقوش تھے، اور وہ اسی طرز تحریر کے عادی تھے۔

سبب سوم: قرآن وحدیث کے اشتباہ کا اندیشہ

ایک اہم وجہ تھی کہ قرآن کریم کے نزول وکتابت کا سلسلہ جاری تھا، اور اس کا معجزانہ اسلوب اور بلیغ انداز خطاب ہنوز بہت سے لوگوں کے ذہن وفکر میں راسخ نہیں

ہوا تھا، ادھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی فصاحت و بلاغت اور آپ کے جوامع الکلم کا معیار بھی عام انسانی سطح سے کہیں اونچا تھا، کلام نبوت کی فصاحت و بلاغت قرآن کریم کی فصاحت و بلاغت اور اسلوب سے نسبتاً اقرب تھی، چونکہ منبع دونوں کا ایک تھا، اور عام انسانی سطح سے بلند و بالا ہونے میں دونوں ہمرنگ تھے، اب اگر دونوں کی کتابت بھی ابتداء ہی سے ایک ساتھ شروع ہو جاتی تو اس امر کا قوی امکان تھا کہ قرآن غیر قرآن (حدیث) کے ساتھ گڈمڈ ہو جائے، اس لئے تقاضائے مصلحت یہ تھا کہ کتابت حدیث کی ممانعت کردی جائے، (تا کہ ہر عام وخاص کے سامنے قرآن وحدیث کے مابین ایک محسوس حد فاصل قائم رہے، کہ جو لکھا جاتا ہے وہ قرآن ہے، اور جو نہیں لکھا جاتا وہ حدیث ہے) تاہم یہ صورت حال ہمیشہ نہیں رہی، اس کی مفصل بحث عنقریب آئے گی۔

سبب چہارم: تکوینی مصلحت

رحمت خداوندی اور اس کی تکوینی مصلحت کا تقاضا بھی یہی تھا کہ حدیث نبوی کو (ابتداء میں) مدوّن نہ کیا جائے، تا کہ بعد میں آنے والے ضعفاء امت کے حق میں اسے قرآن کریم کی طرح قطعیت حاصل نہ ہو، صحابہ کرامؓ میں جو دینی روح کارفرما تھی، جس نے انہیں سراپا عمل بنا رکھا تھا اور جس نے ان میں ایسا جذبہ پیدا کر دیا تھا کہ اس کے راستہ میں ہر مشقت ان کے لئے آسان تھی، اور جس کی وجہ سے کلال وملال اور تنگی واکتاہٹ کی کوئی بڑی سے بڑی گھاٹی ان کے عزائم کے سامنے حائل نہیں ہو سکتی تھی، ظاہر ہے کہ یہ روح اور یہ جذبہ ان لوگوں میں کبھی پیدا نہیں ہو سکتا تھا جو دیدار نبوی سے مشرف نہیں ہوئے، نہ صحابہؓ کی طرح حب نبوی کی شراب طہور سے سرشاری وسرمستی کی سعادت ان کے حصہ میں آئی، اور زمانہ جوں جوں عہد نبوت سے دور ہوتا گیا اس دینی روح میں ضعف وانحطاط کا بھی اضافہ ہوتا رہا، بنا بریں مشیّت ازلیہ کا تقاضا یہ تھا کہ احادیث کا سارا ذخیرہ عہد نبوت میں جمع نہ کیا جائے، تا کہ انہیں قرآن کریم کی سی قطعیت ویقین کا درجہ حاصل نہ ہو، بلکہ ان کی حیثیت اخبار وآحاد کی رہے تا کہ:

الف: اگر اس پر عملدر آمد میں کسی سے کوتاہی سرزد ہو تو بار گناہ قدرے ہلکا رہے۔

ب: اس میں اہل اجتہاد کی اختلافی آراء کے ظہور کی گنجائش رہے۔
ج: فقہاء ومحدثین کے لئے غور وفکر اور بحث ونظر کا موقع حاصل رہے۔
اور اس کے نتیجے میں لوگوں کو سہولت وآسانی میسر آئے اور وہ دین کے میدان میں کسی قسم کی تنگی اور گھٹن محسوس نہ کریں۔

چنانچہ ظاہر ہے کہ کسی قطعی اور منصوص حکم کی نافرمانی کا جرم ایک ظنی حکم کی خلاف ورزی سے کہیں بدتر اور شدید ہے، اور ایک ظنی مگر متفق علیہ مسئلہ کی مخالفت کا گناہ کسی مختلف فیہ مسئلہ کی مخالفت سے کہیں بڑھ کر ہے، گویا دور نبوت میں قرآن کی طرح حدیث کا مدون نہ ہونا امت کے حق میں رحمت وسہولت کا پیش خیمہ تھا، مزید برآں اجتہادی اختلاف، رحمت پر رحمت اور سہولت در سہولت کا باعث ہوا، اسی بنا پر فرمایا گیا: "اختلاف امتی رحمة" کہ میری امت کا اختلاف رحمت ہے، رحمت اس لئے کہ وہ سہولت وگنجائش کا ذریعہ تھا، اسی نکتہ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے حضرت شیخ امام العصر فیض الباری (ج:۱ ص:۲۰۷) میں فرماتے ہیں:

"اگرچہ بادیٔ نظر میں یہی معلوم ہوتا ہے کہ حدیث کی تدوین، تدوین قرآن کے مماثل نہ ہو، قرآن کی طرح اس کے ایک ایک لفظ کو ضبط نہ کیا جائے، قرآن کی طرح اس کے ایک ایک حرف کا ایسا اہتمام نہ کیا جائے کہ وہ قطعیت کی آخری حدود کو پہنچ کر ہر شبہ اور ہر اختلاف سے بالاتر ہو جائے، بلکہ اسے ثانوی درجہ میں رکھا جائے، تاکہ اس میں مجتہدین کے اجتہاد، علماء کی بحث ونظر اور فقہاء ومحدثین کے غور وفکر کا دروازہ کھلا رہے، اور لوگوں کے لئے ہر جانب اور ہر جہت سے دین کشادہ اور فراخ ہو جائے، آپؐ نے بالکل صحیح ارشاد فرمایا کہ "دین آسان ہے"۔

حضرت شیخ فرماتے ہیں:

"بعد از اں امام بیہقیؒ کی "کتاب الاسماء والصفات" میں امام زہریؒ کا ایک اثر نظر سے گزرا، جس میں انہوں نے وحی کے اقسام کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا کہ "وحی کی صرف ایک قسم کو لکھا جاتا ہے"۔ اس سے میں یہ سمجھتا ہوں کہ زمانہ نبوت

میں اصل صورت حال یہ تھی کہ ضبطِ حدیث کوضبطِ قرآن سے درجۂ دوم میں رکھنا منظور تھا، یہ نہیں کہ احادیث کا نہ لکھنا ہی زیادہ یادداشت کا موجب تھا"۔

شیخین کے دورِ خلافت میں احادیث لکھنے کی وجہ

اور وہ واقعہ بھی اسی حکمت پر مبنی ہے جسے حافظ ذہبیؒ نے "طبقات" میں ذکر کیا ہے کہ خلیفہ رسول اللہؐ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے پانچ سو (۵۰۰) احادیث کا ایک مجموعہ مرتب فرمایا (جس کی احادیث موطا امام مالک کے برابر تھیں) اور اپنی صاحبزادی ام المؤمنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی تحویل میں رکھا، مگر ان کو اس کے باقی رکھنے پر اطمینان نہیں ہوا، بلکہ اسے منگوا کر نذرِ آتش کر دیا، حضرت صدیقہؓ نے سبب پوچھا تو فرمایا کہ:

"مجھے اندیشہ ہوا کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ یہ میرے پاس ہو اور میری موت واقع ہو جائے، ممکن ہے اس میں کچھ احادیث میں نے ایسے شخص کی نقل کر دی ہوں جس کی دیانت وامانت پر مجھے اعتماد تھا مگر حدیث کے اصل الفاظ وہ نہیں تھے جو اس نے مجھ سے بیان کئے"۔

گویا مشیت ازلیہ کا تقاضا یہی تھا کہ اس دور میں بھی حدیث کی تدوین نہ ہو، ورنہ اس کی یہ وجہ نہیں تھی کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے نزدیک حدیث حجت نہیں تھی، چنانچہ ابن سعدؒ نے "طبقات" میں تصریح کی ہے کہ حضرت ابوبکر صدیقؓ کے سامنے جب کوئی مسئلہ ایسا پیش آتا جس کا صریح حکم نہ قرآن کریم میں ملتا نہ حدیث نبوی میں، تو فرماتے ہیں کہ:

"میں اس میں اپنی رائے سے اجتہاد کروں گا، اگر صحیح ہوا تو من جانب اللہ ہوگا، اور اگر غلط ہوا تو میری جانب سے اور میں اللہ سے استغفار کرتا ہوں"۔

اسی نوعیت کا واقعہ حافظ ابن عبد البرؒ نے "جامع بیان العلم" میں اپنی سند کے ساتھ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کا نقل کیا ہے کہ ان کا ارادہ ہوا کہ "سنن" کو لکھ لیا جائے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے صحابہ سے اس سلسلہ میں مشورہ کیا تو انہوں نے بھی لکھنے کا مشورہ دیا، مگر حضرت عمرؓ اس کے لئے ایک مہینہ تک استخارہ فرماتے رہے، ایک دن صبح ہوئی تو اپنے فیصلہ

سے آگاہ کرتے ہوئے فرمایا: ''میں نے ''سنن'' کے لکھنے کا ارادہ کیا تھا مگر مجھے گزشتہ لوگوں کی حالت یاد آئی کہ انہوں نے کچھ نوشتے تیار کئے اور پھر کتاب اللہ کو چھوڑ کر ان پر ٹوٹ پڑے، اور میں۔ اللہ کی قسم۔ کتاب اللہ کے ساتھ کسی چیز کو مخلوط نہیں کروں گا''۔

اس روایت سے پتہ چلتا ہے کہ نفس کتابت میں صحابہ کرامؓ کو اختلاف نہیں تھا بلکہ وہ سب اس پر متفق تھے، لیکن حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی غرض یہ تھی کہ کسی نوشتے کو اللہ کی قطعی کتاب کے ساتھ کسی طرح کی مشابہت نہ ہونے پائے، ظاہر ہے کہ دورِ فاروقی میں جو مجموعہ مرتب ہوتا اور جس پر حضرت عمرؓ اور دیگر اکابر صحابہؓ کی اجماعی مہر ثبت ہوتی، اس کی قطعیت قرآن کریم کی طرح ہر قسم کے شک وشبہ سے بالاتر ہوتی اور اسے بھی اعتناء وتقدس کا وہی درجہ حاصل ہوتا جو قرآن کریم کو حاصل ہے، گویا حضرت عمرؓ یہ چاہتے تھے کہ یہ احادیث کتاب اللہ کی طرح قطعی نہ ہونے پائیں کہ امت کے حق میں یہی رحمت ہے، نیز اس مجموعہ کے وجود میں آجانے کے بعد کہیں قرآن کریم کے حفظ وتعلیم اور علم وعمل کے اہتمام میں کمی واقع نہ ہوجائے کہ اصل بنیاد وہی ہے۔

الغرض جن حضرات سے بھی کتابت کی ممانعت منقول ہے اس کی دیگر وجوہ کے علاوہ یہ نکتہ بھی ملحوظ رہا ہے، اور وجوہ واسباب میں منافات نہیں ہوتی، بلکہ بسا اوقات ایک ہی چیز کے متعدد اسباب جمع ہوجاتے ہیں۔

اور ''التراتیب الاداریہ'' میں ''العتیبیہ'' سے نقل کیا ہے کہ امام مالکؒ نے فرمایا کہ حضرت عمرؓ نے احادیث لکھنے کا ارادہ فرمایا تھا، اور کچھ احادیث لکھ بھی لی تھیں، بعد ازاں فرمایا ''کتاب اللہ کے ساتھ کوئی کتاب نہیں''۔

ابن رشد ''البیان والتحصیل'' میں فرماتے ہیں:

''امام مالکؒ کے اس ارشاد کا مطلب یہ ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ارادہ فرمایا تھا کہ جو احادیث رسول اللہؐ سے منقول ہیں انہیں لکھ دیں، تاکہ لوگ ان پر اسی طرح عمل کریں جس طرح قرآن پر عمل کیا جاتا ہے، بعد ازاں اس سے توقف

فرمایا، کیونکہ ان احادیث کی صحت نقل ایسی قطعی نہیں ہوسکتی تھی جیسی کہ قرآن کی نقل قطعی ہے، کیونکہ وہ بذریعہ تواتر منقول ہے، بنابریں تمام بنیاد یہاں آکر ٹھہری کہ انہیں واجب العمل قرار دے کر ان کی صحت کا معاملہ اجتہاد کے سپرد کردیا جائے، اوران کی صحت میں غوروفکر سے کام لیا جائے، رہی یہ صورت کہ کوئی شخص اپنی مرویات اس غرض سے لکھ رکھے تاکہ انہیں یاد رکھ سکے، اوران سے نسیان نہ ہونے پائے اس میں کوئی کراہت نہیں"۔

سبب پنجم: قلتِ اہتمام کا اندیشہ

تحریر بسااوقات یاد کرنے میں سستی وغفلت کا موجب ہوجاتی ہے، جب ایک چیز تحریر کی شکل میں آپ کے پاس موجود ہے تو اس کی طرف سے بےفکری ایک طبعی امر ہے، لیکن جب وہ تحریر شدہ نہیں تو طبعاً اسے یاد رکھنے کا اہتمام رہے گا کہ کہیں بھول نہ جائے، خصوصاً جب کہ حفاظت سے مقصود محض ضبط وکتابت نہ ہو، بلکہ عمل ہو۔

سبب ششم: اشتباہ مراد کا اندیشہ

تحریر وکتابت بعض اوقات بہت سی الجھنوں کو جنم دیتی ہے، خصوصاً جب کہ حروف منقوط وغیر منقوط میں امتیاز نہ ہو، نہ الفاظ پر زبر زیر پیش ہی کا رواج ہو، چنانچہ اس وقت یہی حالت تھی تو اس وقت ایک لفظ کو مختلف طریقوں سے مختلف شکلوں میں پڑھا جاسکتا ہے، اور مختلف معانی پر اسے محمول کیا جاسکتا ہے، ظاہر ہے کہ آئندہ چل کر اس قسم کی تحریر ایک قابل اعتماد تاریخی وثیقہ نہیں ہوسکتی تھی، بلکہ یقین کے بجائے اشتباہ کا موجب ہوتی، اس لئے تقاضائے مصلحت یہ تھا کہ یہ احادیث، جن میں شک ووہم درآنے کا اندیشہ تھا، قید تحریر میں لائی جائیں بلکہ یکے بعد دیگرے قلوب وافکار اور اعضاء وجوارح میں منتقل کی جائیں، اور تعامل امت سے صفحات عالم پر ان کے مفہوم نقش ہوجائیں، تاآنکہ ان میں کسی ریب وتردد کی گنجائش نہ رہے۔

اور یہ بات آفتاب نیم روز سے زیادہ روشن ہے دین اسلام کے تمام بنیادی احکام امت کو تواتر اور عملی توارث سے پہنچے ہیں، ان کا مدار صرف صحیفوں اور نوشتوں پر نہیں مثلاً:

(الف) نماز اور اس کی ہیئات، قیام، رکوع، سجود، قعود، نماز کا تکبیر سے شروع ہونا اور سلام پر ختم ہونا، اس کے معین اوقات اور اس کی اقسام یعنی فرض، سنت، نفل۔

(ب) زکوۃ، نصاب زکوۃ اور مقدار زکوۃ وغیرہ۔

(ج) روزہ، اس کا وقت، اس کے مفسدات اور اس کا کفارہ وغیرہ۔

(د) حج اور اس کے احکام، عمرہ اور اس کے افعال۔

(ہ) وضو اور اس کے متعلقات، غسل اور اس کے لواحقات و مسح و خفین وغیرہ۔

علاوہ زیں بے شمار چیزیں ایسی ہیں جو اسلامی عقائد کی طرح تعامل و توارث کے ذریعہ طبقہ در طبقہ اور نسل در نسل امت تک پہنچی ہیں، اب خود ہی انصاف فرمائیے کہ ان متواترات کے مقابلہ میں، جن کا نقش تعامل و توارث کی بدولت جریدۂ عالم پر ثبت ہے، انفرادی صحیفوں اور نوشتوں کی کیا قدر و قیمت ہے؟ اور اخبار و آحاد کا ان قطعیات کے سامنے جو پہاڑوں کی طرح راسخ ہیں، کیا درجہ ہے؟ یوں تکوینی تدابیر تحریری تدابیر سے مستغنی کر رہی تھیں۔

سبب ہفتم: عرب کا حافظہ

اہل عرب کیونکہ اُمّی قوم تھی، اس لئے وہ زبانی حفظ وضبط کے خوگر تھے، اور فطری طور پر ان کا ملکۂ یادداشت بڑا قوی تھا:

اولاً: تو ہر معاملہ اور ہر ضرورت میں یادداشت پر اعتماد کرنے اور اس کی بکثرت مشق و تمرین نے ان کی قوت حافظہ کو چار چاند لگا دیئے تھے۔

ثانیاً: فضا کی سازگاری، ماحول کے قوی تاثر، معیار زندگی کی سادگی اور مختصر اسباب معیشت نے اس میں مؤثر کردار ادا کیا، طویل قصائد کو ایک ہی مجلس میں یاد کر لینا، مختلف قبائل کے نسب ناموں کا ان کے نوک زبان ہونا اور سینکڑوں رجزیہ و رزمیہ اشعار کا ایک ایک کو یاد ہونا، ایک ایسی مسلّمہ حقیقت ہے جس میں کبھی دو رائیں نہیں ہوئیں، اور نہ یہ بات کسی دلیل و

سند کی محتاج ہے، ممکن ہے کہ ہم ''محدثین کے علمی نشاط'' اوران کے ''عالمی اسفار'' کے ضمن میں اس کا کچھ تذکرہ کریں۔

سبب ہشتم: ترغیب ودعاء نبوی

(الف) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی دعا ہے:

''اللہ تعالیٰ اس شخص کوتروتازہ رکھے جس نے میری بات سنی، اس کو خوب محفوظ کیااورجیساسناتھاہوبہوآگے پہنچادیا، کہ بہت سے وہ لوگ جن کو پہنچایا جائے وہ سننے والے سے زیادہ محفوظ رکھا کرتے ہیں''۔

یہ حدیث امام شافعی، احمد، دارمی، ابوداؤد، ترمذی، ابن ماجہ، ابن حبان، بزاراور بیہقی رحمہم اللہ نے (مدخل میں) حضرت عبداللہ بن مسعود، ابوسعید، زید بن ثابت، معاذ بن جبل، نعمان بن بشیر، جبیر بن مطعم، ابوالدرداءاورانس وغیرہ تقریباً تیس صحابہ (رضی اللہ عنہم اجمعین) سے روایت کی ہے، یہاں اس پر تفصیلی بحث کی گنجائش نہیں۔

اس نوع کی احادیث صحابہ کرامؓ کواحادیث کے سننے، یادکرنے اوردوسروں تک پہنچانے پر برانگیختہ کرتی تھیں، ناممکن تھا کہ اس کے بعدبھی وہ پیغام رسانی میں تساہل کریں، اوراحادیث کے حفظ وتبلیغ میں تغافل سے کام لیں۔

(ب) اورآنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی جانب سے نہایت تاکید تھی کہ خدا تعالیٰ اوررسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اس مقدس امانت کے ادا کرنے میں حددرجہ احتیاط سے کام لیا جائے، چنانچہ ارشاد ہے:

''من كذب علي متعمداً فليتبوا مقعده من النار''

ترجمہ: جس نے مجھ پرجھوٹ باندھا، وہ اپناٹھکانہ دوزخ کوبنائے۔

یہ بخاری شریف میں حدیث زبیرؓ کے الفاظ ہیں، اوریہ متواتر حدیث ہے جسے بشمول خلفاءراشدینؓ وعشرہ مبشرہؓ تقریباًایک سوصحابہؓ نے روایت کیاہے۔اورصحاح ستہ وغیرہ سب نے اس کی تخریج کی ہے، ''فتح الباری'' (کتاب العلم) اور''تدریب الراوی'' وغیرہ

ملاحظہ فرمایئے۔

(ج) نیز آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حکم فرمایا کہ جولوگ غیر حاضر ہیں انہیں یہ احادیث پہنچائی جائیں، چنانچہ صحیح بخاری ''کتاب العلم'' میں حدیث ابی بکرہ رضی اللہ عنہ کے الفاظ یہ ہیں:

''لیبلغ الشاهد الغائب فان الشاهد عسی ان یبلغ من هو اوعی له منه''

ترجمہ: جو حاضر ہے وہ غیر حاضر کو پہنچادے، کیونکہ بعید نہیں کہ حاضر ایسے شخص تک پہنچادے جو اسے اس سے زیادہ یاد رکھ سکے۔

الغرض آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا احادیث کے سامعین وحافظین کو بار بار دعائیں دینا، پھر ان کی تبلیغ وتعلیم کی ترغیب دلانا اور ساتھ ساتھ آپ کی طرف کسی غلط بات کے منسوب کرنے پر وعیدیں سنانا احادیث کے حفظ، ان کی روایت میں احتیاط اور ان کی تبلیغ کے لئے مستعد ہونے کا ایسا قوی ذریعہ تھا کہ وہاں ایک بھی چیز ضائع نہیں ہوسکتی تھی، اور آپ کے مخاطب وہ صحابہ تھے جن میں محبت وعظمت، ورع وتقوی، قوت حفظ، دین کا بے پناہ شوق وجذبہ اور امتثال حکم کی وہ صفات جمع تھیں کہ پوری انسانی تاریخ ان کی نظیر پیش کرنے سے عاجز ہے۔

(د) نیز آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''اے اللہ! میرے خلفاء پر رحمت فرما'' صحابہ نے عرض کیا ''یارسول اللہ! آپ کے خلفاء کون ہیں''؟ فرمایا: ''جو میری احادیث کی روایت کرتے ہیں اور لوگوں کو ان کی تعلیم دیتے ہیں''، یہ حدیث ''طبرانی نے ابن عباسؓ سے روایت کی ہے، شیخ عبدالعزیز فرہاویؒ نے ''کوثر النبی'' میں اسی طرح ذکر کیا ہے، اور ''کنز العمال'' میں یہ حدیث بروایت علیؓ، طبرانی فی الاوسط کی علامت سے درج ہے، نیز ابن عباسؓ کی روایت حضرت علیؓ سے بھی مذکور ہے، مزید تفصیل اس میں دیکھ لی جائے۔

(ہ) نیز آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا یہ ارشاد مروی ہے:

''یحمل هذا العلم من کل خلف عدوله ینفون عنه تحریف الغافلین، وانتحال المبطلین وتاویل الجاهلین''

ترجمہ: اس علم کو ہر آئندہ نسل کے عادل اور ثقہ لوگ اٹھائیں گے، وہ اس کو غلو کرنے

والوں کی تحریف، باطل پرستوں کے غلط دعووں اور جاہلوں کی غلط تاویل سے پاک وصاف کرتے رہیں گے۔

یہ حدیث حضرت اسامہ بن زید، علی، ابن عمر، ابن مسعود، ابن عباس، جابر بن سمرہ، معاذ بن جبل، ابوامامہ، اور ابوہریرہ رضی اللہ عنہم سے متعدد طرق سے مروی ہے، اور دار قطنیؒ، ابونعیمؒ، اور ابن عبدالبرؒ کی تصریح کے مطابق اگرچہ انفرادی طور پر اس کے تمام طرق ضعیف ہیں، لیکن مجموعی طور پر یہ حسن ہے، جیسا کہ علامہ علائیؒ نے تصریح کی ہے، یہ بات شیخ عبدالعزیز فرہاویؒ ملتانی نے ذکر کی ہے۔

بہر حال یہ احادیث اور مزید برآں وہ احادیث جو علم اور اہل علم کی فضیلت میں وارد ہوئی ہیں، حدیث نبوی کی نسیان وضیاع سے حفاظت کا مؤثر ذریعہ ہیں۔

ابتداء میں کتابت حدیث کی ممانعت کی دلیل اور اسکا جواب

لاریب کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے کتابت حدیث کی ممانعت ثابت ہے، اور اس باب میں سب سے صحیح وہ حدیث ہے جو حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ کی روایت سے مروی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

”لا تكتبوا عنّي، ومن كتب عني غير القرآن فليمحه، وحدثوا عني ولا حرج، ومن كذب على متعمدا فليتبوأ مقعده من النار“

ترجمہ: میری جانب سے کچھ نہ لکھو، اور جس نے میری جانب سے قرآن کے سوا کچھ لکھا وہ اس کو مٹا ڈالے، اور میری جانب سے احادیث روایت کرو، اور اس کا کوئی مضائقہ نہیں، اور جس نے مجھ پر عمداً جھوٹ باندھا وہ اپنا ٹھکانہ دوزخ بنائے۔

یہ حدیث امام مسلمؒ نے ”باب التثبت فى الحديث وحكم كتابة العلم“ میں اپنی کتاب کے آخری حصہ میں ”کتاب التفسیر“ سے کچھ قبل ذکر کی ہے، اور ابوعمرو بن عبدالبر نے بھی ”جامع بیان العلم“ کی جلد اول میں اسی کے مثل الفاظ میں روایت کی ہے، نیز ابن عبدالبر نے اس کو حضرت زید بن ثابتؓ اور حضرت علیؓ سے مرفوعاً اور حضرت عمرؓ سے

موقوفاً بھی روایت کیا ہے۔

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ کی حدیث کے بارے میں اوّل تو حافظ ابن حجرؒ فتح الباری (ج:۱ص:۱۸۵) میں فرماتے ہیں کہ:

''بعض نے حدیث ابی سعیدؓ کو معلول قرار دیتے ہوئے کہا ہے کہ صحیح یہ ہے کہ یہ حضرت ابوسعیدؓ پر موقوف ہے، یہ بات امام بخاریؒ وغیرہ نے کہی ہے''۔

راقم السطور عرض کرتا ہے کہ اسی علت کی بنا پر امام بخاریؒ نے اس کی تخریج نہیں کی، بلکہ صحیح بخاری میں ''کتابت حدیث'' کا باب قائم کر کے اس کے خلاف روایات کی تخریج کی ہے۔

امام نوویؒ فرماتے ہیں:

''اس حدیث کی مراد میں علماء نے اختلاف کیا ہے، چنانچہ کہا گیا ہے کہ یہ اس شخص کے حق میں ہے جسے اپنے حفظ پر اعتماد ہو، اور لکھنے کی صورت میں نوشتہ پر بھروسہ کر لینے کا اندیشہ ہو''۔

بعد ازاں موصوف نے وہ احادیث ذکر کی ہیں جن میں کتابت حدیث کا ذکر ہے اور کتابت کا حکم کیا گیا ہے، اور حافظ ابن عبد البرؒ کتابت کی ممانعت کے بارے میں صحابہ و تابعین کے چند اقوال ذکر کرنے کے بعد کہتے ہیں:

''جن حضرات نے کتابت علم کو ناپسند کیا ہے ان کی ناپسندیدگی کا منشا دو امر ہیں۔

اول: یہ کہ قرآن کے ساتھ کوئی ایسی کتاب تیار نہ کی جائے جو اس کے ہم سنگ ہو۔

دوم: یہ کہ تحریر کنندہ اپنی تحریر پر تکیہ کر کے حفظ کو نہ چھوڑ بیٹھے کہ اس سے یادداشت میں کمی واقع ہو جائے گی۔

چنانچہ خلیل رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

لیس بعلم ما حوی القمطر ما العلم الا ما حواہ صدر

ترجمہ: جو سفینوں میں ہو وہ علم نہیں، علم تو وہ ہے جو سینوں میں محفوظ ہو۔

اس مضمون کے چند اشعار نقل کرنے کے بعد کہتے ہیں، جس کا خلاصہ یہ ہے:

''جن حضرات نے بھی کتابت کو ناپسند کہا ہے، مثلاً ابن عباسؓ، شعبیؒ، ابن شہابؒ، نخعیؒ، قتادہؒ اور اس مسلک کے دیگر حضرات اس سلسلہ میں دو طریقۂ عرب پر چلے ہیں، ملکۂ یادداشت ان میں فطری اور طبعی تھا اور کسی چیز کو یاد رکھنے کے لئے انہیں ایک بار سننا کافی تھا، چنانچہ ابن شہابؒ فرماتے تھے کہ: ''میں بقیع سے گزرتا ہوں تو اپنے کان بند کر لیتا ہوں کہ مبادا کانوں میں کوئی بے ہودہ اور گندی بات گھس آئے، بخدا! کبھی ایسا نہیں ہوا کہ کوئی بات میرے کان میں پڑے اور پھر میں اسے بھول جاؤں''۔

امام شعبیؒ سے اسی قسم کا مضمون منقول ہے۔

اور قوت حافظہ عرب کی خصوصیت ہے، ان میں کا ایک بہت سے اشعار ایک ہی بار سن کر یاد کر لیتا تھا، دیکھئے یہ ابن عباسؓ ہیں آپ نے عمر بن ربیعہ کا قصیدہ "امن آل نعم انت غاد فمبکر" جو تقریباً ستر اشعار کا ہے، ایک بار سن کر یاد کر لیا تھا، اور آج کوئی بھی اس حالت پر قائم نہیں، چنانچہ جو حضرات کتابت کو پسند نہیں کرتے تھے، جب خود ضعف حافظہ کا شکار ہوئے تو انہیں کتابت کی فضیلت کا اقرار کرنا پڑا، اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ ؐ کے بعد کے حضرات نے کتابت علم کی اجازت دی ہے۔ (جامع بیان العلم ج:۱ ص:۹۸ ملخصاً مع زیادہ)

اور حافظؒ ''فتح'' میں منشائے ممانعت کے بارے میں چند امور نقل کرتے ہیں:

''اول: یہ ممانعت نزول قرآن کے وقت کے ساتھ مخصوص ہے، کیونکہ اس وقت غیر قرآن کے ساتھ قرآن کے خلط ملط ہو جانے کا اندیشہ تھا، اور دوسرے اوقات میں اجازت ہے۔

دوم: یہ ممانعت اس صورت میں ہے جب کہ حدیث کو قرآن کے ساتھ ملا کر ایک ہی چیز میں لکھا جائے۔

سوم: یہ ممانعت صرف اس شخص کے حق میں ہے جس کو اندیشہ ہو کہ وہ تحریر پر بھروسہ کر بیٹھے گا، زبانی یاد نہیں کرے گا۔

چہارم: یا کتابت کی اجازت سابقہ ممانعت کے لئے ناسخ ہے۔

پنجم: یا ممانعت کی حدیث معلول ہے، جیسا کہ پہلے گزر چکا ہے۔

بعدازاں حافظؒ فرماتے ہیں:

''لیکن جب ہمتیں پست ہوگئیں، اور ائمہ نے علم کے ضائع ہونے کا اندیشہ محسوس کیا تو اسے مدون کردیا، سب سے پہلے ابن شہاب نے حضرت عمر بن عبد العزیز کے حکم سے تدوین کا بیڑا اٹھایا، بعدازاں بکثرت کتابیں لکھی گئیں، اور اس سے بڑی خیر حاصل ہوئی، فللّٰه الحمد''۔

اور ابن حبانؒ فرماتے ہیں:

''آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے غیر قرآن کی کتابت سے جو منع فرمایا اس سے آپ کا مقصود احادیث کے زبانی یاد کرنے کی ترغیب دلانا تھا، تاکہ احادیث کے نوشتہ پر اعتماد کر کے ان کے حفظ وتفقہ کو ترک نہ کر دیا جائے، اس تاویل کی صحت کی دلیل یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت ابوشاہ صحابیؓ کو خطبۂ حجۃ الوداع لکھوانے کی اجازت دی، اور عبداللہ بن عمرؓ کو کتابت کا حکم فرمایا''۔

(صحیح ابن حبان ج:۱ ص:۲۲۳)

کتابت حدیث کی اجازت کے اسباب

راقم الحروف عرض کرتا ہے کہ ہم قبل ازیں ان آٹھ وجوہ کو تفصیل سے ذکر کر چکے ہیں جن کے پیش نظر کتابت حدیث کی ضرورت نہیں رہ جاتی تھی، ان میں سے بعض کی ان اکابر کے کلمات سے تائید ہوتی ہے، چنانچہ ابتدائی دور میں مصلحت کا تقاضا یہی تھا کہ احادیث سینوں میں محفوظ اور دلوں میں جاگزیں ہوں، ان کے عملی نقوش اعضاء وجوارح میں مرتسم اور مظاہر حیات میں جلوہ افروز ہوں، گویا اصل مقصد یہ تھا کہ صحابہ کرامؓ اسوۂ حسنہ اور احادیث مقدسہ

کے عملی نمونے پیش کریں، صرف احادیث کے جاننے اور کاغذوں میں قلمبند کر لینے پر قناعت کر کے فارغ نہ ہو جائیں، اور جب صفحات قلوب پر ان کے نقوش خوب اچھی طرح جم گئے تو اب حکمت اس امر کی متقاضی ہوئی کہ انہیں سینوں میں بھی منتقل کر دیا جائے، اور اس کے اسباب حسب ذیل تھے:

سبب اول: چونکہ کچھ عرصہ بعد کتابت کا روج عام ہو چکا تھا اور یہ اُمّی قوم بھی ارباب قلم وقرطاس کی صف میں شامل ہو چکی تھی، اس لئے اب کتابت احادیث کے حکم میں مشقت و دشواری کا پہلو باقی نہیں رہا تھا۔

سبب دوم: قرآن کریم کا معجزانہ اسلوب وانداز اور اس کا حیرت انگیز طرز تخاطب عام طور سے لوگوں کے دل ودماغ میں پختہ ہو چکا تھا، اور اب التباس واشتباہ کا اندیشہ باقی نہیں رہا تھا۔

سبب سوم: احادیث نبویہ قلوب میں خوب محفوظ ہو چکی تھیں، اور تحریر پر اعتماد کا اندیشہ زائل ہو چکا تھا۔

سبب چہارم: اس دور کے لوگوں کے لئے فریضہ تبلیغ زبانی روایت کے ذریعہ بخوبی ادا ہو سکتا تھا، اور دور مابعد کے لوگوں کے لئے تحریر کے ذریعہ، چنانچہ تحریر اُس پیغام کو آئندہ نسلوں تک پہنچانے کے لئے واضح ضمانت مہیا کرتی تھی، اور حافظ ابو عمرؒ "جامع بیان العلم" میں اپنی سند کے ساتھ "اسحاق بن منصور" سے نقل کرتے ہیں کہ:

> "میں نے امام احمد بن حنبلؒ سے عرض کیا کہ وہ کون لوگ ہیں جو علم کو قید تحریر میں لانا پسند نہیں کرتے؟ فرمایا: کچھ لوگوں نے اس کو پسند نہیں کیا، مگر دیگر حضرات نے اس کی اجازت دی ہے، میں نے عرض کیا: اگر علم کو مدون نہ کیا جاتا تو یا علم مٹ جاتا؟ فرمایا: جی ہاں! اگر علم کو تحریر نہیں کیا جاتا تو ہم کیا ہوتے؟ اور ہمارے پاس کیا رہ جاتا؟"

اور اس قسم کی بات اسحاق بن راہویہؒ نے بھی فرمائی ہے۔

سبب پنجم: اسلام کا زمانہ اور نبوت کا دور جس قدر طویل ہوتا گیا سنن نبویہ اور احادیث قولیہ وفعلیہ میں اسی نسبت سے اضافہ ہوتا رہا، (ظاہر ہے کہ نبوت کے سال اول میں جس قدر سنن نبویہ اور احادیث مبارکہ صادر ہوئیں ہوں گی نبوت کے سال دوم میں ان کی کم از کم تعداد دو چند ہوگی، اسی سے قیاس کیا جا سکتا ہے کہ نبوت کے آخری سال میں سنین سابقہ کی احادیث سے مل کر کتنی زیادہ ہوگئی ہوں گی؟) اس لئے یہ کثرت اس امر کو مقتضی تھی کہ احادیث کو قید کتابت اور ضبط تحریر میں لایا جائے تاہم زبانی روایت کا سلسلہ بدستور قائم تھا اسی کے ساتھ آخر میں تحریری ضبط کا سلسلہ بھی شروع ہوا۔

ان سطور کے لکھنے کے بعد دیکھا کہ یہی بات امام ابن قتیبہؒ نے اپنی کتاب ''مختلف الحدیث'' میں ذکر کی ہے چنانچہ وہ فرماتے ہیں:

> ''ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ابتداء میں آپؐ نے اپنے اقوال کی کتابت سے منع فرمایا تھا، بعد ازاں جب محسوس فرمایا کہ سنن کی تعداد زیادہ ہو چکی ہے اور ان کی حفاظت کے فوت ہو جانے کا احتمال ہے تو کتابت کی اجازت دی''۔ (فللہ الحمد علی هذا التوارد)

اور حافظ بدرالدین عینیؒ ''عمدہ'' میں تحریر فرماتے ہیں:

> '' بیشتر صحابہ وتابعین نے اس کی اجازت دی ہے، اور اس پر اتفاق ہو چکا ہے اور کثرت طرق، طول اسانید، اشتباہ اقوال نیز قلت حفظ اور سوء فہم کی بناء پر ضرورت بھی اس کی داعی ہے۔''

سبب ششم: کتابت کی ممانعت کا ایک مقصد یہ تھا کہ صحابہ کرامؓ میں احادیث کے زبانی یاد کرنے کا چرچا ہو، وہ بغیر کسی کتاب کی مدد کے احادیث کا مذاکرہ کریں، احادیث مسموعہ کا خوب اہتمام کریں، اور تمام احادیث کو ذہن وقلب میں راسخ کرنے کی مشق کریں، اور جب یہ مقصد حاصل ہو چکا، ایک سینہ سے دوسرے سینہ میں علوم منتقل کرنے کی خوب مشق ہوگئی، اور وہ زبانی روایت اور قلبی یادداشت کے خوگر ہو گئے تو مناسب تھا کہ انہیں ضبط

تحریر کے فوائد بھی حاصل ہو سکیں۔

سبب ہفتم: آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو معلوم تھا کہ صحابہ کرامؓ غزوۂ وجہاد اور فتح بلاد کی مہمات میں مشغول ہوں گے، انہیں طویل وبعید، بری وبحری سفر کرنا ہوں گے، اور بہت سے حضرات غزوات وفتوحات میں جام شہادت نوش کریں گے اور انہیں تعلیم وتلقین کے لئے یکسوئی اور فرصت میسر نہیں آئے گی اس لئے اخیر میں کتابت کا جو حکم دیا گیا اس سے مقصد یہ تھا کہ سینوں کے دفینے اور دلوں کے خزینے ضائع ہو کر نہ رہ جائیں، بلکہ سینوں کی امانت صفحات اوراق میں بھی محفوظ کر دی جائے، تاکہ نسل درنسل یہ امانت منتقل ہوتی چلی جائے۔

بہرحال جس طرح ابتداءً کچھ عوامل عدم تحریر کو مقتضی تھے اسی طرح اخیر میں کچھ عوامل ایسے پیدا ہو گئے تھے جو تحریر وکتابت کو مقتضی ہوئے، اب مناسب ہوگا کہ ہم حدیث کی تصریحات اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ارشادات سے تحریر وکتابت کا ثبوت مہیا کریں، بعد ازاں ان صحائف نبویہ کا ذکر کریں جو صدقات ودیات کے احکام پر مشتمل تھے، نیز حدیث نبوی کے ان مجموعوں کا ذکر کریں جو صحابہ کرامؓ نے زمانۂ نبوت میں یا بعد میں مرتب کئے تھے، تاکہ یہ امر روز روشن کی طرح واضح ہو جائے کہ قدیم تر عہد سے لیکر زمانۂ تدوین وتالیف کے آخر تک احادیث کے حفظ وضبط کا عمل مسلسل اور پیہم جاری رہا ہے، اور اس میں کبھی انقطاع نہیں ہوا، جس سے ایک انصاف پسند متلاشی حق کے تمام شکوک زائل ہو جائیں گے، اور واضح حقائق کی بنا پر اسے ثلج صدر اور قلبی اطمینان کی دولت میسر آئے گی، واللہ ولی التوفیق والاعانۃ وبیدہ الھدایۃ والابانۃ۔

کتابت حدیث کی اجازت اقوال نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم روشنی میں

① حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے جو کچھ سنتا تھا اسے یادداشت کے لئے لکھ لیا کرتا تھا، قریش نے مجھے اس سے منع کیا اور کہا: ''تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سنی ہوئی ہر بات کو لکھ لیتا ہے، حالانکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بھی انسان ہیں، آپ کبھی غصہ کی حالت میں کچھ فرماتے ہیں اور کبھی رضا وخوشی کی حالت میں''، چنانچہ

قریش کی اس فہمائش پر میں نے لکھنا ترک کر دیا، اور رسول اللہ ﷺ سے اس کا تذکرہ کیا، پس آنحضرت ﷺ نے انگشت مبارک سے دہن مبارک کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا: ''لکھا کرو، پس قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضہ میں میری جان ہے، اس منہ سے بجز حق کے کوئی بات صادر نہیں ہوتی''۔

(دارمی، واللفظ لہ، ابوداؤد واخرجز ثانی، ابن عبدالبر: جامع بیان العلم)

② حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ وہ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا: ''یارسول اللہ! میں چاہتا ہوں کہ آپ کی احادیث روایت کیا کروں، پس میرا ارادہ ہے کہ اگر آپ اجازت دیں تو میں اپنے دل کے ساتھ اپنے ہاتھ کی تحریر سے بھی مدد لیا کروں''، پس رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''اگر میری حدیث ہو تو اپنے دل کے ساتھ اپنے ہاتھ سے بھی مدد لیا کرو''۔ (دارمی)

③ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ انصار کا ایک شخص رسول اللہ ﷺ کی مجلس میں حاضر ہوتا اور نبی کریم ﷺ کی حدیث سنتا تو اسے بہت پسند آتی، مگر یاد رکھنے سے معذور تھا، اس نے رسول اللہ ﷺ سے اس کی شکایت کرتے ہوئے عرض کیا: ''یارسول اللہ! میں آپ سے حدیث سنتا ہوں تو بڑی اچھی لگتی ہے مگر یاد نہیں رہتی''، رسول اللہ ﷺ نے اپنے دست مبارک سے تحریر کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا: ''اپنے دائیں ہاتھ سے مدد لے لیا کرو''۔ (ترمذی، کتاب العلم)

④ حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً روایت ہے کہ آپ نے فرمایا: ''علم کو قید کیا کرو''، عرض کیا: ''قید کرنے کی کیا صورت ہے''؟ فرمایا ''تحریر''۔

(طبرانی، معجم کبیر واوسط)

⑤ رافع بن خدیج رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ انہوں نے عرض کیا: ''یارسول اللہ! ہم آپ کے بہت سے ارشادات سنتے ہیں، کیا انہیں لکھ لیا کریں''؟ فرمایا ''کوئی حرج نہیں''۔

(طبرانی فی الکبیر)

⑥ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک شخص نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے حافظہ کی خرابی کی شکایت کی، آپ نے فرمایا: "اپنے ہاتھ سے مدد لو"۔ (طبرانی: معجم اوسط)

⑦ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک شخص نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں سوءِ حفظ کی شکایت کی، آپ نے فرمایا: "یادداشت کے لئے اپنے ہاتھ سے مدد لو"۔ (بزار)

⑧ ثمامہ بن انس بن مالک رحمہ اللہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: "علم کو تحریر کے ذریعہ ضبط کیا کرو"۔ (رواہ ابن عبد البر: قلت وھو مرسل)

⑨ صحیح بخاری کتاب العلم (ج:۱ ص:۲۲) میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے ایک طویل حدیث میں مروی ہے کہ "اچانک آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں یمن کا ایک شخص حاضر ہوا، پس اس نے کہا: "یارسول اللہ! میرے لئے اس کو لکھوا دیجئے"، فرمایا: "ابو فلاں کو لکھ کر دیدو"، ان صحابی کا نام ابوشاہ تھا، جیسا کہ خود بخاری شریف "کتاب اللقطۃ" میں تصریح ہے کہ "ابوشاہ اٹھے۔۔۔۔۔۔ اور اس روایت میں یہ اضافہ بھی ہے کہ راوی کہتا ہے میں نے اوزاعیؒ سے عرض کیا کہ ان صحابی نے جو عرض کیا: "مجھے لکھ دو" اس کا کیا مطلب ہے؟ امام اوزاعیؒ نے فرمایا کہ جو خطبہ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سنا تھا اس کے لکھوانے کی درخواست کی تھی۔

⑩ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً مروی ہے کہ "جب تم حدیث لکھو تو سند ساتھ لکھا کرو"، یہ حدیث علامہ سیوطیؒ نے "تدریب الراوی" (ص:۲۸۶) میں "مسند دیلمی" کے حوالے سے ذکر کی ہے، اور "کنز العمال" میں "مستدرک ابونعیم" اور "ابن عساکر" کے حوالے سے مذکور ہے، اور اس میں یہ اضافہ بھی نقل کیا ہے کہ "اگر وہ صحیح ہوئی تو تم سب اجر میں شریک ہوگے، اور غلط ہوئی تو اس کا بار اسی گردن پر ہوگا"۔

حضرت عمرؓ کا ارشاد ہے: "علم کو بذریعہ تحریر ضبط کرو"۔

(دارمی، ابن عبد البر، جامع بیان العلم)

⑪ حضرت ابن عمرؓ کا قول ہے: ''علم کو بذریعہ تحریر ضبط کرو''۔ (دارمی)

⑫ ثمامہ ابن انس اپنے والد حضرت انسؓ سے روایت کرتے ہیں کہ وہ اپنے صاحبزادوں سے فرمایا کرتے تھے: ''میرے بیٹو! علم کو ضبط تحریر میں لایا کرو''۔

(دارمی، ابن عبدالبر: جامع بیان العلم)

⑬ ہارون بن عنترہ اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ حضرت ابن عباسؓ نے انہیں کتابت کی اجازت دی تھی۔

حضرت عمر، ابن عمر، ابن عباس اور حضرت انس (رضی اللہ عنہم) کے ارشادات مرفوع احادیث کے ساتھ ملائے جائیں تو کتابت حدیث کی اجازت واباحت اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی جانب سے اس کے حکم پر چودہ دلائل ہوتے ہیں، اسی بنا پر علامہ سیوطیؒ نے تدریب میں نقل کیا ہے کہ کتابت حدیث کی اجازت حضرت عمر، علی، حسن بن علی، ابن عمرو، انس، جابر، ابن عمر، حسن، عطاء، سعید بن جبیر اور عمر بن عبدالعزیز (رضی اللہ عنہم) سے ثابت ہے، سیوطیؒ کہتے ہیں کہ قاضی عیاضؒ نے اکثر صحابہ وتابعین کا یہی مذہب نقل کیا ہے۔

واضح بات ہے کہ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کتابت کی اجازت دی یا کسی کو کتابت کا حکم فرمایا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کی تعمیل میں تحریر کا رواج ایک منطقی بات تھی، اگرچہ ان نوشتوں کی حقیقت مخصوص بیاضوں اور مذکرات کی تھی، اب آئندہ سطور میں عہد نبوی اور مابعد کے ان نوشتوں کے صورت پر بحث کرتے ہوئے ہم بتائیں گے کہ ان کے انمٹ نقوش وآثار کس طرح باقی رہے، جن کو استشراقی غوغا محو نہیں کرسکتا۔

باب نہم

دور رسالت اور عہد صحابہ رضی اللہ عنہم کے چند حدیثی مجموعے

① صحیفۂ عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ: اصحاب نبی صلی اللہ علیہ وسلم میں کوئی شخص ایسا نہیں جو مجھ سے زیادہ حدیثیں جانتا ہو، ہاں عبداللہ بن عمرو ہو سکتے ہیں، کہ وہ لکھ لیا کرتے تھے اور میں نہیں لکھا کرتا تھا۔

[صحیح البخاری، ص: ۲۲، جلد: ۱، باب کتابۃ العلم، مسند دارمی، ابن عبدالبر وغیرہ]

حافظ ابن عبدالبر کی کتاب ''الاستیعاب'' کی روایت میں یہ اضافہ ہے:

''کیونکہ احادیث کو زبانی یاد وہ بھی کرتے تھے اور میں بھی کرتا تھا، مگر وہ لکھ لیتے تھے اور میں لکھتا نہیں تھا، انہوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے لکھنے کی اجازت چاہی تھی اور آپؐ نے انہیں اجازت دے رکھی تھی''۔

اور ''فتح الباری'' میں ''مسند احمد'' سے اور ''بیہقی'' کی ''المدخل'' سے حضرت ابو ہریرہؓ کی یہ حدیث بایں الفاظ نقل کی ہے:

''کیونکہ وہ اپنے ہاتھ سے لکھتے تھے اور دل سے یاد کرتے تھے، اور میں صرف دل سے یاد کرتا تھا اور لکھتا نہیں تھا''۔

حافظؒ نے اس کی سند کو ''حسن'' کہا ہے، نیز ''عمدۃ القاری'' (ص: ۵۷۵، ج: ۱) اور مجمع الزوائد (ص: ۱۵۱، ج: ۱) میں بھی اسی کی مثل ہے۔

قبل ازیں حضرت عبداللہ بن عمروؓ کی روایت سے تین قولی احادیث گزر چکی ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں احادیث کی کتابت کا حکم فرمایا، چنانچہ ارشاد نبوی کی تعمیل میں حضرت عبداللہ نے ان تمام احادیث کو قلمبند کرنا شروع کیا جو وہ براہ راست آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے سنتے تھے، ان احادیث کا جو مجموعہ انہوں نے مدون کیا تھا اسے وہ ''الصادقہ'' کے نام سے یاد کرتے تھے، چنانچہ مسند دارمی، طبقات ابن سعد اور جامع ابن عبدالبر میں حضرت عبداللہ بن عمروؓ کا ارشاد مروی ہے، مندرجہ ذیل الفاظ دارمی کی روایت کے ہیں کہ:

''مجھے زندہ رہنے کی خواہش ہے تو صرف "الصادقه" اور "الوهط" کی وجہ سے ہے''۔

''الصادقہ'' تو وہ صحیفہ ہے جو انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے (سن کر) لکھا تھا، اور ''الوہط'' وہ زمین تھی جو (ان کے والد ماجد) حضرت عمرو بن عاصؓ نے وقف کی تھی، اور یہ اس کے نگران تھے۔

اور ''طبقات ابن سعد'' (ص: ۲۶۲، ج: ۴، ط: مصر) میں حضرت مجاہدؒ سے نقل کیا ہے کہ:

''میں نے حضرت عبداللہ بن عمروؓ کے پاس ایک صحیفہ دیکھا، میں نے اس کے بارے میں ان سے دریافت کیا تو فرمایا: ''یہ ''الصادقہ'' ہے، جس میں وہ احادیث درج ہیں جو میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنیں، اور میرے اور آپ کے درمیان کسی کا واسطہ نہیں''۔

ایک اور روایت میں ہے کہ:

''عبداللہ بن عمروؓ فرماتے ہیں: میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے اجازت طلب کی کہ آپ سے مسموعہ احادیث کو قلمبند کرلیا کروں، آپ نے اجازت مرحمت فرمائی، تو میں نے احادیث لکھ لیں''

چنانچہ حضرت عبداللہ نے اس صحیفہ کا نام ''الصادقہ'' رکھا۔

تنبیہ اوّل

سیدنا عبداللہ بن عمروؓ کو زندگی کی رغبت محض دو چیزوں کے لئے تھی:

① ایک اس علم سنت کی نشر واشاعت جو انہوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے بلا واسطہ اخذ کیا تھا، یہ اشاعت علم کی وہ حرص ہے جو قابل رشک ہے۔

② اور دوسری چیز اس زمین کی دیکھ بھال کرنا جو ان کے والد ماجد حضرت عمرو بن عاصؓ نے وقف کی تھی۔ اور ان کو اس کا متولی بنا گئے تھے، حضرت عبداللہؓ اس کو اللہ کی راہ میں خرچ کرتے تھے۔

گویا دو قابل رشک نعمتیں انہیں حاصل تھیں، علم دین کی تعلیم واشاعت اور اللہ کے راستے میں مال خرچ کرنا، زندگی ایسے قابل رشک اوصاف وخصائل کے لئے وقف ہو تو اس کے لذیذ ومرغوب ہونے میں کیا شک ہے؟

ان دو باتوں کا قابل رشک نعمت ہونا بخاری ومسلم کی متفق علیہ حدیث سے ثابت ہے، امام بخاریؒ نے یہ حدیث متعدد ابواب میں درج کی ہے، اور کتاب العلم "باب الاغتباط فی العلم والحکمة" میں یہ حدیث ان الفاظ میں ذکر کی ہے:

"لاحسد الّا فی اثنتین، رجل آتاه الله مالا فسلطه علی هلكته فی الحق، و رجل آتاه الله الحكمة فهو يقضی بهاو يعلمها."

ترجمہ: آدمی رشک کرے تو دو چیزوں میں کرے، ایک وہ شخص جسے اللہ تعالیٰ نے مال عطا فرمایا، پھر راہ حق میں اس کے خرچ کرنے پر اس کو مقرر فرمایا، دوسرا وہ شخص جسے اللہ تعالیٰ نے دین کا علم دے رکھا ہے، وہ اس کے مطابق فیصلے کرتا ہے اور لوگوں کو اس کی تعلیم دیتا ہے۔

پس روحانی خصلت علم تھی اور مادّی خصلت مال اور دونوں کا نتیجہ خالص روحانیت۔

تنبیہ دوم

''الوہط'' وہ زمین تھی جو حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ کو غزوۂ خیبر میں حاصل ہوئی تھی، یہی سب سے قیمتی چیز تھی جو اسلام لانے کے بعد ان کی مِلک میں آئی تھی، چنانچہ انہوں نے یہ فی سبیل اللہ وقف کردی، جیسا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو ''ثمغ'' نامی زمین حاصل ہوئی تو انہوں نے وقف کردی، یہ تھا حضرات صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کا حال اوران کی زندگی کا نقشہ کہ وہ اس نوع کی خیرات وحسنات میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیتے ہیں اور ایک دوسرے سے گوئے سبقت لے جانا چاہتے ہیں۔

تنبیہ سوم

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ علم کی نشرواشاعت، عبادت گذاری، صوم وصلوۃ اور تلاوت قرآن میں بڑا امتیازی مقام رکھتے تھے، سریانی لغت کے بھی عالم تھے، جیسا کہ ابن قتیبہؒ نے ''مختلف الحدیث'' میں اور ابن سعد نے ''طبقات'' میں ذکر کیا ہے۔

تنبیہ چہارم

امام بقی بن مخلد اندلسیؒ اور مابعد کے محدثین (سیوطیؒ تک) نے کہا ہے کہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی مرویات کی تعداد (۵۳۷۴) ہے، اور ظاہر ہے کہ یہ ان احادیث کی تعداد ہے جوامت تک پہنچی، ورنہ خدا جانے حدیث نبوی کا کتنا ذخیرہ ان کے سینے میں محفوظ ہوگا، خود انہیں کا بیان ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے (سن کر علم کے) دو خزانے (دعائیں) محفوظ کئے ہیں، ایک کو تو میں نے لوگوں میں پھیلا دیا ہے اور دوسرے کا اگر اظہار کروں تو یہ گلا کٹ جائے۔ [صحیح بخاری]

اس دوسرے برتن سے مراد ''فتن وملاحم'' اور جنگ وقتال کے وہ افسوسناک واقعات ہیں، جن کا اظہار اگر قبل از وقت کردیا جاتا تو بیشتر لوگ ان کا استقبال رد وانکار کی صورت میں کرتے، جیسا کہ حافظ ابن کثیرؒ نے اپنی تاریخ (ص:۱۰۶، ج:۸) میں ذکر کیا ہے

اور یہی مضمون حافظؒ نے فتح الباری (ص: ۱۹۳، ج: ۱) کتاب العلم میں بیان کیا ہے، یہاں سے حدیث نبوی کی کثرت کا اندازہ ہوتا ہے، اور یہ بھی واضح ہوجاتا ہے کہ آنحضرت ﷺ نے کتابت حدیث کا جو حکم فرمایا اس میں کیا راز تھا۔

اب اس امر پر غور کیجئے کہ حضرت ابوہریرہؓ غزوۂ خیبر کے بعد اسلام لائے اور انہیں آنحضرت ﷺ کی پاک صحبت میں رہنے کا موقعہ کل تین سال ملا، مگر چونکہ انہوں نے بھوک و پیاس سے بے نیاز ہوکر اپنے تمام اوقات کو حفظ حدیث کے لئے فارغ کرلیا تھا، اس لئے وہ اس قدر احادیث کے حافظ ہوگئے، ادھر عبداللہ بن عمروؓ ان سے قدیم الاسلام ہیں، اور صحبت نبوی سے مستفید ہونے کا موقعہ بھی ان کو زیادہ ملا، وہ اپنے والد عمرو بن عاصؓ سے قبل اسلام لائے تھے، جیسا کہ ابن عبدالبرؒ اور ابن حجرؒ وغیرہ نے ذکر کیا ہے، مزید برآں یہ کہ وہ دل سے بھی یاد کرتے ہیں، اور ہاتھ سے بھی لکھتے ہیں، چنانچہ خود حضرت ابوہریرہؓ کو اعتراف ہے کہ وہ (عبداللہ بن عمروؓ) زیادہ احادیث جانتے ہیں کیونکہ وہ لکھتے تھے اور یاد بھی کرتے اور میں صرف یاد کرتا لکھتا نہیں تھا، بہرحال ان حقائق کا منطقی نتیجہ یہ ہے کہ حضرت عبداللہ بن عمروؓ کے مدون کردہ صحیفہ ''الصادقہ'' کی احادیث حضرت ابوہریرہؓ کی مرویات سے لامحالہ زیادہ ہوں گی، گویا ہم کہہ سکتے ہیں کہ عہد نبوت میں صرف اس ''الصادقہ'' کے ذریعہ صحیح بخاری کی روایات سے دو چند یا اس سے بھی زیادہ احادیث کو مدون کردیا گیا تھا کیونکہ صحیح بخاری کی غیر مکرر احادیث جیسا کہ حافظ نے ''فتح الباری'' اور اس کے مقدمہ ''ہدی الساری'' میں تحقیق کی ہے (۲۵۱۳ یا ۲۵۰۲) ہیں (دیکھئے فتح الباری ص: ۸۷، ج: ۱، نیز ہدی الساری اور ''عمدہ'') یعنی حضرت ابوہریرہؓ کی مرویات صحیح بخاری کی دو چند روایات سے بھی زیادہ ہیں، تو بالکل واضح بات ہے کہ صحیفہ ''الصادقہ'' کی احادیث صحیح بخاری کی احادیث کے سہ چند سے بھی لامحالہ زیادہ ہوں گی۔

حافظ ابن عبدالبرؒ ''الاستیعاب'' میں شفی الاصبحی سے روایت کرتے ہیں کہ حضرت عبداللہ بن عمرو بن عاصؓ نے فرمایا: ''ہزار امثال ہیں''، ابن اثیرؒ نے ''اسد الغابہ'' میں یہ روایت

ذکر کی ہے، جب عبداللہ بن عمروؓ نے آنحضرت ﷺ سے صرف امثال یا وہ احادیث جو ضرب المثل کی حیثیت رکھتی ہیں، ایک ہزار کی تعداد میں محفوظ کیں، تو اندازہ کیجئے کہ ان کی کل احادیث جو انہوں نے آنحضرت ﷺ سے سن کر قلم بند کیں، ان کی تعداد کتنی ہوگی؟

حضرت عبداللہ بن عمروؓ نے احادیث نبویہ کے اس مقدس مجموعے کا نام ''الصادقہ'' رکھا، یہ واقعہ کی کتنی حسین تعبیر تھی، الصادق المصدوق ﷺ کے کلمات طیبات کا مجموعہ بلاشبہ ''الصادقہ'' کہلانے کا مستحق تھا، احادیث نبویہ کے سب سے پہلے مجموعہ کا یہ عجیب و غریب اور اپنی نوعیت کا پہلا نام اگر ایک طرف حدیث نبوی کے تقدس اور اس کی قدر و منزلت کی طرف اشارہ کرتا ہے، تو دوسری طرف اس جلیل القدر صحابی کے کمال ذوق کی جانب بھی رہنمائی کرتا ہے۔

تمام محدثین بالاتفاق ذکر کرتے ہیں کہ یہ صحیفہ ''الصادقہ'' شعیب بن محمد بن عبداللہ نے اپنے جدامجد (جو ''الصادقہ'' کے مؤلف ہیں) سے اخذ کیا تھا، اور شعیب سے ان کے صاحبزادے عمرو اسی ''الصادقہ'' کی روایت کرتے ہیں، اس لئے ''عمرو بن شعیب عن ابیه عن جده'' کا سلسلہ سند اسی ''الصادقہ'' پر منتہی ہوتا ہے، نیز محدثین یہ بھی ذکر کرتے ہیں کہ شعیب کا سماع اپنے جدامجد عبداللہ بن عمرو (مؤلف الصادقہ) سے صحیح ہے اور اس میں انقطاع نہیں، جب یہ سماع صحیح ہے تو ''الصادقہ'' کا اخذ وجادہ ''صحیحہ'' کہلائے گا، اور جادہ کی صورت میں حدیث کا اخذ و تحمل جمہور کے نزدیک صحیح اور حجت ہے۔

چنانچہ ''عمرو بن شعیب عن ابیه عن جده'' کے سلسلہ سند کے بارے میں امام بخاریؒ فرماتے ہیں کہ:

''میں نے احمد بن حنبلؒ، حمیدیؒ، ابوعبیدؒ، اسحاق بن راہویہؒ اور ابن المدینیؒ کو دیکھا کہ وہ اس سلسلۂ سند کو حجت قرار دیتے ہیں''۔

بعد ازاں امام بخاریؒ تعجب کے انداز میں فرماتے ہیں کہ:

''ان حضرات کے بعد اور کون باقی رہا (جس کے قول کو حجت تسلیم کیا جائے؟)''

نیز وہ فرماتے ہیں کہ:

''مسلمانوں میں سے کسی نے بھی اس سند کو ترک نہیں کیا''۔

جیسا کہ حافظؒ نے ''تہذیب'' میں اور نوویؒ نے ''مقدمہ شرح مہذب'' میں ذکر کیا ہے۔

بہرحال حضرت عبداللہ بن عمروؓ کا جمع کردہ یہ حدیثی مجموعہ ''الصادقہ'' ان کے پوتے شعیب اور پڑپوتے عمرو بن شعیب کے زمانے تک محفوظ رہا، اور ٹھیک یہ وہی زمانہ ہے جس میں تمام عالم اسلام میں تدوین حدیث کا کام ہوا، کیونکہ ان کی وفات ۱۱۸ھ میں ہوئی، اور پہلی صدی کے خاتمہ پر حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کے حکم سے تدوین حدیث کا کام شروع ہوا۔

افسوس ہے کہ یہ مجموعہ ضائع ہوگیا، کہا جاتا ہے کہ یہ جل گیا تھا، اور عمرو بن شعیب کے بعد امت اس سے مستفید نہ ہوئی، غالباً حق تعالیٰ کی تکوینی مصلحت ہی اس کے ضیاع کو مقتضی تھی، جیسا کہ ہم قبل ازیں اس کی حکمت پر روشنی ڈال چکے ہیں، الغرض یہ صحیفہ ''الصادقہ'' جو دورِ نبوی میں مدون ہوا، احادیث نبوی کی ایک بہت بڑی مقدار کی محافظت کا ضامن تھا، زبانی یادداشت، قوت حافظہ اور حفظ حدیث کی مشق مزید برآں تھی، مثلاً دیکھئے حضرت ابوہریرہؓ نے اپنی رات کو تین حصوں میں تقسیم کر رکھا تھا، ایک حصہ آرام کے لئے، ایک حصہ نماز اور تلاوت قرآن کے لئے، ایک حصہ احادیث نبویہ کے دور کے لئے، تاکہ انہیں بھول نہ جائیں، اور وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد نصف صدی کی طویل مدت تک بقید حیات رہے، حافظ ابن کثیرؒ اپنی تاریخ کی آٹھویں جلد میں ابن جریج کی سند سے روایت کرتے ہیں کہ حضرت ابوہریرہؓ نے فرمایا:

''میں رات کے تین حصے کرتا ہوں، ایک حصہ میں قرآن مجید کی تلاوت کرتا ہوں، ایک حصہ آرام کرتا ہوں اور ایک حصہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث کا دور کرتا ہوں''۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں حضرت ابوہریرہؓ عشاء کے بعد سونے سے

پہلے احادیث نبوی یاد کیا کرتے تھے، اسی بنا پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کو حکم فرمایا تھا کہ وہ سونے سے پہلے وتر پڑھا کریں، کیونکہ عشاء کے بعد دیر تک احادیث کے یاد کرنے میں مشغول رہتے تھے، اس لئے صبح سے پہلے آنکھ نہ کھلنے کا احتمال تھا۔

بہر حال ''الصادقہ'' زمانہ تدوین اور حفظ و کتابت کے درمیان نقطۂ اتصال ہے، اور یہ ''وجادہ'' کی اقسام کی سب سے اعلیٰ، سب سے صحیح اور سب سے قوی صورت رکھتا ہے، دنیا کے کسی صحیفے کا ''وجادہ'' اس کا مقابلہ نہیں کرتا ہے، اور جب عمرو بن شعیب کا سماع اپنے والد سے اور ان کا اپنے دادا سے چند احادیث میں صحیح ہے، جو شعیب بن محمد نے اپنے دادا عبداللہ بن عمرو سے اخذ کی ہیں، تو بقیہ احادیث کے اس صحیفہ سے اخذ و روایت میں قطعاً کوئی شک نہیں۔

تنبیہ پنجم

اس میں شک نہیں کہ حضرت عبداللہ بن عمروؓ کی روایت سے امت اس قدر منتفع نہیں ہوئی جتنا کہ حضرت ابوہریرہؓ کی روایت سے، حافظؒ نے ''فتح الباری'' (ج:۱، ص:۱۸۴) میں اس کے متعدد اسباب و وجوہ ذکر کئے ہیں:

اول: یہ کہ حضرت عبداللہ بن عمرؓ و تعلیم سے زیادہ عبادت میں مشغول رہتے تھے، اس لئے ان سے روایت کم ہوئی۔

دوم: یہ کہ فتح ممالک کے بعد ان کا قیام بیشتر مصر یا طائف میں رہا، اور طلبہ کے لئے ان شہروں میں سفر کرنا اتنا آسان نہیں تھا جتنا کہ مدینہ کی طرف، اور حضرت ابوہریرہؓ تاحین حیات مدینہ طیبہ میں مشغول فتویٰ و تحدیث رہے، اس بنا پر حضرت ابوہریرہؓ سے استفادہ کرنے والوں کی کثرت تھی، چنانچہ امام بخاریؒ نے ذکر کیا ہے کہ ان سے ۸۰۰ رتابعین نے روایت کی ہے، اور اتنے راوی کسی دوسرے صحابی کے نہیں۔

سوم: یہ کہ حضرت ابوہریرہؓ کے حق میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خصوصی دعا تھی کہ آپ کی احادیث ان کو بھولیں نہیں۔

چہارم: یہ کہ ملک شام میں حضرت عبداللہ بن عمروؓ کو اہل کتاب کی کچھ کتابیں مل گئی

تھیں، جن کا وہ مطالعہ کرتے تھے، اور ان کی کچھ چیزیں بیان بھی کر دیتے تھے، اس بنا پر بہت سے ائمہ تابعین نے ان سے اخذ روایت میں پرہیز کیا (تا کہ کہیں حدیث نبوی کا اہل کتاب کے قصے کہانیوں سے اشتباہ نہ ہو جائے) بہر حال حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ کی جو مرویات امت تک پہنچی ہیں ان کی تعداد سات سو ہے، ان میں سترہ احادیث بخاری مسلم کی متفق علیہ ہیں، ایک سو احادیث صرف بخاری میں، مسلم میں نہیں، اور بیس احادیث مسلم میں ہیں، بخاری میں نہیں۔ [عمدۃ القاری ج:۱ ص:۵۷۵]

② صحائف صحابہ رضی اللہ عنہم

مسند دارمی میں حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

''ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے گرد کتابت میں مشغول تھے، اتنے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا گیا کہ ان دو شہروں میں سے پہلے کونسا فتح ہوگا، قسطنطنیہ یا روم؟ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''نہیں بلکہ ہرقل کا شہر''۔

اس روایت سے ثابت ہوتا ہے کہ عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ وکتابت حدیث میں منفرد نہیں تھے بلکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے گرد صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی ایک مستقل جماعت احادیث لکھنے میں مشغول رہا کرتی تھی، جس کے معنی یہ ہے کہ دور نبوی میں ایک نہیں بلکہ احادیث کے متعدد مجموعے مدون کئے گئے، اس کی تائید اس روایت سے بھی ہوتی ہے جو ہیثمی نے ''مجمع الزوائد'' (ج:۱ ص:۱۵۲) میں حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ سے نقل کی ہے، وہ فرماتے ہیں کہ:

''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ میں سے کچھ لوگ آپ کی خدمت میں حاضر تھے جن میں میں بھی شریک تھا، اور میں ان سب سے کمسن تھا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''جس نے مجھ پر عمداً جھوٹ بولا وہ اپنا ٹھکانہ جہنم بنائے''۔ جب یہ لوگ مسجد نبوی سے باہر نکلے تو میں نے ان سے کہا کہ: ''آپ حضرات نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد سن لیا ہے، اب تم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث کیونکر روایت کر سکتے ہو؟ (کیونکہ روایت میں الفاظ کی کمی بیشی کا احتمال ہے اور اس پر آپ

نے جہنم کی وعید سنائی ہے) حالانکہ آپ حضرات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی احادیث کے روایت کرنے میں منہمک رہے ہیں''، میری بات سن کر وہ ہنسے اور بولے: ''بھتیجے! ہم نے جو احادیث آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سنی ہیں وہ ہمارے پاس کتاب میں درج شدہ ہیں''۔

''ہیثمی'' اس روایت کو نقل کرنے کے بعد کہتے ہیں کہ ''اس کو 'طبرانی'' نے ''معجم کبیر'' میں روایت کیا ہے، اور اس کی سند میں ''یحییٰ بن طلحہ'' متروک الحدیث ہے''۔

راقم الحروف عرض کرتا ہے کہ یہ ''یحییٰ بن طلحہ'' تیمی ہے، جو ''ترمذی'' اور ''ابن ماجہ'' کا راوی ہے، حافظؒ نے ''تقریب'' میں اسے ضعیف کہا ہے، اور ''تہذیب'' میں امام بخاری سے نقل کیا ہے کہ:

''اس کو ایک چیز کے بعد دوسری چیز میں وہم ہو جاتا ہے، مگر یہ کہ وہ روایت میں سچا ہے''۔

③ صحیفہ حضرت علی رضی اللہ عنہ

صحیح بخاری ''کتاب العلم'' میں ابو جحیفہ سے مروی ہے کہ:

''میں نے حضرت علیؓ سے عرض کیا کہ: آپ حضرات کے پاس کوئی کتاب ہے؟ (جو دوسروں کے پاس نہ ہو) فرمایا: ''نہیں، سوائے اللہ کی کتاب یا وہ فہم جو کسی مسلمان آدمی کو عطا کی جاتی ہے یا جو کچھ اس صحیفے میں ہے''، میں نے کہا: ''اس صحیفے میں کیا ہے''؟ فرمایا: ''دیت کے احکام، قیدیوں کی رہائی کے احکام اور یہ کہ کسی مسلمان کو کافر کے بدلے قتل نہ کیا جائے''۔

اور احمد، بخاری اور مسلم کی ایک روایت میں ہے: ''مگر اللہ کی کتاب اور صحیفہ''، اور ''نسائی'' میں بروایت ''اشتریہ'' اضافہ ہے: ''اور اس میں فرائض صدقہ تھے''، جیسا کہ ''فتح'' اور ''عمدہ'' میں ہے۔

ان روایات سے ثابت ہوتا ہے کہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے پاس ایک صحیفہ تھا جو

ان کی تلوار کی نیام میں رہتا تھا، اور اسے کسی وقت بھی الگ نہیں کرتے تھے، یا تو احتیاط کی بنا پر، یا استحضار کے لئے، یا اس بنا پر کہ وہ اس کے سماع میں منفرد تھے، (کمافی العمدۃ)۔

اور کرمانیؒ نے اس میں ایک لطیفہ نقل کیا ہے کہ: بظاہر تلوار اور صحیفے کی یکجائی سے مقصد اس امر کا اظہار تھا کہ مصالح دین صرف تلوار سے قائم نہیں ہوتے بلکہ اس کے لئے کبھی قتل کی ضرورت ہے، کبھی دیت کی اور کبھی عفو و درگذر کی۔

میں کہتا ہوں: یا یہ کہا جائے کہ دیت، قیدیوں کی رہائی اور فرائض صدقات وغیرہ احکام الٰہیہ کا نفاذ ضروری ہے، اور اگر کوئی شخص انہیں قبول نہ کرے تو اس کی ''اصلاح'' کے لئے تلوار موجود ہے، بہر حال یہ تو لطائف ہیں، کہنا یہ ہے کہ حضرت علیؓ اس صحیفہ کی حفاظت کا بہت ہی اہتمام کرتے تھے، اور وہ کسی وقت بھی آپ سے جدا نہیں ہوتا تھا، جیسا کہ تلوار آپ سے جدا نہیں ہوتی تھی، اور اسے تلوار کی نیام میں رکھنے کا مقصد اس کی حفاظت کا انتہائی اہتمام تھا۔

④ صحیفہ عمرو بن حزمؓ

''سنن نسائی'' (ج:۲ ص:۲۵۱) میں ''ذکر حدیث عمرو بن حزم فی العقول'' کے ذیل میں مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اہل یمن کی جانب ایک گرامی نامہ تحریر فرمایا تھا، جس میں فرائض، سنن اور دیات کے مسائل مندرج تھے، آپؐ نے یہ مکتوب عمرو بن حزمؓ کے ہاتھ ارسال فرمایا، اور انہوں نے اہل یمن کو پڑھ کر سنایا اس کا متن یہ تھا:

''محمد النبی (صلی اللہ علیہ وسلم) کی جانب سے شُرحبیل بن عبد کلال اور نعیم بن عبد کلال کے نام''

ایک دوسری روایت میں ہے (جو یونس بن یزید کے واسطہ سے ابن شہاب سے مروی ہے) کہ ابن شہاب فرماتے ہیں کہ: میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا گرامی نامہ خود پڑھا ہے، جو آپؐ نے عمرو بن حزم کو لکھ کر دیا تھا، جبکہ انہیں نجران کا عامل بنا کر بھیجا، اور یہ تحریر ابوبکر بن حزم کے پاس محفوظ تھی، اس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تحریر فرمایا تھا:

''یہ بیان ہے اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی جانب سے''

آگے ﴿یاایھاالذین امنوا اوفوا بالعقود﴾ سے ﴿ان اللہ سریع الحساب﴾ تک آیات تحریر فرمائیں، بعدازاں تحریر فرمایا:

''یہ کتاب الجراح ہے (جس میں فوجداری کے احکام درج ہیں) قتل کی دیت ایک سو اونٹ''۔

ایک روایت میں ابن شہاب کا بیان ہے کہ:

''ابوبکر بن حزم نے مجھے رسول اللہ ﷺ کا گرامی نامہ دکھایا، جو چمڑے کے ٹکڑے پر لکھا ہوا تھا''۔

حافظ ابن حجر ''الاصابہ'' میں لکھتے ہیں کہ: حضرت عمرو بن حزم کو رسول اللہ ﷺ نے نجران کا عامل مقرر کیا تھا اور وہ آنحضرت ﷺ کے اس خط کے راوی ہیں جو فرائض، زکوۃ اور دیات وغیرہ پر مشتمل ہے، اس حدیث کو ابوداود، نسائی، ابن حبان، دارمی وغیرہ بہت سے محدثین نے روایت کیا ہے''۔

اور حافظ ابن عبدالبر ''الاستیعاب'' میں لکھتے ہیں:

''رسول اللہ ﷺ نے ان (عمرو بن حزم) کو جبکہ ان کی عمر سترہ برس تھی، نجران کا حاکم مقرر کیا تھا تاکہ انہیں احکام دین سکھائیں، قرآن پڑھائیں اور ان سے صدقات کی فراہمی کا انتظام کریں، یہ ۱۰ھ کا واقعہ ہے، اس سے قبل خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کو ان کے یہاں بھیجا تھا، اور ان کی دعوت پر وہ اسلام لے آئے تھے، آنحضرت ﷺ نے ان (عمرو بن حزم) کو ایک تحریر لکھ کر دی تھی، جس میں فرائض، سنن، صدقات اور دیات کا بیان تھا''۔

اس تحریر کے بارے میں حافظ ابن کثیر علیہ الرحمۃ ''الارشاد'' میں لکھتے ہیں، جیسا کہ صاحب ''تنقیح الانظار'' اور ان کے شارح صاحب ''توضیح الافکار'' نے نقل کیا ہے۔

جس کا خلاصہ یہ ہے کہ عمرو بن حزم کی اس حدیث کو حفاظ حدیث کی ایک جماعت نے مرفوعاً روایت کیا ہے، مثلاً امام احمدؒ نے مسند میں، نسائیؒ نے سنن میں، ابوداودؒ نے مراسیل

میں، دارمی، موصلی اور یعقوب بن سفیان نے اپنی اپنی مسانید میں، حسن بن سفیان، عثمان دارمی، عبداللہ بغوی، ابوزرعہ، احمد بن حسن الکبیر، حامد بن محمد البلخی، طبرانی، اور ابن حبان نے اور ایک جماعت نے متعدد اسانید سے اسے موقوفاً روایت کیا ہے، بیہقی کہتے ہیں کہ: یہ حدیث متصل السند اور حسن ہے، یعقوب بن سفیان کہتے ہیں کہ: ''تحریری نوشتوں میں کوئی نوشتہ جو عمرو بن حزم کے نوشتہ سے زیادہ صحیح ہو میرے علم میں نہیں، صحابہ کرامؓ اور تابعین اس کی طرف رجوع کرتے تھے، اور (اس کے مقابلے میں) اپنی رائے ترک کر دیتے تھے، ابن کثیرؒ کہتے ہیں کہ: یہ نوشتہ ہر دور میں ائمہ اسلام کے درمیان متداول رہا ہے، وہ اس پر اعتماد کرتے تھے اور اس باب کے اہم مسائل میں اس کی جانب رجوع کرتے تھے''، الخ۔

اور امیر صنعانی صاحب ''توضیح الافکار'' نے ابن کثیرؒ کے حوالے سے ذکر کیا ہے کہ:

''حضرت سعید بن مسیبؒ سے بسند صحیح ثابت ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے انگلیوں کی دیت کے مسئلہ میں اسی کی طرف رجوع کیا تھا''۔

اور حافظ زیلعی نصب الرایہ (ج:۲ ص:۳۴۲) میں فرماتے ہیں کہ: عمرو بن حزمؓ کے نوشتہ کے نسخہ کو ائمہ کے یہاں تلقی بالقبول حاصل ہے، اور وہ ''عمرو بن شعیب عن ابیه عن جده'' کے نسخہ کی طرح متوارث ہے''، وہ مزید لکھتے ہیں کہ ''امام شافعیؒ ''الرسالہ'' میں فرماتے ہیں کہ علماء نے اس نوشتہ کو اسی وقت قبول کیا جبکہ ان کے نزدیک یہ بات پایۂ تحقیق کو پہنچ گئی کہ یہ واقعۃً رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہی کا گرامی نامہ ہے''۔

اور ابوالحارث کہتے ہیں کہ: ''امام احمد بن حنبلؒ نے فرمایا کہ: ''صدقات کے بارے میں عمرو بن حزمؓ کا روایت کردہ مکتوب گرامی صحیح ہے، اور اسی کے موافق میرا مذہب ہے'' الخ۔

اور ابوعبداللہ الحاکم نے اپنی کتاب ''المستدرک'' میں اسی نوشتہ کی تریسٹھ (۶۳) حدیثیں روایت کی ہیں، جیسا کہ رفیق محترم مولانا عبدالرشید نعمانی نے ''ابن ماجہ اور علم حدیث'' میں ذکر کیا ہے، اور امام حاکمؒ فرماتے ہیں کہ: ''یہ نسخہ اسلام کے قواعد میں سے ہے''،

جیسا کہ زیلعی نے نقل کیا ہے۔

بہر حال یہ عہد نبوت کا بہت ہی جلیل القدر اور عظیم الشان نوشتہ ہے، جو حیات نبوی کے آخری سال میں تحریر فرمایا گیا، اور نسلاً بعد نسلٍ متوارث چلا آیا اور ائمہ کے یہاں اسے تلقی بالقبول کا شرف حاصل ہوا اور وہ اسلامی قانون کا ایک اہم باب ہے، جو احادیث نبویہ (علی صاحبہا الصلوۃ والتسلیمات) کی ایک اچھی خاصی مقدار پر مشتمل ہے، باقی تاریخی حیثیت سے اس کی صحت ووثاقت کے لئے ہمارے فاضل دوست ڈاکٹر حمید اللہ حیدر آبادی کی کتاب ''الوثائق السیاسیہ'' اور ''مقدمہ صحیفۂ ابن ہمام'' کا مطالعہ فرمائیے۔

⑤ صحیفۂ عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ

امام ابوداؤد، ترمذی، ابن ماجہ، ابن ابی شیبہ، دارمی، دارقطنی اور بیہقی، بروایت امام زہری حضرت سالم سے اور وہ اپنے والد ماجد حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے روایت کرتے ہیں کہ:

''آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے صدقات سے متعلق ایک تحریر لکھوائی تھی، مگر ہنوز اسے اپنے عمال کے پاس نہیں بھیجا تھا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا وصال ہوگیا، چنانچہ آپؐ نے اپنی تلوار کی نیام میں رکھ چھوڑا تھا، پس جب آپؐ کا وصال ہوا تو حضرت ابوبکرؓ نے اس پر عمل کیا، اور ان کے انتقال کے بعد حضرت عمرؓ نے اس پر عمل کیا، یہاں تک کہ ان کا بھی انتقال ہوگیا اور اس نوشتہ میں یہ تحریر تھا'' ۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔الخ۔

اور ابوداؤد میں ایک دوسری سند سے یہ اضافہ ہے کہ ''ابن شہاب نے کہا کہ یہ اس کتاب کا نسخہ ہے جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تحریر فرمائی تھی، اور یہ تحریر حضرت عمر بن خطابؓ کے خاندان میں محفوظ ہے، ابن شہاب نے کہا: یہ نوشتہ مجھے سالم بن عبد اللہ بن عمرؓ نے پڑھایا تھا، پس میں نے اسے ٹھیک اصلی حالت میں (دیکھا اور) یاد کرلیا، اور یہی نوشتہ تھا جس کی نقل حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ نے حضرت عبداللہ بن عمر اور سالم بن عبداللہ بن عمر سے حاصل کی تھی''۔

اس کی اسانید کی توثیق کے لئے ''نصب الرایہ'' (ج:۲ ص:۳۳۸/۳۳۹) کی

مراجعت کیجئے، اورامام ترمذیؒ فرماتے ہیں کہ: عام اہل علم کے نزدیک اسی پرعمل ہے، اور ''عمدۃ القاری'' (ج:۴ ص:۳۶۱) میں ہے کہ ابن عربی ''کتاب المسالک شرح موطا مالک'' میں لکھتے ہیں کہ مواشی کی زکوۃ کے بارے میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے تین نوشتے ثابت ہیں، کتاب ابی بکرؓ، کتاب آل عمرو بن حزمؓ اور کتاب عمر ابن خطابؓ، اورامام مالکؒ نے اسی مؤخر الذکر پراپنے مسلک کی بنیادرکھی ہے، کیونکہ حضرت عمرؓ کی مدت خلافت طویل ہوئی، آپ کے زمانے میں اسلامی سرحدیں نہایت وسیع تھیں اورآپ کی خدمت میں صدقات لانے والوں کی بے حد کثرت تھی، اورکسی نے اس پراعتراض بھی نہیں کیا، اوراس لئے بھی کہ یہ نوشتہ مدینہ ہی میں رہا، اوراسی پرعمل جاری ہوا، مزید برآں یہ کہ تمام اہل مدینہ اس کی روایت پرمتفق ہیں۔

بہرحال یہ عہد نبوت کے تین نوشتے ہیں جوامت میں نقل وروایت اورعلم وعمل کے اعتبار سے متوارث ہیں، چونکہ حسابیات میں غفلت ونسیان کااندیشہ رہتاہے، اس لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی تحریرکاخاص اہتمام فرمایاکہ حساب کے لئے تحریرناگزیرہے، بعدازاں ہرعلاقہ کےلوگوں کوجن مسائل واحکام کی شدیدضرورت تھی ان کابھی اضافہ فرمادیا، یہ تمام اموراس کی واضح دلیل ہے کہ اسلام میں حدیث نبوی کوبہت بلندمقام حاصل ہے، اوریہ کہ وہ ان بنیادی قوانین کی حیثیت رکھتی ہے جنہیں دورنبوت ہی میں مدون کرلیاگیاتھا، نیزاس سے واضح ہوجاتاہے کہ کتابت حدیث کی اجازت ہے، ان قطعی دلائل کے باوجودبعض تابعین کے مسلک انکارپرقائم رہنے کامقصداس کے سواکچھ نہ تھاکہ احادیث کے زبانی حفظ وضبط کی حوصلہ افزائی کی جائے تاکہ یہ گنج گرانمایہ صفحات اوراق میں بندہوکرنہ رہ جائے۔

⑥ صحیفۂ عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ

حافظ ابوعمرو ''جامع بیان العلم'' (ج:۱ ص:۷۲) میں بسند متصل حضرت معنؒ سے روایت کرتے ہیں کہ ''حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے صاحبزادے عبدالرحمن نے مجھے ایک نوشتہ دکھایا، اورحلفیہ بیان کی کیا کہ یہ ان کے والد (حضرت عبداللہ بن مسعودؓ) کا اپنے ہاتھ سے تحریرکردہ ہے''۔

یہ عبداللہ بن مسعودؓ ہیں جن کا شمار اکابر صحابہ اور فقہاء صحابہ میں ہوتا ہے، جو سیرت واخلاق اور رفتار و گفتار میں آنحضرت ﷺ کے سب سے زیادہ مشابہ تھے اور جن کا اسلام لانے میں چھٹا نمبر ہے، یہی عبداللہ بن مسعودؓ خود اپنے ہاتھ سے صحیفۂ حدیث مرتب کرتے ہیں، ان کی کل مرویات جوامت تک پہنچ سکی ہیں ان کی تعداد آٹھ سو اڑتالیس (۸۴۸) ہے، ان میں چونسٹھ (۶۴) بخاری و مسلم کی متفق علیہ ہیں، بیس (۲۰) میں امام بخاری منفرد ہیں اور پچیس (۲۵) صرف صحیح مسلم میں ہیں، بخاری میں نہیں۔

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ تمام صحابہ کرام میں کتاب وسنت کے سب سے بڑے عالم شمار کئے جاتے تھے، انہوں نے براہ راست آنحضرت ﷺ سے جو علوم حاصل کئے ان کا اندازہ کرنے کے لئے ان کے حق میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کا مشہور تاریخی فقرہ کافی ہے، بہرحال ان تمام امور کو سامنے رکھتے ہوئے خود فیصلہ کیجئے کہ ان کی کل مرویات کی تعداد کتنی ہوگی؟ جو انہوں نے آنحضرت ﷺ سے سن کر اس صحیفہ میں مدون کی ہوں گی۔

⑦ صحیفۂ ابی ہریرہ رضی اللہ عنہ

حافظ ابن عبدالبرؒ نے ''جامع بیان العلم'' (ج:۱ ص:۲۴) میں ابن وہب اور حسن بن عمرو بن امیہ کے طریق سے روایت کیا ہے کہ ''حضرت ابوہریرہؓ کی خدمت میں ایک حدیث کا تذکرہ کیا گیا تو انہوں نے ایک طرح سے لاعلمی کا اظہار کیا (فأنکرہ)، میں نے کہا یہ حدیث تو میں نے خود آپ سے سنی ہے، فرمایا اگر تو نے مجھ سے سنی ہے تو وہ میرے پاس تحریری شکل میں یقیناً موجود ہوگی، چنانچہ میرا ہاتھ پکڑ کر مجھے اپنے گھر لے گئے اور ہمیں احادیث نبوی کے بہت سے نوشتے دکھائے، تلاش کرنے پر وہ حدیث بھی مل گئی تو فرمایا: ''میں نے کہا تھا ناں! کہ اگر تو نے یہ حدیث مجھ سے سنی ہے تو یقیناً میرے پاس لکھی ہوئی ہوگی''۔
اس حدیث کو نقل کرنے کے بعد ابن عبدالبر نے جو رائے ظاہر کی ہے اس کا خلاصہ یہ ہے کہ ان کی عدم کتابت کی حدیث سند کے اعتبار سے زیادہ صحیح اور ثابت ہے۔
حافظؒ نے ''فتح'' (ج:۱۱ ص:۱۸۴) میں یہ حدیث مختصر الفاظ میں نقل کرنے کے

بعد کہا ہے کہ:

''ابن عبدالبر کا کہنا ہے کہ حدیث ہمام زیادہ صحیح ہے، اوران دونوں کو جمع کرنا اس طرح ممکن ہے کہ حضرت ابو ہریرہؓ دورنبوی میں نہیں لکھتے تھے، بعدازاں لکھنے لگے تھے''۔

حافظؒ فرماتے ہیں:

''میں کہتا ہوں کہ اس سے قوی بات یہ ہے کہ حضرت ابو ہریرہؓ کے پاس تحریر شدہ احادیث کے موجود ہونے سے یہ لازم نہیں آتا کہ وہ خود اپنے ہاتھ سے لکھتے ہوں، یہ امر ثابت شدہ ہے کہ وہ نہیں لکھتے تھے، لہذا یہ بات متعین ہے کہ ان کے پاس جتنا تحریری ذخیرہ موجود تھا وہ دوسروں کے ہاتھ کا لکھا ہوا تھا''۔

راقم الحروف عرض کرتا ہے کہ پہلی تطبیق زیادہ قوی ہے، کیونکہ حضرت ابو ہریرہؓ کے قول: ''وہ لکھتے تھے اور میں نہیں لکھتا تھا'' سے جو بات اول اہلہ میں ذہن میں آتی ہے وہ یہ ہے کہ وہ بوقت سماعت نہیں لکھتے تھے یا (زیادہ سے زیادہ) یہ کہ دورنبوی میں نہیں لکھتے تھے، ورنہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد وہ ایک طویل مدت تک بقید حیات رہے ہیں، اوراس عرصہ میں وہ قاضی، مفتی اور گورنر تک کے عہدوں پر فائز ہوئے ہیں، لہذا یہ بات کسی طرح قرین قیاس نہیں ہے کہ انہوں نے اس عرصہ میں لکھنا تک نہ سیکھا ہو، جبکہ اس زمانے میں کتابت کتابت کا رواج عام ہو چکا تھا، یہ حدیث امام حاکمؒ نے ''المستدرک'' میں بھی روایت کی ہے، اور حافظ ذہبیؒ نے اس جو اس پر ''منکر'' ہونے کا ریمارکس دیا ہے اس سے ان کی مراد یہ ہے کہ یہ خلاف معروف ہے، اوراس کا جواب وہی ہے جو ابھی گذرا، حاصل یہ کہ ابو ہریرہؓ حدیث نبوی کے سب سے بڑے حافظ اور راوی ہیں، یقیناً ان کی احادیث کی کتابت کے لئے متعدد مجموعے درکار تھے، جیسا کہ ابن وہب کی روایت سے واضح ہوتا ہے، کیونکہ ان کی روایت کردہ جو احادیث امت تک پہنچی ہیں ان کی تعداد پانچ ہزار تین سو چوہتر (۵۳۷۴) ہے، اسی سے اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ ان کی کل مرویات کتنی ہوں گی؟

الغرض عہد نبوت اور عہد صحابہ میں اگر صرف یہی دو مجموعے ہوتے ،یعنی حضرت عبداللہ بن عمروؓ کی مسموعات کا مجموعہ اور حضرت ابو ہریرہؓ کی مرویات کا مجموعہ، تو دور تالیف وتدوین تک ذخیرہ حدیث کی حفاظت اور اس گنج گرانمایہ کی صیانت کے لئے یہ دونوں کافی تھے، افسوس ہے کہ دور تدوین کے بعد یہ دونوں مجموعے ناپید ہو گئے، للہ الامر من قبل ومن بعد۔

⑧ صحیفۂ رافع بن خدیج رضی اللہ عنہ

محدث رامہرمزی نے اپنی سند کے ساتھ حضرت رافع بن خدیجؓ سے روایت کیا ہے کہ ''میں نے عرض کیا یا رسول اللہ! ہم آپ سے بہت سی باتیں سنتے ہیں، کیا انہیں لکھ لیا کریں؟ فرمایا: ''کوئی حرج نہیں، لکھ لیا کرو''۔ یہ حدیث علامہ سیوطیؒ نے ''تدریب الراوی'' (ص:۲۷٦) میں اور حافظ ہیثمیؒ نے ''مجمع الزوائد'' (ج:۱ ص:۱۵۱) میں ذکر کی ہے، ہیثمیؒ کہتے ہیں کہ: ''اس حدیث کو طبرانی نے روایت کیا ہے اور اس کی سند میں ابو مدرک ایک راوی ہے جو رفاعہ بن رافع سے روایت کرتا ہے، اور ابو مدرک سے بقیہ نقل کرتا ہے، میں نے نہیں دیکھا کہ کسی نے اس کا (ابو مدرک کا) ذکر کیا ہو''۔

اور فاضل نعمانی (مولانا عبد الرشید نعمانی) نے یہ حدیث منتخب کنز العمال سے، جو مسند احمد کے حاشیہ پر قاہرہ سے طبع ہوئی تھی، نقل کی ہے۔ اور منتخب میں حکیم ترمذی، طبرانی اور خطیب کی ''تقریب العلم'' کا حوالہ دیا گیا ہے۔

حضرت رافع بن خدیجؓ بن عدی الحارثی الاوسی الانصاری ایک جلیل القدر صحابی ہیں، سب سے پہلے غزوۂ احد اور پھر غزوۂ خندق میں شریک ہوئے، ان سے اٹھتر (۷۸) حدیثیں مروی ہیں، پانچ متفق علیہ اور تین افراد مسلم میں سے ہیں، اس سے سمجھا جاسکتا ہے کہ احادیث نبوی کا جو نوشتہ انہوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حکم سے مرتب کیا اس کی احادیث کی کم از کم تعداد اتنی تو ہوگی۔

⑨ صحیفۂ سمرہ بن جندب رضی اللہ عنہ

جلیل القدر صحابی حضرت سمرہ بن جندب رضی اللہ عنہ کے پاس بھی ایک صحیفہ تھا، جس میں بہت سی احادیث درج تھیں، اور ابن سیرینؒ فرماتے ہیں کہ: حضرت سمرہ نے جو تحریر اپنے صاحبزادوں کے لئے لکھی تھی اس میں بہت سا علم ہے، جیسا کہ ''تہذیب التہذیب'' (ج:۴ ص:۲۳۶) میں ہے، اس صحیفہ کا تذکرہ سنن ابو داؤد کی احادیث ''تشہد'' میں بھی آیا ہے، وہاں امام ابو داؤدؒ فرماتے ہیں کہ: ''یہ صحیفہ اس امر کی دلیل ہے کہ حسن بصریؒ کو حضرت سمرہ سے سماع حاصل ہے''، اور امام ابو داؤدؒ کی روایت کے سیاق سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ صحیفہ عمرو بن شعیب عن ابیہ عن جدہ کی طرح حضرت سمرہؓ کی اولاد واحفاد میں متوارث چلا آتا تھا، چنانچہ سنن ابی داؤد کی سند یوں ہے: ''عن خبیب بن سلیمان عن ابیہ سلیمان بن سمرۃ عن سمرۃ بن جندب'' حضرت سمرہؓ سے ایک سو تیس (۱۳۰) احادیث مروی ہیں۔

⑩ صحیفۂ جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ

جلیل القدر صحابی حضرت جابر بن عبد اللہ الانصاری المدنی کے پاس بھی ایک صحیفہ تھا، جس میں احادیث طیبہ مرقوم تھیں، اس کا تذکرہ امام بخاریؒ کی ''تاریخ کبیر'' (ج:۴ ص:۱۸۶) میں حضرت قتادہؒ کے تذکرہ میں آیا ہے، چنانچہ قتادہؒ فرماتے ہیں کہ: ''میں صحیفہ جابرؓ کا سورۃ البقرۃ سے بھی زیادہ حافظ ہوں''۔ اور یہی بات ''تھذیب التھذیب'' (ج:۸ ص:۳۵۳) میں بھی مذکور ہے، حضرت جابرؓ وہی ہیں جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد نقل کرتے ہیں کہ: ''اپنے ہاتھ سے مدد لو'' جیسا کہ پہلے گزر چکا ہے، گو یا وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد کی تعمیل کی خاطر اس صحیفہ کی تحریر کے لئے مستعد ہوئے تھے، اندریں صورت یہ بات قرین قیاس ہے کہ وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ہر ارشاد کو تحریراً ضبط کرتے ہوں گے۔

حضرت جابر رضی اللہ عنہ کا شمار کثیر الروایت صحابہ میں ہوتا ہے، ان کی روایت کردہ پندرہ سو چالیس (۱۵۴۰) احادیث امت تک پہنچی ہیں، مسجد نبوی میں ان کا ایک مستقل حلقہ

درس تھا، جس سے تشنگان علم سیراب ہوتے تھے، جیسا کہ ''تہذیب'' میں عروہ بن ہشام سے مروی ہے، (کذا فی الاصل)، اوراسی کی مثل ''الاصابہ'' میں ہے، اس کے الفاظ یہ ہیں:
''حضرت جابر کا مسجد (نبوی) میں ایک حلقہ تھا، جس میں ان سے علم حاصل کیا جاتا تھا''۔

اس تمام تفصیل سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت جابرؓ کے یہاں سماع وروایت پھر تحریر وکتابت اور پھر تدریس واملا کا خاص اہتمام تھا، وہ وہب بن منبہ کو حدیث کا املا کرایا کرتے تھے، اور وہب ہی ان کے سب سے بڑے راوی ہیں، ان کے بھائی ہمام بن منبہ، حضرت ابوہریرہؓ کے راوی ہیں اور صحیفۂ جابر کا ذکر جامع ترمذی "باب ماجاء فی ارض المشرك یر یدبعضهم بیع نصیبه'' میں بھی آیا ہے، چنانچہ امام ترمذیؒ نے بروایت علی بن المدینی، یحییٰ بن سعید سے سلیمان تیمی کا یہ قول نقل کیا ہے کہ: ''لوگ حضرت جابر بن عبداللہ کا صحیفہ حضرت حسن بصری کے پاس لے گئے، پس انہوں نے اسے حاصل کیا یا (یہ کہا کہ) اسے پڑھا''، جامع ترمذی کی روایت سے یہ بھی مستفاد ہوتا ہے کہ سلیمان الیشکری کے پاس بھی ایک صحیفہ تھا، نیز ان کے پاس حضرت جابر بن عبداللہؓ سے مروی ایک کتاب بھی تھی جسے حضرت قتادہؒ اور حضرت حسن روایت کرتے ہیں، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اس صحیفے اور کتاب کی روایت میں قتادہؒ اور حسن بصریؒ کے دور تک تسلسل رہا۔

⑪ صحیفہ سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ

''جامع ترمذی'' کی "کتاب الاحکام، باب ماجاء فی الیمین مع الشاهد'' میں مذکور ہے کہ ''سعد بن عبادہؓ کے پڑپوتے فرماتے ہیں کہ: ہم نے اپنے جدامجد حضرت سعد کی کتاب میں پایا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک گواہ کے ساتھ قسم پر فیصلہ فرمایا''۔ یہ روایت اس امر کی دلیل ہے کہ حضرت سعد بن عبادہؓ کے پاس ایک کتاب تھی جس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث مسموعہ درج تھیں، حضرت سعدؓ زمانہ جاہلیت ہی سے تحریر عربی، پیراکی اور تیراندازی کے ماہر تھے، اس جامعیت اوصاف کی بنا پر انہیں ''کامل'' کہا جاتا تھا، (طبقات ابن سعد ج:۳ ص:۶۱۳، تہذیب التهذیب) اور بلاذری نے

"کتاب فی امر الخط" کے آخر میں ذکر کیا ہے کہ حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ کا شمار ان لوگوں میں تھا جو کتابت کے ماہر تھے، اور یہ کتابت کے ساتھ تیراندازی اور پیراکی کے بھی جامع تھے، اس لئے انہیں "کامل" کہا جاتا تھا۔ اور حافظؒ کی "الاصابہ" میں بھی اس کی مثل ہے، حضرت سعد بن عبادہؓ کے یہ پڑپوتے (جن کا ذکر اوپر آیا ہے) ان کا نام عمرو بن شرحبیل بن سعید بن سعد بن عبادہ الانصاری الخزرجی ہے، تقریب میں ان کو "مقبول من السابعة" کہا ہے، اور "تہذیب" میں ہے کہ ابن حبانؒ نے اس کو ثقات میں ذکر کیا ہے، بہر حال یہ حضرت سعدؓ کے پڑپوتے ہیں جو اپنے جدامجد کی کتاب کے راوی ہیں، اور وہ اپنے جدامجد سے بلا واسطہ روایت کرتے ہیں، جیسا کہ "الاصابہ" میں ہے، گویا ان کی روایت اپنے جدامجد سے سماعاً بھی ہے اور تحریراً بھی، اور یہ ان سے آنحضرت ﷺ کی ایک مرفوع حدیث روایت کرتے ہیں۔

بہر حال عبداللہ بن عمرو، ابوہریرہ، رافع بن خدیج، جابر بن عبداللہ، عبد اللہ بن مسعود، سمرہ ابن جندب) رضی اللہ عنہم) ان جلیل القدر صحابہ کرامؓ سے احادیث کی کتابت اور کتابی تدوین ثابت ہے، اور ان کے شاگردان رشید نے ان کی مرتب کردہ کتابوں کو ان سے حاصل کیا، اور وہ امت کے ہاتھوں میں پہنچیں، یہاں تک کہ دور تدوین تک باقی رہیں، مزید برآں صدقات کے بارے میں حضرت ابوبکرؓ کی تحریر، جو انہوں نے حضرت انسؓ کو لکھ کر دی، آنحضرت ﷺ کا نوشتہ جو ابوبکر بن عمرو بن حزمؓ کے لئے تحریر کرایا گیا، اور حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی تحریر، جن کی تفصیل اوپر گزر چکی ہے، اس امر کی واضح دلیل ہے کہ احادیث نبویہ کی ایک بڑی مقدار اسی دور میں احاطۂ تحریر میں لائی جا چکی تھی، بالخصوص نصاب صدقات کی احادیث کہ ان کا مدار توفیقی حساب پر تھا اور ان میں عقل اور رائے کو کچھ دخل نہ تھا، اس لئے انہیں محفوظ کر لیا گیا، تاکہ ان میں ذہول ونسیان کی آمیزش نہ ہونے پائے، اور یہ سب کچھ خود دورِ نبوت میں ہوا، حافظ ابن عبدالبر "جامع بیان العلم" میں اپنی سند کے ساتھ حضرت ابوجعفر محمد بن علی سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کی تلوار کی نیام میں ایک تحریر پائی

گئی جس میں لکھا تھا کہ ”ملعون ہے وہ شخص جو زمین کی حد بندی کے نشانات کو چرائے اور مٹائے، ملعون ہے وہ شخص جو اپنے آقاؤں کے غیر سے موالات قائم کرے، یا یہ کہا کہ ملعون ہے وہ شخص جو اپنے محسن کا انکار کرے“۔

ان تمام حقائق کو سامنے رکھئے تو محدثین کے اس قول کی حقانیت ثابت ہوتی ہے جو کتب اصول اور شروح حدیث میں ذکر کیا گیا ہے کہ کتابت حدیث کے جواز پر صحیح اجماع منعقد ہو چکا ہے، اور یہ تو صحابہ کا حال ہے، حضرات تابعینؒ، جو صحابہؓ کے خوشہ چین ہیں ان کے دور کا اندازہ اسی سے کیا جاسکتا ہے کہ ان کے زمانہ میں احادیث کے ضبط وتحریر اور نسخ وتقیید کا رواج کیسا عام ہوگا؟ اور ہمارے دوست ڈاکٹر مصطفی نے اپنے پی ایچ ڈی کے انگریزی مقالے میں قریباً پچاس صحابہؓ کے نام جمع کئے ہیں، جن سے تحریر احادیث ثابت ہے، خواہ کسی کے نام خط تحریر کرتے ہوئے ایک ہی حدیث لکھی ہو، موصوف نے بحث وتحقیق کے لحاظ سے اس موضوع کا حق ادا کر دیا ہے، فجزاہ اللہ خیرا۔

حضرت ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ نجدہ نامی خارجی نے ان سے چند تحریری سوالات کئے تھے، اس کے جواب میں حضرت ابن عباسؓ نے تحریر فرمایا:

① آنحضرت ﷺ غزوات میں عورتوں کو لے جاتے تھے، وہ بیماروں کی تیمارداری کیا کرتی تھیں۔

② آپؐ ان کے لئے مال غنیمت میں باقاعدہ حصہ نہیں لگاتے تھے، البتہ غنیمت میں سے کچھ عطیہ انہیں عطا فرمایا کرتے تھے۔

③ اور رسول اللہ (ﷺ) جہاد میں بچوں کو قتل نہیں کرتے تھے، تم بھی انہیں قتل نہ کرو، اِلا یہ کہ تجھے بھی کسی کا انجام اسی طرح معلوم ہو جس طرح حضرت خضر کو اس بچے کا انجام معلوم تھا جسے انہوں نے قتل کیا تھا، تا کہ تو کافر ہی کو قتل کرے، اور مومن کو چھوڑے۔ (یہ تعلیق بالمحال ہے، مطلب یہ کہ چونکہ تجھے کسی بچے کا انجام معلوم نہیں کہ وہ کفر پر مرے گا یا اسلام پر، اس لئے قتل کی بھی اجازت نہیں)“۔ [صحیح مسلم، ج:۲ ص:۱۱۷۔ مسند احمد ج:۱ ص:۳۰۸]

اور حضرت ابن عباسؓ کے ساتھ ایک کاتب ہوتا تھا جو ان کی احادیث کو لکھتا رہتا تھا، "الاصابہ" (ج:۲ ص:۳۲۳) اور "نصب الرایہ" (ج:۴ ص:۴۲۰) میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا گرامی نامہ جو منذر بن ساوی کے نام (بحرین کے رئیس) کو لکھا گیا تھا، نقل کرنے کے بعد ذکر کیا ہے کہ واقدی نے عکرمہ سے روایت کی ہے کہ انہوں نے (ایک کتاب کی جانب اشارہ کرتے ہوئے) فرمایا کہ مجھے یہ کتاب حضرت ابن عباسؓ کی وفات کے بعد ان کی کتابوں میں ملی تو میں نے اسے نقل کرلیا، اس میں لکھا تھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے۔۔۔الخ

شیخ الکتانی "التراتیب الاداریه" (ج:۲ ص:۲۵۳) میں کہتے ہیں کہ اس روایت سے ثابت ہوتا ہے کہ ابن عباسؓ کے پاس کئی کتابیں موجود تھیں، خواہ ان کی اپنی تصنیفات ہوں، یا دوسروں کی لکھی ہوئی کتابیں انہوں نے فراہم کرلی ہوں، بہرحال اس سے دورِ صحابہؓ میں کتابت حدیث کا ثبوت مہیا ہوتا ہے، اور اسی روایت سے یہ بھی نکلتا ہے کہ وہ حضرات تحریر کنندہ سے لے کر اس کے متعدد نسخے تیار کر کے انہیں محفوظ رکھنے کے بھی عادی تھے، اور یہ عین تدوین ہے۔

بعد ازاں مجھے "طبقات ابن سعد" (ج:۵ ص:۲۱۶) میں موسیٰ بن عقبہ کا یہ بیان ملا کہ عبداللہ بن عباسؓ کے آزاد شدہ غلام "کُریب بن ابی مسلم" (المتوفی ۹۸ھ) نے ابن عباسؓ کی کتابوں میں سے ایک اونٹ کا بار ہمارے پاس رکھا ہوا تھا، حضرت ابن عباسؓ کے صاحبزادے علی بن عبداللہ کو جب کوئی کتاب مطلوب ہوتی تو انہیں (کُریب کو) لکھ بھیجتے کہ مجھے فلاں فلاں صحیفہ بھیج دیجئے، چنانچہ وہ اس کی نقل لے کر اصل یا نقل دونوں بھیج دیتے۔

الغرض یہ بات سفیدۂ صبح سے بھی زیادہ روشن ہے کہ دورِ صحابہ میں کتابت حدیث کا رواج عام ہو چکا تھا، اور کوئی صحابی جو تحریر و کتابت کے فن سے آشنا ہوں انہوں نے اپنی مسموع و محفوظ احادیث کی کتابت میں تقصیر نہیں کی۔

البتہ یہ صحیح ہے کہ صحابہ کرامؓ اس امر پر مجتمع نہیں ہوئے کہ مل کر حدیث کا ایک دفتر تیار کرلیں کہ قرآن کی طرح حدیث کا بھی ایک ہی مجموعہ سب کے پاس ہوا کرے۔ اس

سلسلہ میں شیخ ابوبکر بن عقال الصقلی اپنے ''فوائد'' میں لکھتے ہیں، ان کی یہ عبارت ابن بشکوال نے اوران کے حوالے سے شیخ کوثریؒ نے ''شروط الائمة للحازمی'' کی تعلیقات میں اس طرح نقل کی ہے:

''صحابہ کرامؓ احادیث رسول اللہ ﷺ کو قرآن کی طرح ایک ہی مصحف میں مدون کرنے پر متفق نہیں ہوئے، اس کی وجہ یہ ہوئی کہ احادیث (تمام عالم اسلام میں) منتشر ہو چکی تھیں اوراس امر میں خفا پیدا ہو گیا تھا کہ کونسی محفوظ ہے اورکونسی مدخول؟ اس لئے احادیث کی نقل وروایت کا معاملہ ان کی یادداشت کے حوالے کر دیا گیا، اورقرآن کریم (کے الفاظ چونکہ محصور ومحدود تھے، جن کے جمع وتدوین میں دقت نہیں تھی اس لئے اس) کا معاملہ صرف یادداشت پر نہیں رکھا گیا، نیز سنن واحادیث کے الفاظ کمی وزیادتی سے محفوظ نہیں جبکہ اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب کی بدیع عبارت کو، جس کی مثل لانے سے ساری مخلوق عاجز ہے، اس سے محفوظ رکھا ہے، اس لئے الفاظ قرآن پر تو تمام صحابہ متفق تھے، مگر احادیث کے الفاظ وعبارات کے نقل کرنے میں ان کی تعبیرات مختلف تھیں، اور ظاہر ہے کہ ان مختلف عبارات کی متفق علیہ تعبیر ممکن نہ تھی۔ ورنہ جس طرح ضبط قرآن پر انہیں قدرت تھی اسی طرح اگر ضبط سنن پر بھی قدرت ہوتی تو ان کی جمع وتدوین میں کبھی کوتاہی نہ کرتے، لیکن (سوال یہ ہے کہ جن احادیث کے الفاظ مختلف نہ تھے کم ازکم انہی کا قرآن کی طرح ایک متفق علیہ مجموعہ مدون کرلیا جاتا؟ اس کا جواب یہ ہے کہ) انہیں یہ اندیشہ لاحق تھا کہ اس صورت میں (آئندہ نسلوں کا) تمام تر اعتماد اس مدون مجموعہ پر رہ جائے گا، اور جو احادیث اس مجموعہ میں شامل نہیں ہو سکیں ان کی تکذیب کی جائے گی، اور یوں سنت کا ایک بڑا حصہ باطل ومعطل ہو کر رہ جائے گا، اس لئے انہوں نے امت کے لئے طلب کا راستہ کھلا رکھا، اور ہر ایک نے ذاتی طور پر اپنی وسعت کے مطابق جمع احادیث کا اہتمام کیا، اس طرح ان کے پاس احادیث کے ذخیرے محفوظ ہو گئے،

ان میں سے بعض احادیث وہ تھیں جن کی نقل وروایت میں وہ الفاظ جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمائے تھے، ان کی حقیقت کو بعینہٖ محفوظ رکھا جاسکا، یہ وہ احادیث ہیں جو تمام علل سے سالم ومحفوظ ہیں، اور بعض وہ تھیں جن کے الفاظ یاد نہیں رہے مگر معنی ومفہوم پوری طرح محفوظ تھا، اور بعض وہ تھیں جن کی نقل الفاظ میں روایات مختلف تھیں، اوران کے راوی بھی ثقاہت وعدالت کے لحاظ سے مختلف تھے، یہی وہ احادیث ہیں جن میں علل داخل ہوئیں، پس اہل معرفت نے ان کے صحیح وسقیم کی چھان پھٹک کی، اوراس کے لئے ایسے صحیح اصول اور پختہ قواعد قائم کئے جن سے کسی صاحب طعن کا اور کسی مکار کا مکروفریب بچ کر نہیں نکل سکتا" الخ

ہمارے شیخ علامہ کوثریؒ فرماتے ہیں کہ:

"یہ نہایت متین کلام ہے اسی قبیل سے امام مالکؒ کا وہ مشہور واقعہ ہے کہ جب ایک عباسی خلیفہ نے تمام لوگوں کو مؤطا پر عمل درآمد کرنے کے لئے مجبور کرنے کا ارادہ ظاہر کیا تو امام نے اس سے منع فرمایا (اوراس کی یہی وجہ بیان کی جو صقلی کی تقریر میں گزرچکی ہے)"۔

راقم الحروف عرض کرتا ہے کہ احادیث کی عدم تدوین میں مشیت ازلیہ بھی کارفرما تھی تاکہ امت کے لئے آسانی رہے اوراس پر قبل ازیں تفصیل سے بحث ہوچکی ہے۔

باب دہم
دور تابعین میں کتابت حدیث اور حدیثی مجموعے

صحیفۂ سعید بن جبیر الاسدی رحمۃ اللہ علیہ

① حضرت سعید بن جبیر بن ہشام الاسدی کا شمار حضرت عبداللہ بن عباس ؓ، ابن عمر ؓ، ابن زہیر ؓ، ابوہریرہ ؓ وغیرہ کے بڑے شاگردوں میں ہوتا ہے، ان کے پاس ایک صحیفہ تھا جس میں وہ ابن عباس ؓ سے سنی ہوئی ہر حدیث لکھ لیا کرتے تھے، چنانچہ ''طبقات ابن سعد'' (ج:٦،ص:٢٥٧) میں ان کا یہ بیان نقل کیا ہے کہ:

''بسا اوقات ایسا ہوتا ہے کہ میں ابن عباس ؓ کے پاس جاتا تو اپنے صحیفے میں لکھتا رہتا، وہ بھر جاتا تو اپنے موزوں پر لکھتا، اور جب ان میں بھی جگہ نہ رہتی تو اپنی ہتھیلی میں لکھتا''۔

نیز ان سے مروی ہے کہ ''میں ابن عباس ؓ کی خدمت میں جاتا تو لکھ لیا کرتا تھا''۔

اور طبقات ابن سعد (ج:٦،ص:٢٥٨) میں سعید بن جبیر سے نقل کیا ہے کہ ''میں ابن عمر ؓ سے سوالات کرتا اور ان کے جوابات ایک صحیفے میں لکھ لیتا تھا''۔

اور مسند دارمی (ص:٩٦) میں سعید بن جبیر سے روایت ہے کہ ''میں حضرت ابن عمر ؓ اور حضرت ابن عباس ؓ سے (کبھی) رات کے وقت حدیث سنتا (اور لکھنے کے لئے کوئی اور چیز موجود نہ ہوتی) تو اسے پالان کے اگلے حصے پر لکھ لیتا''۔

نیز مسند دارمی (ص:۹۶) میں ان سے مروی ہے کہ ''میں حضرت ابن عباسؓ کے ساتھ مکہ کے راستہ میں رات کے وقت ہم سفر ہوتا، اور وہ مجھ سے کوئی حدیث بیان فرماتے تو اسے پالان کے اگلے حصے میں لکھ لیتا، اور صبح ہوتی تو اسے نقل کر لیتا''۔ اور ان سے یہ روایت بھی دارمی نے نقل کی ہے کہ ''میں حضرت ابن عباسؓ کی مجلس میں حاضر ہوتا تو صحیفہ میں لکھتا رہتا یہاں تک کہ جب وہ بھر جاتا تو اپنے موزے الٹ کر ان کی پشت پر لکھنے لگتا''۔

ان تمام روایات سے معلوم ہوا کہ حضرت سعید بن جبیرؒ حضرات صحابہؓ سے مسموعہ روایات کو ایک صحیفے میں جمع کرنے کا اہتمام کرتے تھے، یہ قدیم الوفات تابعی ہیں، ۹۴ھ یا ۹۵ھ میں شہید ہوئے، ابن الاشعث کے ساتھ خروج کی تہمت میں حجاج نے ان کو اپنے سامنے قتل کرایا تھا (رحمہ اللہ تعالیٰ)۔

۲ ابوالملیح بن اسامہ الہذلی اپنے والد کے علاوہ معقل بن یسار، حضرت عائشہؓ، ابن عباسؓ، واثلہ بن اسقعؓ، ابن عمرؓ، جابرؓ، انسؓ وغیرہم سے بھی روایت کرتے ہیں، جیسا کہ ''تھذیب'' میں ہے، اور ابن سعد نے ''طبقات'' (ج:۶، ص:۱۵۷) میں ذکر کیا ہے کہ وہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے بھی روایت کرتے ہیں۔

امام دارمی نے ان (ابوالملیح) کا یہ قول نقل کیا ہے کہ لوگ ہمارے لکھنے پر نکتہ چینی کرتے ہیں، حالانکہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے ﴿علمها عند ربي في كتاب﴾ (یعنی ان کا علم میرے رب کے پاس ایک کتاب میں محفوظ ہے) یہ تابعی بھی قدیم الوفات ہیں ۹۸ھ یا ۱۰۸ھ میں ان کی وفات ہوئی۔

۳ ابوایاس معاویہ بن قرہ بن ایاس البصری سے امام دارمیؒ اپنی مسند میں روایت کرتے ہیں کہ یہ مقولہ مشہور تھا کہ ''جو شخص اپنے علم کو ضبط تحریر میں نہیں لاتا اس کا علم، علم شمار نہیں کیا جاتا'' الخ، اس سے معلوم ہوا کہ یہ بھی احادیث لکھا کرتے تھے، صحاح ستہ کے راوی ہیں ۱۱۳ھ میں انتقال ہوا۔

۴ مسند دارمی (ص:۹۶) میں حضرت عبداللہ بن حنش سے روایت ہے کہ ''میں

نے دیکھا کہ لوگ حضرت براءؓ کے پاس بیٹھے اپنی ہتھیلیوں پر (احادیث) لکھ رہے تھے"۔
اس روایت سے ثابت ہوتا ہے کہ حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ کے شاگرد وہ تمام احادیث لکھ لیا کرتے تھے جو حضرت براءؓ بیان فرماتے تھے، اور جب کاغذ ختم ہوجاتا تو اپنی ہتھیلیوں پر لکھتے رہتے۔

عبداللہ بن حنش الاودی الکوفی، حضرت براءؓ، ابن عمرؓ، اور شریح سے احادیث روایت کرتے ہیں، ابن ابی حاتم نے "کتاب الجرح والتعدیل" (ج:۲، ص:۳۹) میں ان کا ذکر کیا ہے، ان کا سن وفات معلوم نہیں ہوسکا، ابن سعد نے "طبقات" (ج:۶، ص:۳۲۲) میں ان کو تابعین کوفہ کے تیسرے طبقہ میں ذکر کیا ہے، اور ان کے مزید حالات کچھ نہیں لکھے۔

⑤ حضرت عثمان بن عفانؓ کے صاحبزادے ابان بن عثمانؒ الاموی المدنی کے بارے میں امام دارمیؒ اپنی مسند میں سلم بن قیس العلوی سے روایت کرتے ہیں کہ "میں نے ابان کو حضرت انسؓ کے پاس ایک تختی پر احادیث لکھتے دیکھا"۔ حضرت ابانؒ اپنے والد ماجد حضرت عثمان بن عفانؓ کے علاوہ حضرت زید بن ثابت اور اسامہ بن زید سے احادیث روایت کرتے ہیں، ان کا شمار ثقہ کبار تابعین میں ہوتا ہے، جیسا کہ "العجلی" کا قول حافظؒ نے "تہذیب" میں نقل کیا ہے، صحیح مسلم اور سنن اربعہ میں ان سے احادیث مروی ہیں۔

⑥ امام دارمیؒ اپنی مسند میں ثمامہ بن عبداللہ بن انسؓ سے روایت کرتے ہیں کہ حضرت انسؓ اپنے صاحبزادوں سے فرمایا کرتے تھے "بیٹو! اس علم کو قلمبند کرلو"۔

حضرت انسؓ ان چند صحابہ میں سے ہیں جو آنحضرت ﷺ سے بکثرت روایت کرتے ہیں، جیسا کہ "الاصابہ" میں ہے، اور جب حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ خلیفہ ہوئے تو انہوں نے حضرت انسؓ کو تحصیل زکوۃ کے سلسلہ میں بحرین بھیجا چاہا، اس سلسلہ میں حضرت عمرؓ سے مشورہ کیا تو انہوں نے عرض کیا کہ انہیں ضرور بھیجئے، وہ دانشمند اور تحریر کے ماہر ہیں، ایسا معلوم ہوتا ہے کہ حضرت انسؓ نہ صرف بذات خود احادیث قلمبند کرنے کا اہتمام فرماتے تھے بلکہ انہوں نے اپنے صاحبزادوں کو بھی ضبط وتحریر کا حکم دیا، تفصیل کے لئے

ڈاکٹر حمید اللہ صاحبؒ کے مقدمہ ''صحیفہ ہمام ابن منبہ'' کی مراجعت فرمایئے۔

مختصر یہ کہ ہم قبل ازیں ذکر کر چکے ہیں کہ حضرت انسؓ آنحضرت ﷺ کے سامنے احادیث قلمبند کر کے انہیں بارگاہ نبوت میں پیش کرتے تھے، اوران کے پاس ان احادیث کے جوانہوں نے آنحضرت ﷺ سے براہ راست سماع کی تھیں، متعدد صحیفے اور دفتر موجود تھے، ان کے جو صاحبزادے زندہ رہے اور جو ان کے ساتھ سفر حج میں ہمرکاب رہا کرتے تھے، ان کی تعداد نوے (۹۰) کے قریب تھی، کیونکہ آنحضرت ﷺ کی دعا کی بدولت اللہ تعالیٰ نے ان کی اولاد میں بڑی برکت عطا فرمائی تھی، جیسا کہ ''الاصابہ'' میں ہے، پوتوں اور نواسوں کے علاوہ خود اپنی صلبی اولاد میں سے ایک سو پچیس (۱۲۵) نفر انہوں نے اپنے ہاتھ سے دفن کئے تھے، الغرض اگر ان کی اولاد میں سے بعض حضرات نے بھی ان کے حکم کی تعمیل میں احادیث قلمبند کی ہوں تو احادیث کے متعدد صحیفے اور مجموعے تیار ہو گئے ہوں گے۔ اور اگر ان کے تمام صاحبزادوں نے احادیث کے مجموعے تیار کئے ہوں تو پھر تو کیا ہی بات ہے!

⑦ رجاء بن حَیوَۃ ایک جلیل القدر تابعی ہیں، حضرت عبداللہ بن عمروؓ، عبادہ بن صامتؓ، ابوالدرداءؓ، ابوامامہؓ، ابوسعید خدریؓ اور دیگر صحابہ کرامؓ سے حدیث روایت کرتے ہیں، ۱۱۲ھ میں وصال ہوا، یہ صحیح مسلم اور سنن اربعہ کے راویوں میں شامل ہیں، ان کے پاس بھی تحریر شدہ احادیث کا ایک ذخیرہ موجود تھا، چنانچہ امام دارمی نقل کرتے ہیں کہ ہشام بن عبدالملک کے ایک عامل نے ان سے ایک حدیث پوچھی تو فرمایا کہ ''اگر یہ حدیث میرے پاس لکھی ہوئی نہ ہوتی تو قریب تھا کہ میں اسے بھول جاتا''۔ اس سے ثابت ہوا کہ وہ جن احادیث کی روایت کرتے تھے وہ ان کے پاس تحریری شکل میں محفوظ تھیں۔

⑧ امام دارمی سلیمان بن موسیٰ سے روایت کرتے ہیں کہ ''انہوں نے نافع مولیٰ ابن عمرؓ کو دیکھا کہ وہ اپنے علم کا املا کرا رہے ہیں، اور لوگ ان کے سامنے تحریر کرتے جاتے ہیں''۔

یہ نافع ابوعبداللہ المدنی ہیں، جو ابن عمرؓ، ابوہریرہؓ، ابولبابہ بن عبدالمنذرؓ، ابوسعید

الخدریؓ، رافع بن خدیج ؓ، ام المؤمنین عائشہؓ، ام سلمہؓ اور عبداللہ بن عمرؓ کے صاحبزادگان عبداللہ، عبیداللہ، سالم اور زید وغیرہ سے روایت کرتے ہیں، جن میں حدیث کی بکثرت روایت کرنے والے حضرات بھی شامل ہیں، ابن سعدؒ کہتے ہیں کہ ''وہ ثقہ اور کثیر الحدیث تھے''، خلیلیؒ کہتے ہیں کہ ''نافع مدینہ کے ائمہ تابعین میں سے تھے، وہ علم کے متفق علیہ امام ہیں، صحابہ سے بالکل صحیح احادیث روایت کرتے ہیں، ان کی روایات میں کوئی خطا معلوم نہیں''، جیسا کہ ''تہذیب'' میں ہے، انہی نافع کو حضرت عمر بن عبدالعزیز نے تعلیم سنن کے لیے مصر بھیجا تھا، جیسا کہ ''تہذیب'' میں ہے، بہرحال نافع جیسے جلیل القدر امام کو جتنی احادیث یاد تھیں اگر ان کا عشر عشیر بھی انہوں نے اِملا کرایا ہو اور اسے قلمبند کرلیا گیا ہو تب بھی ایک بہت بڑا ذخیرہ مدون ہوا ہوگا۔

⑨ امام دارمیؒ اپنی سند سے ہشام بن الغاز سے روایت کرتے ہیں کہ ''عطاء بن ابی رباح سے سوالات کئے جاتے تھے اور جو کچھ وہ جواب میں فرماتے اسے ان کے سامنے ہی قلمبند کرلیا جاتا تھا''۔

اس نوعیت کی روایات میں اگرچہ احادیث کے قلمبند کرنے کی تصریح نہیں ہے لیکن متبادر یہی ہے کہ وہ حضرات سوالات کے جوابات میں یا تو ان احادیث کو بیان کرتے ہوں گے جو انہیں یاد تھیں، یا احادیث سے فقہ کا استنباط کر کے بیان فرماتے ہوں گے۔

⑩ امام دارمیؒ اپنی سند سے بشیر بن نہیک سے روایت کرتے ہیں کہ ''میں حضرت ابو ہریرہؓ سے جو احادیث سنتا تھا انہیں قلم بند کرلیتا تھا، جب میں نے ان کے پاس سے رخصت ہونا چاہا تو ان کی کتاب لے کر ان کی خدمت میں حاضر ہوا، اور ان کے سامنے پڑھ کر عرض کیا کہ ''یہ احادیث میں نے آپ سے سنی ہیں؟ انہوں نے فرمایا: ہاں۔ یہ واقعہ حافظ نے ''تہذیب'' (ج:۱، ص:۴۷۰) میں بھی اسی طرح ذکر کیا ہے۔

حضرت ابو ہریرہؓ کی کثرت روایت سب کو معلوم ہے، باتفاق محدثین کثرت روایت میں انہیں تمام صحابہؓ سے اولیت کا شرف حاصل ہے، اندریں صورت ان کے تلمیذ رشید

کی قلم بند کردہ مرویات کتنی ہوں گی؟ اور یہ بات ہم پہلے ذکر کر آئے ہیں کہ خود حضرت ابو ہریرہؓ کے پاس بھی احادیث کا تحریری مجموعہ موجود تھا، جو ان کا خود نوشت تھا یا کسی اور سے لکھوایا تھا، اور یہ کہ حضرت ابو ہریرہؓ کی روایت کردہ احادیث جو ہم تک پہنچی ہیں ان کی تعداد (۵۳۷۴) ہے۔

⑪ امام دارمیؒ اپنی مسند میں عنترہ سے روایت کرتے ہیں کہ ''حضرت ابن عباسؓ نے مجھ سے احادیث بیان فرمائیں تو میں نے عرض کیا کہ انہیں آپ کی جانب سے لکھ لوں؟ انہوں نے قدرے توقف کے بعد مجھے اس کی اجازت مرحمت فرمادی''۔

یہ عنترہ بن عبدالرحمن الکوفی الشیبانی سنن نسائی کے رجال میں سے ہیں، ان کا شمار کبار تابعین میں ہوتا ہے، حضرت عمرؓ، علیؓ، ابوالدرداءؓ، ابن عباسؓ، زاذان اور ابن عمرؓ وغیرہم (رضی اللہ عنہم اجمعین) سے روایت کرتے ہیں، جیسا کہ ''تہذیب'' میں ہے، اور یہ عبد الملک بن ہارون بن عنترہ کے دادا ہیں، جیسا کہ ''تقریب'' میں ہے، ان کی وفات پہلی صدی کے خاتمہ سے قبل ہوئی، جیسا کہ ''تقریب'' سے ظاہر ہوتا ہے، کیونکہ صاحب ''تقریب'' نے ان کو تابعین کے طبقہ اولیٰ کے بعد (جو سعید بن مسیب کا طبقہ ہے) طبقۂ دوم میں ذکر کیا ہے۔

⑫ امام دارمیؒ ابو قلابہ سے روایت کرتے ہیں کہ ''حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ نماز ظہر کے لئے باہر تشریف لائے تو ان کے ہاتھ میں ایک کاغذ تھا، پھر نماز عصر کے لئے نکلے تب بھی وہ کاغذ ان کے پاس تھا، میں نے عرض کیا: ''امیر المؤمنین یہ تحریر کیسی ہے؟'' فرمایا ''یہ ایک حدیث ہے جو عون بن عبداللہ نے مجھ سے بیان کی ہے، مجھے بہت ہی اچھی لگی اس لئے میں نے اسے نقل کر لیا''۔ حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ نے اطراف مملکت میں تدوین حدیث کا جو گشتی فرمان جاری کیا تھا اور جس کی تفصیل آگے آتی ہے مندرجہ بالا واقعہ غالباً اس سے قبل کا ہے۔

⑬ امام دارمیؒ، شُرحبیل ابوسعید المدنی الانصاری سے روایت کرتے ہیں کہ ''حضرت حسنؓ نے اپنے صاحبزادوں اور برادرزادوں کو بلا کر فرمایا: ''بچو! تم ابھی چھوٹے ہو، مگر عنقریب تم کچھ لوگوں کے لئے ''بڑے'' بنو گے، اس لئے علم سیکھا کرو، اور جو شخص تم میں

سے (زبانی) روایت نہ کرسکتا ہو (یا یہ فرمایا کہ زبانی یاد نہ کرسکتا ہو) وہ علم لکھ کر اپنے گھر میں رکھ لے"۔

یہ حضرت حسنؓ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے صاحبزادے ہیں، اور شُرحبیل مدنی تابعی ہیں، ان کی وفات سوسال کی عمر میں ۱۲۳ھ میں ہوئی، یہ شُرحبیل بن سعد ہیں، ابن سعید نہیں، جیسا کہ دارمی کے نسخہ میں غلطی ہوئی ہے، یہی شُرحبیل ہیں جو حضرت حسن بن علیؓ وغیرہ سے روایت کرتے ہیں، واضح رہے کہ یہاں شُرحبیل بن سعید بن سعد الانصاری خزرجی ایک اور راوی بھی ہیں، ان کی وفات بعد میں ہوئی، ان دونوں کے درمیان التباس نہیں ہونا چاہئے۔

⑭ حافظ ابن عبدالبر "جامع بیان العلم" (ج:۱، ص:۷۳) میں اپنی سند سے عبدالرحمن بن حرملہ سے روایت کرتے ہیں کہ "میرا حافظہ کچھ اچھا نہیں تھا اس لئے حضرت سعید بن مسیبؒ نے مجھے لکھنے کی اجازت دے رکھی تھی"، یہی مضمون "تہذیب" میں بھی ہے، یہ عبدالرحمن بن حرملہ اسلمی ہیں، کوفی نہیں، صحیح مسلم میں اور سنن اربعہ کے رجال میں سے ہیں، اور سعید بن مسیب، حنظلہ بن علی الاسلمی اور عمرو بن شعیب سے روایت کرتے ہیں۔

صحیفۂ ابوالزناد عبداللہ بن ذکوان رحمۃ اللہ علیہ

⑮ حافظ ابن عبدالبر اپنی "جامع" میں ابوالزناد سے روایت کرتے ہیں کہ "ہم تو صرف حلال وحرام (یعنی احکام کی احادیث) لکھا کرتے تھے، مگر ابن شہاب ہر قسم کی احادیث لکھ لیتے تھے، بالآخر جب ان کی ضرورت پڑی تو مجھے معلوم ہوا کہ لوگوں میں سب سے بڑے عالم وہی ہیں"۔

ابوالزناد کا نام عبداللہ بن ذکوان ہے، حضرت انس، ابوامامہ اور ابن مسیب وغیرہم سے روایت کرتے ہیں، سفیان ان کو "امیر المؤمنین" کا لقب دیتے تھے، اور ابن المدینی فرماتے ہیں کہ "کبار تابعین کے بعد مدینہ میں کوئی شخص ان سے اور ابن شہاب اور یحییٰ بن سعید سے بڑا عالم نہیں تھا"۔ امام احمد سے منقول ہے کہ "وہ ربیعہ سے بھی بڑے عالم تھے"۔ اور امام ابوحنیفہؒ سے مروی ہے کہ "وہ ربیعہ سے زیادہ فقیہ تھے"، جیسا کہ "تہذیب" میں ہے،

اور یہ کثیر الروایت تھے، جیسا کہ ابن سعد نے ذکر کیا ہے، ابوالزناد کے پاس ایک صحیفہ تھا جس میں حضرت ابو ہریرہؓ کی احادیث بروایت عبدالرحمن الاعرج کے درج تھیں، جیسا کہ معمر کے نسخہ میں یہی احادیث بروایت ہمام درج تھیں، یہ دونوں نسخے متعدد احادیث پر مشتمل تھے، دونوں کی احادیث میں کمی بیشی کا بہت کم تفاوت تھا، دونوں کی ابتدائی حدیث: "نحن الآخرون السابقون" سے ہوئی ہے، جیسا کہ "فتح الباری" (ج:۱،ص:۲۹۹) میں ہے، اور "تہذیب" (ج:۵،ص:۲۰۴) میں ہے کہ امام بخاریؒ فرماتے ہیں کہ: حضرت ابو ہریرہؓ تک اصح اسانید "ابو الزناد عن الاعرج عن ابی ھریرہ" ہے۔

⑯ حافظ ابوعمر بن عبدالبر اپنی "جامع" میں امام مالکؒ سے روایت کرتے ہیں کہ میں نے یحییٰ بن سعید کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ "میں ہر سنی ہوئی حدیث کو لکھ لیتا، یہ بات مجھے زیادہ محبوب تھی، اس سے کہ میرے پاس جتنا مال ہے اتنا مجھے اور مل جاتا"۔

یہ قاضی یحییٰ بن سعید الانصاری المدنی، حضرت انسؓ، عبداللہ بن عامر بن ربیعہ، عمرہ بنت عبدالرحمن الانصاریہ وغیرہم سے حدیث کی روایت کرتے ہیں، اور جیسا کہ "تہذیب" میں ہے، یہ اہل مدینہ کے نزدیک امام زہری سے بھی جلیل القدر سمجھے جاتے تھے، ابن حبان کہتے ہیں "وہ صاحب کتاب تھے"، جیسا کہ "تہذیب" میں ہے۔

⑰ نیز حافظ ابن عبدالبر "جامع" میں حضرت حسن سے روایت کرتے ہیں کہ "ہمارے پاس کچھ (حدیث) کی کتابیں ہیں جن کی ہم نگہداشت رکھتے ہیں"۔

⑱ نیز حضرت عروہ سے روایت کرتے ہیں کہ ان کی کتابیں واقعہ حرہ میں جل گئی تھیں اور وہ فرمایا کرتے تھے کہ: "کاش میرے اہل وعیال کے بجائے میری کتابیں میرے پاس رہ جاتیں"۔

سنت کی ذیلی قسم۔آثار صحابہ

⑲ نیز صالح بن کیسانؒ سے نقل کرتے ہیں کہ میں اور ابن شہاب طلب علم میں مشغول تھے، ہم نے اتفاق رائے سے فیصلہ کیا کہ ہم سنن لکھیں، چنانچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی

تمام احادیث جو ہم سن سکے انہیں قلمبند کرلیا، اس سے فارغ ہوئے تو ابن شہاب بولے: ''آیئے صحابہ کے آثار بھی لکھیں، میں نے کہا: نہیں! وہ سنت نہیں! وہ کہنے لگے: نہیں بھائی! وہ بھی سنت ہے''، چنانچہ انہوں نے وہ بھی لکھ لئے اور میں نے نہیں لکھے، نتیجہ یہ کہ وہ کامیاب ہوگئے اور میں ضائع ہوکر رہ گیا۔

صحیفۂ ہمام بن منبہ رحمۃ اللہ علیہ

⑦ ابوعقبہ ہمام بن منبہ بن کامل الصنعانی کے پاس ایک صحیفہ تھا جس میں وہ احادیث درج تھیں جو انہوں نے حضرت ابوہریرہؓ سے سماعت کی تھیں، یہ تقریباً ایک سو چالیس (۱۴۰) احادیث تھیں، جو ایک ہی سند سے مروی ہیں، اس صحیفہ کی روایت ان سے معمر بن راشد کرتے ہیں، معمر ان کی خدمت میں اس وقت پہنچے جب کہ وہ اس قدر سن رسیدہ ہو چکے تھے کہ ان کی ابرو آنکھوں پر گر چکی تھیں، چنانچہ ہمام نے معمر کو یہ صحیفہ سنانا شروع کیا مگر تھک گئے تو باقی ماندہ معمر نے چھوڑ دیا، جیسا کہ تہذیب (ج:۱۱، ص:۶۷) میں ہے، اور معمر بن راشد ابوعمرو الیمانی کی وفات ۱۵۳ھ میں ہوئی۔

صحیفہ ہمام بن منبہ، نادر اور تاریخی مخطوطات میں سب سے قدیم تر صحیفہ ہے، جو حسن اتفاق سے دمشق کے ''کتب خانہ ظاہریہ'' میں دیگر مجموعوں کے ضمن میں صحیح سالم دستیاب ہوا ہے، اور اس کا ایک نسخہ مکتبہ برلین (جرمنی) میں موجود ہے، یہ نسخہ فاضل محترم ڈاکٹر حمید اللہ حیدر آبادی نزیل پیرس نے ایڈٹ کر کے شائع کر دیا ہے، متع الله المسلمين بجهوده المثمرة النافعة۔

شروع میں موصوف نے ایک طویل فاضلانہ مقدمہ تحریر فرمایا ہے، جس میں تدوین حدیث کی تاریخ اور اس صحیفہ سے متعلق بحث وتحقیق اور طبقات وسماعات پر تفصیل سے روشنی ڈالی ہے، یہ نسخہ امام احمدؒ نے 'مسند کبیر'' (جلد دوم) میں صفحہ ۳۱۲ سے ۳۱۹ تک ایک ہی سند سے درج کیا ہے۔ اس کی ابتداء حضرت ابوہریرہؓ کی اس حدیث سے ہوتی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ''نحن الآخرون السابقون يوم القيامة بيد أنهم أوتوا

الکتاب من قبلنا وأوتینا من بعدهم" الخ۔اوررسول اللہ ﷺ کے اس ارشاد پر ختم ہوتا ہے:"العجماء جرحها جبار" الخ۔مسند میں یہ تمام احادیث "عبد الرزاق عن معمرعن همام عن ابي هريرة" کی سند کے ساتھ مروی ہیں،ان کے ساتھ مسند میں معمر سے کچھ دوسری احادیث بھی مذکور ہیں، جوعبدالرزاق کے علاوہ دوسرے طرق سے مروی ہیں،(صحیفہ اور مسند کے مابین چند)احادیث کی ترتیب میں معمولی اختلاف ہے اور ایک حدیث کا مسند میں اضافہ ہے۔

جیسا کہ ڈاکٹر حمیداللہ صاحب نے ذکر کیا ہے،اس صحیفہ کی احادیث صحیحین میں حسب ذیل تفصیل سے درج ہیں:

۲۳رمتفق علیہ،۲۵رصرف بخاری میں، ۴۳رصرف صحیح مسلم،مجموعہ ۹۱۔

بہر حال یہ صحیفۂ صحیحہ جونادر مخطوطوں میں محفوظ رہا ہے،احادیث کے ضبط واتقان اور حفظ و یادداشت پر نہایت قوی تاریخی وثیقہ کی حیثیت رکھتا ہے، جواس امر کی بین دلیل ہے کہ علم حدیث کے نقطۂ آغاز سے لیکر آج تک علم سینہ اور علم سفینہ میں ہم آہنگی اور مطابقت رہی ہے اور یہ منکرین حدیث پر حجت قاطعہ ہے،جس سے زیغ والحاد کی رگ کٹ جاتی ہے،کیسی عجیب بات ہے کہ جو احادیث اس صحیفہ میں درج ہیں ٹھیک وہی احادیث ایک حرف کی کمی بیشی کے بغیر صحیح بخاری،صحیح مسلم اور مسند احمد وغیرہ کتب میں جوں کی توں موجود ہیں،کیا اس کے بعد بھی محدثین کے خارق عادت ضبط واتقان اور کمال احتیاط وتثبت میں کوئی شبہ رہا جاتا ہے؟ نہیں! قطعاً نہیں!۔

ہم سمجھتے ہیں کہ مستشرقین اور ان کے وفادار مشرقی شاگردوں کے منہ میں مٹی ڈالنے کے لئے تنہا صحیفۂ ہمام بن منبہ کی شہادت کافی ہے،ہاں! کسی کا نور بصیرت ہی سلب کرلیا گیا ہوتو اسے روشنی کی کرن کہاں سے میسر آسکتی ہے؟ کس قدر آیات بینات صفحات عالم پر رقم ہیں، لیکن یہ ظالم ہیں کہ بدستور اللہ کی آیتوں کو جھٹلائے جاتے ہیں۔

دوسری صدی ہجری کے تین اہم حدیثی مجموعے

استاذ ڈاکٹر اعظمی نے اپنی کتاب "الدراسات فی الحدیث النبوی و تدوینه" میں پہلی مرتبہ حدیث نبوی کے ایسے تین مجموعوں کا انکشاف کیا ہے جو دوسری صدی ہجری کے آغاز میں لکھے گئے:

اول: سہیل بن ابی صالح کا نسخہ جس میں ۴۹ر حدیثیں درج تھیں، جنہیں وہ اپنے والد سے اور وہ حضرت ابو ہریرہؓ سے اور وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں۔

دوم: عبیداللہ بن عمر العمری کا نسخہ جس میں ۱۴۷ر احادیث جمع کی گئی تھیں، جن کو وہ نافع سے اور وہ عبیداللہ بن عمرؓ سے اور وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں۔

سوم: ابوالیمان حکم بن نافع کا نسخہ جس میں ۲۷ر احادیث ضبط کی گئی تھیں، جنہیں وہ شعیب بن ابی حمزہ عن الزہری کی سند سے روایت کرتے ہیں۔

بہرحال یہ اور اس قسم کے تمام مجموعے قدیم تر دور تدوین کے تاریخی وثیقے ہیں، جو حدیث نبوی میں محدثین کے ضبط و اتقان کی بیّن شہادت پیش کرتے ہیں، اور خدا جانے ابھی تک کتنے نادر مخطوطے کتب و دفاتر کے ڈھیروں تلے دبے ہوئے گوشۂ گمنامی میں پڑے ہوں گے، کیا بعید ہے کہ مستقبل قریب میں تلاش کرنے والوں کو ان کے انکشاف کا موقعہ میسر آجائے، واللہ یھدی من یشاء الی صراط مستقیم۔

ہم سمجھتے ہیں کہ اس دور کی کتابت حدیث کے سلسلہ میں یہاں جو چند اشارے کئے گئے ہیں اہل نظر کے لئے کافی و وافی ہیں، اس کے بعد مزید استقصاء و استیفاء کی حاجت نہیں رہ جاتی، کون نہیں جانتا کہ جب کتابت کا رواج عام ہوا، اور سینوں کے چشمے خامہ و قرطاس کی راہ سے ابلنے لگے تو اس امت نے تحریر و کتابت اور املا و استملا کا وہ ریکارڈ قائم کیا جس کی نظیر پیش کرنے سے تاریخ عالم قاصر ہے، اندریں صورت ناممکن ہے کہ تمام مجموعہ ہائے حدیث کو شمار کرلیا جاسکے، بہرصورت اللہ تعالیٰ نے اس کے ذریعہ اپنی حجت پوری کردی کہ کسی ریب و تردد کی مجال اور شک و شبہ کی گنجائش باقی نہیں رہ گئی، مگر ہمارے منکرین کا حال وہ ہے جو اللہ

تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے کہ ''آنکھیں اندھی نہیں، لیکن وہ دل اندھے ہیں جو سینوں میں ہیں''۔

الغرض کتابت حدیث کا علم دور صحابہ بلکہ دور نبوت کے اخیر سے لے کر کبار تابعین، اوساط تابعین اور صغار تابعین کے دور تک پیہم جاری رہا، البتہ یہ اصطلاحی قسم کی تدوین وتالیف اور تصنیف نہیں تھی کہ مخصوص انداز سے جمع وترتیب کا لحاظ رکھا گیا ہو، بلکہ ان کی نوعیت یادداشتوں کی تھی کہ محض ضبط وحفظ کی خاطر احادیث کو سینوں سے بطون اوراق میں منتقل کرلیا جاتا تھا، تاکہ غفلت ونسیان کی بنا پر ان کے ضیاع کا خطرہ نہ رہے، بلکہ آئندہ دور تک انہیں محفوظ رکھا جاسکے۔

لیجئے اب ہم اس دور کی تفصیل پیش کریں گے جب کہ حدیث کی باضابطہ تدوین شروع ہوئی، واللہ المستعان۔

باب یازدہم

تدوین حدیث اور اس کے ارتقائی مراحل

پہلا مرحلہ: خلیفۂ راشد عمر بن عبد العزیزؒ اور تدوین حدیث

اس میں شک نہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث کے سب سے زیادہ عاشق صحابہؓ وتابعینؒ تھے، وہ احادیث کو یاد کرتے، ان کا مذاکرہ کرتے اور ان کی نگہداشت کرتے تھے۔

① امام دارمیؒ اپنی مسند "باب مذاکرۃ العلم" میں متعدد اسانید سے ابن عباسؓ کا یہ ارشاد نقل کرتے ہیں کہ:

"حدیث کا مذاکرہ کیا کرو کہ تمہارے حافظے سے محو نہ ہو پائے، کیونکہ وہ قرآن کی طرح اوراق میں محفوظ اور جمع شدہ نہیں ہے، اگر اس کا مذاکرہ نہیں کیا جائے گا تو بھول جائے گی، اور کوئی شخص یہ نہ کہے کہ میں نے کل حدیث بیان کردی تھی، لہذا آج نہیں کروں گا، بلکہ کل مذاکرۂ حدیث کیا تو آج بھی کرو، اور آئندہ کل بھی، (یعنی بلاناغہ انہیں دہراتے رہو)"۔

② اور حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کا ارشاد نقل کرتے ہیں کہ:

"حدیث کا مذاکرہ کیا کرو، کہ مذاکرہ ہی اس کی حیات وبقاء کا ذریعہ ہے"۔

③ نیز ان کا ارشاد ہے کہ:

"حدیث کی آفت نسیان ہے"۔

④ حضرت ابن عباسؓ کا ارشاد ہے کہ:

''رات کی ایک گھڑی میں علم کا مذاکرہ تمام رات کی شب بیداری سے افضل ہے''۔

۵ حضرت عطاءؒ فرماتے ہیں کہ:

''ہم حضرت جابر بن عبداللہؓ کی خدمت میں حاضر ہو کر باہر آتے تو ان کی احادیث کا ہم مذاکرہ کرتے، اور ابوزبیر کو ان کی حدیث ہم سب سے زیادہ یاد ہوتی''۔

۶ حضرت علقمہؒ فرماتے ہیں:

''حدیث کا مذاکرہ کیا کرو، کیونکہ اسے یاد کرنا ہی اس کی حیات ہے''۔

۷ ابراہیم نخعیؒ کا ارشاد ہے:

''اپنی حدیث ہر شخص کے پاس بیان کرو، خواہ وہ اسے چاہتا ہو یا نہ چاہتا ہو، اس کا فائدہ یہ ہوگا کہ حدیث تمہیں ایسی ازبر ہو جائے گی گویا تم قرآن کریم سامنے رکھ کر اسے فرفر پڑھ رہے ہو''۔

اس نوعیت کے متعدد آثار مبارکہ امام دارمیؒ نے نقل کئے ہیں۔

الغرض حدیث نبوی کے معاملہ میں ان کا یہی دستور تھا کہ کبھی درس وتدریس اور مذاکرہ کی صورت میں اس کی نگہداشت کی جاتی، اور کبھی اوراق میں قلمبند کر کے اسے محفوظ کر لیا جاتا، اور اس سلسلہ میں ان کے ذوق مختلف بھی ہو جاتے، تا آنکہ خلیفہ راشد عمر بن عبدالعزیز الامویؒ کا دور آیا، جنہوں نے نصف صدی کے بعد احیائے خلافت کا کارنامہ انجام دیا، یہ وہ دور تھا کہ اسلامی ریاست کی حدیں نہایت وسیع ہو چکی تھیں، فتوحات کی کثرت تھی، صحابہؓ کا دور ختم ہو رہا تھا، ادھر صحابہ کرامؓ جن کے قلوب علوم نبوت کے امین تھے، ان کی اکثریت عالم بقاء کو سدھار چکی تھی، ان حالات میں خلیفہ راشد کو یہ خطرہ محسوس ہوا کہ کہیں اہل علم کے ساتھ ہی علم بھی رخصت نہ ہو جائے۔

ٹھیک یہی خطرہ سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ کو ضیاع قرآن کے سلسلہ میں اس وقت محسوس ہوا جب جنگ یمامہ میں قتل کا بازار گرم ہوا، اور تقریباً سات سو (۷۰۰) حفاظ قرآن

شہید ہو گئے۔ چنانچہ انہوں نے حضرت سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی خدمت میں جمع قرآن کی تجویز پیش کی۔

بہر حال خلیفہ راشد عمر عبدالعزیزؒ کو علوم نبوت کے ضیاع کا خطرہ محسوس ہوا تو انہوں نے جمع حدیث کا گشتی فرمان جاری کیا، امام دارمیؒ بروایت یحییٰ بن حسان از عبدالعزیز بن مسلم، عبداللہ بن دینار سے نقل کرتے ہیں کہ حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ نے اہل مدینہ کو لکھا کہ:

''دیکھو! رسول اللہ ﷺ کی جو حادیث تمہارے پاس ہوں انہیں لکھ لو، کیونکہ مجھے علم کے مٹ جانے اور اہل علم کے رخصت ہو جانے کا اندیشہ ہے''۔

اور ایک دوسری سند سے ابن دینارؒ کے یہ الفاظ نقل کئے ہیں:

''حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ نے ابوبکر بن محمد بن حزم کو لکھا کہ رسول اللہ ﷺ کی جو احادیث تمہارے پاس ثابت ہوں، نیز حضرت عمرؓ کی حدیث مجھے لکھ بھیجو، کیونکہ مجھے علم کے مٹ جانے اور اس کے اٹھ جانے کا اندیشہ ہے''۔

① امام بخاریؒ نے ''الجامع الصحیح'' کے ''باب كيف يقبض العلم'' میں عمر بن عبدالعزیزؒ کا یہ حکم تعلیقاً ذکر کیا ہے، اس کے الفاظ یہ ہیں:

''اور عمر بن عبدالعزیزؒ نے ابوبکر بن حزم کے نام لکھا کہ دیکھو! رسول اللہ ﷺ کی جو بھی حدیث ہو اسے لکھ لو، کیونکہ مجھے علم کے مٹ جانے اور علماء کے اٹھ جانے کا اندیشہ ہے''۔

② اور امام محمد بن حسن شیبانیؒ اپنی مؤطا کے ''باب اکتتاب العلم'' میں بروایت امام مالک یحییٰ بن سعید سے روایت کرتے ہیں:

''عمر بن عبدالعزیزؒ نے ابوبکر بن عمرا بن حزم کے نام تحریر فرمایا کہ دیکھو! رسول اللہ ﷺ کی حدیث ہو یا آپؐ کی سنت ہو، یا حضرت عمرؓ کی حدیث ہو، یا اس کی مثل کوئی چیز ہو تو اسے میرے پاس لکھ بھیجو کیونکہ مجھے علم کے مٹ جانے اور علماء کے رخصت ہو جانے کا اندیشہ ہے''۔

مؤطا امام محمد کے الفاظ بڑے وسیع اور جامع ہیں، کیونکہ اس میں (خط کشیدہ الفاظ) "اوسنته اونحوهذا" کے الفاظ زائد ہیں۔ جس سے پتہ چلتا ہے کہ تمام احادیث، تمام سنن، اور حضرت عمرؓ وخلفائے راشدینؓ کے تمام آثار کو ضبط تحریر میں لانے کا حکم دیا گیا تھا، اس روایت کو نقل کرنے کے بعد امام محمدؒ فرماتے ہیں کہ:

"اور ہم اسی کو لیتے ہیں، اور ہم کتابت علم میں کوئی مضائقہ نہیں سمجھتے، یہی امام ابوحنیفہؒ کا قول ہے"۔

③ اور ابن عبدالبر نے "التمہید" میں امام مالکؒ سے نقل کیا ہے (جیسا کہ "تنویر الحوالک" کے مقدمہ میں فائدہ ثانیہ میں ہے) کہ:

"عمر بن عبدالعزیزؒ سنن اور فقہ کی تعلیم کے لئے تمام قلمرو میں گرامی نامہ تحریر فرماتے تھے، اور خطوط کے ذریعہ اہل مدینہ سے گزشتہ دور کے بارے میں سوالات کیا کرتے، اور اہل مدینہ کے پاس جو علم تھا ان سے اس کے اظہار کی فرمائش کرتے، اور ابوبکر بن عمرو ابن حزم کے نام تحریر فرماتے کہ وہ سنن کو قلمبند کر کے انہیں بھیج دیں، ابن حزم نے متعدد کتابیں لکھ لی تھیں، مگر ابھی تک بھیجنے کی نوبت نہیں آئی تھی کہ عمر بن عبدالعزیز کی وفات ہوگئی"۔

اور حافظ ابن حجرؒ "فتح الباری" میں لکھتے ہیں:

"ابونعیم نے "تاریخ اصبہان" میں یہ واقعہ ان الفاظ میں روایت کیا ہے کہ عمر بن عبدالعزیزؒ نے تمام اطراف وآفاق میں یہ گشتی فرمان جاری کیا کہ دیکھو! رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث جو کسی کے پاس محفوظ ہوں انہیں جمع کرلو"۔

④ حافظ ابوعمرؒ "باب بیان العلم" میں سعید بن زیاد مولی زبیر سے روایت کرتے ہیں کہ:

"میں نے ابن شہاب کو سعد بن ابراہیم سے یہ واقعہ ذکر کرتے ہوئے سنا ہے کہ عمر بن عبدالعزیزؒ نے ہمیں سنن واحادیث جمع کرنے کا حکم دیا، تو ہم نے ان کے الگ الگ دفتر تیار کئے، پس انہوں نے ہر ایسی جگہ جہاں کوئی حاکم تھا ایک ایک

دفتر بھیج دیا''۔

نیز وہ اپنی سند سے روایت امام محمد بن حسن شیبانیؒ، امام مالکؒ سے نقل کرتے ہیں کہ:

''جس شخص نے سب سے پہلے علم مدون کیا وہ ابن شہاب ہے''۔

⑤ حافظ ''فتح الباری'' میں فرماتے ہیں:

''اس واقعہ سے حدیث نبوی کی تدوین (عام) کا آغاز مستفاد ہوتا ہے، اس سے قبل وہ حضرات حافظے پر اعتماد کرتے تھے، لیکن جب پہلی صدی کے آخر میں عمر بن عبدالعزیزؒ کو علماء کے اٹھ جانے، علم کے مٹ جانے کا اندیشہ محسوس ہوا تو انہوں نے یہ رائے ظاہر کی کہ کتابی تدوین کی صورت میں ہی علم باقی اور محفوظ رہ سکتا ہے''۔

ابوبکر بن حزم کا علمی مقام

ابوبکر بن حزم ایک جلیل القدر تابعی اور فقیہ ہیں، حضرت عمر بن عبدالعزیز کی جانب سے مدینہ کی امارت اور قضاء کا منصب انہیں تفویض تھا، اسی بناء پر انہیں تدوین حدیث کے سلسلہ میں تحریر فرمایا، ان کا نام ''ابوبکر'' ہی معروف ہے، بعض نے کہا ہے کہ ان کی کنیت ''ابو عبدالملک'' اور نام ''ابوبکر'' تھا، اور بعض نے کہا کہ ان کی کنیت ہی ان کا نام ہے، یہ تو حافظؒ نے ''فتح الباری'' میں لکھا ہے، اور ''التہذیب'' کی ''کنیٰ'' میں ہے کہ وہ اپنے والد ''محمد'' سے روایت کرتے ہیں، اور ان (یعنی ابوبکر کے والد محمد) کو رؤیت نبوی حاصل ہے، نیز وہ اپنے دادا عمرو سے جنہیں شرف صحابیت حاصل ہے، مرسلاً روایت کرتے ہیں، نیز وہ اپنی خالہ عمرہ بنت عبدالرحمن الانصاریہ، ابوحیہ البدری، خالدہ بنت انس (یہ بھی صحابیہ ہیں)، سائب بن یزید، عباد بن تمیم، سلمان الاغر، عبداللہ بن قیس بن مخرمہ، عبداللہ بن عمرو بن عثمان، عمرو بن سلیم، عمر بن عبدالعزیز، ابوسلمہ بن عبدالرحمن، ابوالبداح بن عاصم اور ایک جماعت سے روایت کرتے ہیں، اور ان سے بہت سی مخلوق روایت کرتی ہے، جن میں (مندرجہ ذیل نام خصوصیت سے قابل ذکر ہیں) عمرو بن دینار، یہ ان سے عمر میں بڑے ہیں، زہری، یحییٰ بن سعید انصاری اور ولید بن ہشام وغیرہ، اور ان کے بارے میں واقدی مؤرخ مدینہ کہتے ہیں کہ: ''وہ ثقہ اور

کثیر الحدیث تھے"، اور ان کی اہلیہ محترمہ کا بیان ہے کہ "ابوبکر نے چالیس سال تک رات کو بستر سے پہلو نہیں لگایا"۔ [ملخص از فتح الباری وتہذیب]

اور "تھذیب" میں ہے کہ انہیں عمر بن عبدالعزیزؒ نے مدینہ کا حاکم مقرر کیا تھا، اور انہیں لکھا تھا کہ عمرہ بنت عبدالرحمن اور قاسم ابن محمد کے پاس جو علم ہے وہ انہیں لکھ بھیجیں، انہی کے بارے میں امام مالکؒ فرماتے ہیں کہ: "میں نے ابوبکر سے زیادہ کوئی بامروّت اور کامل الحال آدمی نہیں دیکھا"، اور ان کے صاحبزادے عبداللہ بن ابی بکر سے ان کی کتابوں کے بارے میں دریافت کیا گیا تو انہوں نے کہا کہ: "وہ ضائع ہوگئیں"، جیسا کہ حافظؒ نے نقل کیا ہے۔

الغرض ابوبکر بن حزم حدیث کے بہت بڑے امام، عبادت گزار وشب بیدار اور مدینہ کے گورنر اور قاضی تھے، ان تمام امور سے ہم یہ نتیجہ اخذ کرنے میں حق بجانب ہیں کہ امت خلیفہ راشد عمر بن عبدالعزیزؒ کے تعمیل حکم میں اٹھ کھڑی ہوئی، اور وہ علوم نبوت جو سینوں کی امانت تھے، اوراق صحائف میں منتقل کردیئے گئے، یہ وہ دور تھا کہ پورے عالم اسلام میں حدیث کے چشمے ابل رہے تھے، مدینہ، مکہ، کوفہ، بصرہ، بغداد، واسط، شام، یمن، جزیرہ، مصر، خراسان الغرض جس جگہ بھی صحابہ کرامؓ جتنی تعداد میں زیادہ پہنچے اسی نسبت سے وہاں کے لوگ سب سے خوش بخت ثابت ہوئے، اسی طرح حجاز، عراق، شام اور خراسان وغیرہ میں علم حدیث کی نہریں جاری ہوئیں، جن سے مردہ قلوب کی مسیحائی ہوئی، تشنگان علوم نبوت کی سیرابی کا سامان ہوا، اور حدیث رسول اللہ ﷺ کے بحر محیط کی موجیں تمام عالم اسلام کو سیراب کرنے لگیں۔

حاصل یہ کہ خلیفہ راشد امیر المؤمنین عمر بن عبدالعزیزؒ نے جب محسوس کیا کہ امت رسول اللہ ﷺ کی حدیث، آپ کے سنن اور حضرت فاروقؓ اور دیگر خلفاء کے آثار کی محتاج ہے تو انہوں نے تمام اطراف میں گشتی فرمان جاری کیا کہ حدیث رسول اللہ ﷺ اور آثار خلفاء کا جتنا ذخیرہ کسی کے پاس محفوظ ہے اسے قلمبند کرلیا جائے، اور یہ ایک بدیہی حقیقت ہے

کہ امت عمر بن عبدالعزیزؒ جیسے خلیفۂ راشد کے صریح حکم کے بعد کسی قسم کی کوتاہی سے کام نہیں لے سکتی تھی، اور یہ حکم صرف اہل مدینہ ہی کے نام نہیں تھا بلکہ تمام آفاق کو تھا جیسا کہ ابونعیم نے اور ابن عبدالبر نے امام مالکؒ سے نقل کیا ہے، اندریں صورت ظاہر ہے کہ اس میدان میں ہر شخص نے مسابقت کی ہوگی، اور ہر شخص گوئے سبقت لے جانے کے لئے بے تاب ہوگا، اس وقت اگر مدینہ میں امام زہریؒ اور ابوبکر بن حزمؒ جیسے اکابر موجود تھے تو کوفہ میں امام ابوعمرو بن عامر بن شراجیل الشعبی الحمیری الکوفی نادرۂ روزگار محدث موجود تھے، جنہیں امام حسن بصریؒ کثیر العلم، عظیم الحلم، قدیم السلم کے الفاظ سے یاد کرتے ہیں، امام شعبیؒ کو پانچ سو (۵۰۰) صحابہ سے ملاقات کا شرف حاصل ہے، جن میں عشرۂ مبشرہ میں سے حضرت علیؓ، سعد بن ابی وقاصؓ اور سعید بن زیدؓ شامل ہیں، فقہاء صحابہ میں سے زید بن ثابتؓ اور عبادلہ اربعہؓ ایسے حضرات، کثیر الروایات صحابہ میں سے حضرت ابوہریرہؓ جیسے اکابر، اور امہات المؤمنین میں سے حضرت عائشہ، ام سلمہ اور میمونہ رضی اللہ عنہن شامل ہیں، ان کے استاذ حضرت عبداللہ بن عمرؓ نے انہیں مغازی کی احادیث بیان کرتے ہوئے دیکھ کر فرمایا تھا:

''میں ان مواقع میں خود شریک تھا مگر یہ صاحب ان واقعات کے مجھ سے بھی زیادہ حافظ اور عالم ہیں''۔

امام شعبیؒ کی علمی خدمات

ابن معینؒ فرماتے ہیں کہ امام شعبیؒ حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کی جانب سے عہدۂ قضا پر مامور تھے۔

امام شعبیؒ اگرچہ حفظ وضبط کے لئے احادیث لکھنے کے خوگر نہیں تھے، نہ انہوں نے اس مقصد کے لئے کبھی قدم اٹھایا، لیکن قیاس کہتا ہے کہ انہوں نے خلیفۂ راشد کے حکم کی یقیناً تعمیل کی ہوگی کہ وہ خلیفہ راشد کی جانب سے قاضی تھے، اس لئے خود اپنی یادداشت کے لئے نہ سہی مگر امت کی تعلیمی ضرورت کے لئے انہوں نے احادیث کو لامحالہ قلم بند کیا ہوگا، اس کی تائید حافظ سیوطیؒ کے اس بیان سے ہوتی ہے جو انہوں نے شیخ الاسلام (حافظ ابن حجرؒ) کے

حوالے سے ''تدریب'' میں درج کیا ہے کہ ''متناسب احادیث کوایک باب میں جمع کرنے کی اوّلیت کا شرف امام شعبیؒ کو حاصل ہے، ان سے مروی ہے کہ وہ (ایک صحیفے کی طرف اشارہ کر کے) فرماتے تھے: "هذاباب من الطلاق جسيم" (یہ طلاق کا ایک بہت بڑا باب ہے) اس سے معلوم ہوتا ہے کہ انہوں نے صرف جمع احادیث پر اکتفا نہیں کیا بلکہ حدیث کو فقہی ابواب پر مرتب کرنے کا عظیم کارنامہ بھی انجام دیا، چنانچہ ہر حدیث کو اس کی مناسب باب میں جگہ دی۔

امام شعبیؒ کی وفات امام زہریؒ سے قبل ہوئی تھی، ''طبقات ابن سعد'' کے مطابق ان کا سن وفات ۱۰۳ھ یا ۱۰۴ھ یا ۱۰۵ھ ہے۔

حاصل یہ کہ جن حضرات نے یہ رائے ظاہر کی ہے کہ ''ابن شہاب نے سب سے پہلے تدوین کی''۔ ان کا قول اہل مدینہ کے اعتبار سے صحیح ہوسکتا ہے، علی الاطلاق نہیں، بلکہ علی الاطلاق اوّلیت کا شرف غالباً ''امام شعبی الحمیری الہمدانی الکوفی'' کو حاصل ہے، کیونکہ مسند مدینہ امام زہری سے ان کا طبقہ فقہ وحدیث میں اونچا ہے، یہی امام شعبی، امام ابوحنیفہ کے سب سے بڑے شیخ ہیں، اور امامؒ نے انہی سے سیر ومغازی کا علم حاصل کیا، الغرض کچھ بعید نہیں تدوین حدیث کے میدان کی گوئے سبقت امام شعبیؒ کے ہاتھ ہو، امام زہریؒ درجہ دوم پر ہوں اور امام حزمی (ابن حزمؒ) درجہ سوم پر، ان کی سنین وفات کی ترتیب بھی اسی کی مقتضی ہے۔

بہر حال یہ ہیں سلسلہ تدوین حدیث کے واقعی حقائق، مگر ان صریح حقائق کے علی الرغم احمد امین مصری صاحب ''فجر الاسلام'' و ''ضحیٰ الاسلام'' کا خیال ہے کہ خلیفہ اموی نے جس مہم کا ارادہ کیا تھا وہ پوری نہ ہوسکی، محض لچری ہے، جس کا مقصد مستشرقین کی ہمنوائی، ناواقفوں کی ذہنی تشکیک ہے، ورنہ خلیفہ راشد کی الہامی تجویز کے مطابق احادیث کے دفاتر مدون کر کے اطراف عالم میں بھیجے گئے، ان قلمی دفاتر کی کمیت کا اندازہ صرف اس واقعہ سے کیجئے جو شیخ الکتانیؒ نے "التراتيب الادارية فى نظام الحكومة النبوية" (ج:۲ ص: ۲۶۲) میں ''طبقات ابن سعد'' سے نقل کیا ہے، یعنی معمر کہتے ہیں کہ ''ہمارا خیال تھا کہ ہم نے

زہریؒ سے بکثرت احادیث روایت کی ہیں، (گویا زہری کا سارا علم ہضم کرنے میں کامیاب ہوگئے) مگر جب ولید قتل ہوئے تو ان کے خزانوں سے چوپاؤں پر دفاتر کا بار کیا گیا، اور یہ سارا زہری کا علم تھا (اس وقت ہماری خوش فہمی دور ہوئی، اور اندازہ ہوا کہ زہریؒ جیسا سمندر چند آدمیوں کے پینے سے خشک نہیں ہوجاتا'')۔

الکتانیؒ کہتے ہیں کہ ابن خلکانؒ کی کتاب ''وفیات الاعیان'' میں ابن شہاب کے حالات میں لکھا ہے کہ ''جب وہ اپنے گھر میں بیٹھتے تو اپنے اردگرد کتابیں رکھ لیتے، اور پھر ایسے مشغول ہوتے کہ دنیا و مافیہا کی خبر نہ رہتی، یہ منظر دیکھ کر ایک دن ان کی زوجہ محترمہ نے کہا کہ: ''یہ کتابیں تو مجھے تین، سوکنوں سے بھی زیادہ گراں ہیں''۔

مستشرقین اور ان کے وفادار مقلدین ان تمام حقائق سے جو ہم نے سطور بالا میں ذکر کئے ہیں، جاہل ہیں یا جان بوجھ کر آنکھیں بند کر لیتے ہیں، سچ ہے اسی طرح دل بصیرت سے اور آنکھیں بصارت سے اندھی ہوجاتی ہیں، واللہ یقول الحق وھو یھدی السبیل۔

دوسرا مرحلہ

پہلی صدی کے آخر میں خلیفہ راشد کے حکم سے تدوین حدیث کا آغاز ہوا تو دوسری صدی کے وسط تک اس کا تسلسل قائم رہا، یہ تیسرے طبقہ کے اکابر کا دور ہے جو زہریؒ سے بعد کا طبقہ ہے، اس طبقہ میں باقاعدہ تصنیف وتالیف کا عام رواج ہو چکا تھا، چنانچہ:

① مکہ مکرمہ میں: عبدالملک بن عبدالعزیز بن جریج (متوفی ۱۵۰ھ) نے۔

② مدینہ میں: محمد بن اسحاق (المتوفی ۱۵۱ھ) امام مالکؒ (المتوفی ۱۷۶ھ) اور ابن ابی ذئب (المتوفی ۱۵۸ھ) نے۔

③ بصرہ میں: ربیع بن صبیح (المتوفی ۱۶۰ھ) سعد بن ابی عروبہ (المتوفی ۱۵۶ھ) شعبہ بن حجاج (المتوفی ۱۶۰ھ) اور حماد بن سلمہ (المتوفی ۱۷۶ھ) نے۔

④ کوفہ میں: سفیان ثوری (المتوفی ۱۶۱ھ) اور ابن ابی شبرمہ (المتوفی ۱۴۴ھ) نے۔

⑤ شام میں: امام اوزاعیؒ (المتوفی ۱۵۶ھ) نے۔

⑥واسط میں: ہشیم بن بشیرؒ (التوفی ۱۸۸ھ) نے۔
⑦یمن میں: معمر بن راشدؒ (التوفی ۱۵۳ھ) نے۔
⑧ری میں: جریر بن عبدالحمیدؒ (التوفی ۱۸۸ھ) نے۔
⑨خراسان میں: عبداللہ بن مبارکؒ (التوفی ۱۸۱ھ) نے اوران کے علاوہ دیگر حضرات نے اس قدر تالیفات کیں کہ ان کی کثرت کا احاطہ بھی دشوار ہے، چنانچہ سفیان بن عیینہؒ (التوفی ۱۹۸ھ) اورلیث بن سعد (التوفی ۱۷۵ھ) نے کتابیں لکھیں، عبدالعزیز بن عبداللہ الماجشون نے امام مالکؒ کی تالیف سے پہلے ایک کتاب لکھی جن میں ان مسائل کا احاطہ کیا گیا جن پر اہل مدینہ کا اتفاق تھا، امام ابو یوسفؒ نے کتاب الآثار میں امام ابوحنیفہؒ سے اپنی روایات کو جمع کیا۔

اسی طرح امام محمد بن حسن الشیبانی نے بھی کتاب الآثار کے نام سے امام ابوحنیفہؒ سے اپنی روایات جمع کیں، جن کا بیشتر حصہ موقوف روایات کا ہے، مرفوع احادیث بہت کم ہیں، حمید طویل کے پاس حسن بصریؒ کی کتابیں تھیں، جنہیں نقل کر کے انہیں واپس کر دیا تھا، جب کہ الکتانیؒ نے "التراتیب الادار یۃ" میں "طبقات ابن سعد" جلد ہفتم سے نقل کیا ہے، جیسا کہ الکتانیؒ نے "کشف الظنون" سے بھی نقل کیا ہے، اسی طرح مجاہد بن جبیر مکی نے تفسیر لکھی، عکرمہ اور علی بن ابی طلحہ نے ابن عباس کی روایت سے تفسیریں لکھیں، جیسا کہ صاحب کشف نے ذکر کیا ہے، ظاہر ہے کہ یہ تفسیریں متعلقہ احادیث وآثار پر مشتمل ہوں گی، الغرض اس دور میں تالیف کردہ کتابوں کی فہرست اگر مجنون کے سامنے پڑھی جائے تو ہوش میں آجائے، مگر حیف ہے کہ مستشرقین اوران کے وفادار شاگرد، ملاحدہ وزنادقہ اورزائغین اللہ کے نور کو مٹانا چاہتے ہیں، واللہ متم نورہ ولو کرہ الکافرون۔

مناسب ہوگا کہ آگے بڑھنے سے پہلے مذکورہ بالاحقائق کا چند نکاتی خلاصہ سامنے رکھا جائے:

اول: یہ صحیح ہے کہ کچھ اسباب ومصالح کی بناء پر کتابت حدیث سے اولاً منع کیا گیا

تھا، بعدازاں متعدد مصلحتوں اور حکمتوں کے پیش نظراس کی اجازت دیدی گئی، گویا تدریجی تشریع یہاں بھی ملحوظ رہی۔

دوم: صحابہ کرامؓ حفظ وضبط کے لئے احادیث لکھ لیا کرتے تھے، مگر یہ دور تصنیف و تالیف کا دور نہیں تھا۔

سوم: تاہم حضرت عبداللہ بن عمروؓ جو حدیث بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سنتے اسے لکھ لیتے، اوراس مجموعے کا نام انہوں نے ''الصادقہ'' رکھا تھا، اور یہ بھی ثابت ہے کہ حضرت ابوہریرہؓ کی روایات ان کے پاس تحریر شدہ موجود تھیں، اوران دونوں حضرات کی احادیث ہی حدیث کے بیشتر حصہ کی حفاظت کے لئے کافی ہیں۔

چہارم: اکابر تابعین سے ضبط وتحریر کا اہتمام ثابت ہے، اور تابعین کے دوسرے اور تیسرے طبقہ میں بھی اس اہتمام میں روزافزوں اضافہ ہوتا رہا، اور بکثرت کتابیں لکھی گئیں۔

پنجم: خلیفہ عادل عمر ثانیؒ کو صحابہؓ کے اٹھ جانے سے احادیث کے ضیاع کا اندیشہ لاحق ہوا تو انہوں نے احادیث اور سنن وآثار کی تدوین کا حکم فرمایا، اور تمام اطراف مملکت میں اس مضمون کا گشتی فرمان جاری کیا، ان کے حکم سے سینوں کی امانت سفینوں میں منتقل کردی گئی، اور جتنا حصہ جمع ہوکر ان کے پاس پہنچا انہوں نے اس کی نقلیں لے کر مختلف شہروں میں بھجوادیں، اس لئے مستشرقین اوران کے مقلدین کا یہ کہنا کہ وہ سب ضائع ہوگئیں محض خیال خام اور افسانہ بے معنی ہے، بلکہ امت اس سے منتفع ہوئی، اوراس مہم میں امام شعبیؒ، امام زہریؒ اور امام حزمیؒ (ابن حزم) نے سبقت کی، اور بہت ممکن ہے کہ علی الاطلاق اس سبقت کا سہرا امام شعبیؒ کے سر ہو۔

ششم: دورنبوت سے لیکر عہد تدوین تک احادیث کی تدوین وکتابت کا تسلسل پوری طرح قائم رہا، تاآنکہ دوسری صدی ہجری کے وسط میں کوئی ایسا شہر نہیں رہا جس میں محدثین کے علوم اورمرویات کو کتابی شکل میں جمع نہ کرلیا گیا ہو، مکہ، مدینہ، کوفہ، بصرہ، بغداد، واسط، خراسان، شام، مصر، یمن، الغرض ہر خطہ میں کتابیں لکھی گئیں، اور علم حدیث کے

چشمے تمام عالم اسلامی میں پورے جوش سے ابلنے لگے۔

ہفتم: احکام شرعیہ میں جو مشیت الٰہیہ کارفرما ہے وہ نہیں چاہتی تھی کہ حدیث کی باقاعدہ تدوین شیخین کے دور میں بلکہ خلافت راشدہ کے زمانہ میں بھی ہو، تاکہ ان احکام میں قطعیت کے بجائے ظنیت کا رنگ پیدا ہو جائے، اور خلاف ورزی کرنے پر گناہ نسبتاً ہلکا ہو، یہ اس امت پر حق تعالیٰ کی بے پایاں رحمت تھی، اور اللہ تعالیٰ تو اپنے بندوں پر بہت ہی شفیق ہیں۔

ہشتم: بعض ایسے تاریخی مخطوطوں اور وثیقوں کا انکشاف ہوا ہے اور آئندہ مزید ہوگا جو اس امر پر مہر تصدیق ثبت کرتے ہیں کہ حضرات محدثین نے جن احادیث کو محض زبانی روایات کے ذریعہ ایک سینہ سے دوسرے سینہ میں منتقل کیا وہ اس حیرت انگیز حد تک صحیح ہیں کہ ایک لفظ کی کمی بیشی نہیں ہو پائی، اور یہ محدثین کے بے مثال حفظ وضبط اور حدیث کی ٹھیک ٹھاک حفاظت کی ایسی روشن برہان ہے جو منکرین اور زائغین پر اللہ تعالیٰ کی حجت قائم کر دیتی ہے۔ فالحمد للہ رب العالمین۔

تیسرا مرحلہ

قرائن بتاتے ہیں کہ پہلے اور دوسرے دور میں تدوین حدیث کا انداز یہ تھا کہ احکام کی جتنی احادیث مل سکیں، انہیں یکجا کر لیا جائے، خواہ وہ مرفوع احادیث ہوں، یا صحابہ کرامؓ کے آثار موقوفہ، یا وہ سنن ہوں جو شیخین کے خصوصاً عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے دور میں معروف تھیں، اس لئے مرفوع احادیث کو آثار موقوفہ کے ساتھ جمع کیا جاتا تھا، اس واضح نظیر کے لئے مؤطا امام مالک بروایت شیبانی یا بروایت یحییٰ بن یحییٰ المصمودی الاندلسیؒ کا پیش کر دینا کافی ہے۔ بلکہ احادیث نبویہ اور آثار صحابہ کے ساتھ تابعین کے فتاوی واقوال کو بھی ذکر کیا جاتا تھا، حافظؒ نے بھی ''فتح الباری'' کے مقدمہ میں اس کی تصریح کی ہے، اور اس سے زیادہ تصریح ابو طالب مکیؒ نے ''قوت القلوب'' میں کی ہے جسے السیوطیؒ نے ''تنویر الحوالک'' کے مقدمہ میں نقل کیا ہے۔

یہاں تک کہ دوسری صدی کے آخر سے تدوین حدیث کا تیسرا دور شروع ہوا، اور

ایک جماعت نے احادیث نبویہ کو الگ جمع کرنے کا اہتمام کیا، چنانچہ متعدد حضرات نے مسانید مرتب کیں، مثلاً: عبداللہ بن موسی العبسی الکوفی، مسدد بن مسرہد البصری، اسد بن موسی الاموی، نعیم بن خالد الخزاعی نزیل مصر، بعدازاں ائمہ محدثین نے اس روش کا تتبع کیا، چنانچہ امام احمد بن حنبلؒ، امام اسحاق بن ابراہیم بن مخلد الحنظلی المعروف بہ ابن راہویہ، عثمان بن ابی شیبہ، عبد بن حمید، حمیدی، ابن مدینی، اور ابوداؤد طیالسی وغیرہ نے مسانید جمع کیں، اور بعض حضرات نے ابواب اور مسانید دونوں کو ملحوظ رکھا، مثلاً ابوبکر بن ابی شیبہ۔

اور بعض حضرات نے صرف ابواب پر احادیث و آثار کو مرتب فرمایا، چنانچہ عبدالرزاق بن ہمام الصنعانی نے جو امام احمدؒ کے استاذ اور امام ابویوسفؒ کے شاگرد ہیں، مصنف عبدالرزاق لکھی، ان کی کتاب احادیث احکام کی سب سے جامع کتاب ہے جو مرفوع و موقوف احادیث پر بیک وقت حاوی ہے، وہ حافظ ذہبیؒ کے بقول واقعۃً خزانۂ علم ہے، یہ بیش بہا خزانہ ''مجلس علمی'' کراچی کے زیر اہتمام دیدۂ زیب لباس طباعت سے آراستہ ہوکر عنقریب منصۂ شہود پر جلوہ گر ہوگا، اسی طرح سنن سعید بن منصور اور دیگر ذخائر حدیث اس دور میں قلمبند کئے گئے۔

حاصل یہ کہ تدوین حدیث کا تیسرا دور جو دوسری صدی کے آخر سے شروع ہوکر تیسری صدی کے وسط پر ختم ہوتا ہے، جمع حدیث کا زریں دور تھا، جس میں حدیث نبوی ایسی تابانی سے جلوہ گر ہوئی کہ عقل محو حیرت ہے، اس دور کی خصوصیت یہ تھی کہ ہر حدیث کو اس کی اسانید کے ساتھ جمع کیا جاتا، صحیح احادیث کو چھان پھٹک کر الگ نہیں کیا جاتا تھا، اس لئے ان میں صحیح، حسن اور ضعیف ہر قسم کی روایات شامل تھیں، مسانید کی فہرست بہت ہی طویل ہے، ایک بڑی تعداد ''کشف الظنون'' وغیرہ میں مل سکتی ہے، ان میں سب سے مشہور امام حافظ بقی بن مخلد القرطبی الاندلسی (المتوفی ۲۷۶ھ) کی ''مسند کبیر'' ہے، جسے انہوں نے صحابہ کرامؓ کے اسماء گرامی پر مرتب کیا ہے، اس لئے یہ جلیل القدر کتاب غایت درجہ نافع ہے، حضرت ابو ہریرہؓ کی جو احادیث امت تک پہنچی ہیں، موصوف نے ان سب کی تخریج کی ہے، جن کی تعداد (۵۳۷۴) ہے، سب سے بڑی مسند ابن ابی عاصم احمد بن عمرو الشیبانی (المتوفی

۲۸۷ھ) نے مرتب کی ہے، کہا جاتا ہے کہ اس میں پچاس ہزار احادیث تھیں، امام ابراہیم بن العسکری نے صرف ابوہریرہؓ کی مسند مرتب کی، بہرحال مسانید پر تیسرا دور ختم ہوا، بعدازاں چوتھا دور شروع ہوا۔

چوتھا مرحلہ اور اس کی خصوصیات

اوپر عرض کیا جاچکا ہے کہ عہد صحابہؓ میں کتابت حدیث کی حیثیت ان یادداشتوں کی تھی، ضیاع ونسیان کے اندیشے سے وہ احادیث مسموعہ کو ضبط کرلیا کرتے تھے، پھر صحابہؓ کے آخری دور یعنی پہلی صدی کے اواخر میں تدوین کا دور شروع ہوا تو مرفوع وموقوف احادیث کو مدون کیا گیا، بعدازاں دوسری صدی کے وسط میں ترتیب وتبویب کا دور شروع ہوا، اور دوسری صدی کے اواخر سے تیسری صدی کے اوائل تک مرفوع احادیث کو موقوف آثار سے الگ کرنے کا دور رہا، ان حضرات نے صرف مرفوع احادیث پر اکتفاء کیا، لیکن تمام مرفوع روایات کو اس طرح سمیٹ لیا کہ کسی صحیح یا ضعیف کو نہیں چھوڑا، گویا یہ تین دور ہوئے، اور چاہا جائے تو دور صحابہ کو شامل کر کے چار دور قرار دیئے جاسکتے ہیں۔

صحاح ستہ کا دور

اس کے بعد صحاح ستہ کا دور آتا ہے اور تدوین حدیث تصنیف کے ایک نئے مرحلے میں داخل ہوتی ہے۔

① چنانچہ سب سے پہلے جو شخص صحیح احادیث کو منتخب کرنے کے لئے اٹھا وہ امام ابوعبداللہ محمد بن اسماعیل بن ابراہیم بن مغیرہ بن بردزبہ بن الجعفی البخاریؒ (المتوفی ۲۵۶ھ) تھے، موصوف نے اپنے شیخ امام ابن راہویہ اسحاق بن ابراہیم بن مخلد الحنظلی کی خواہش پر صحیح احادیث کا انتخاب کیا، صحت حدیث کے سلسلہ میں طبقات رجال اور حدیث کی باریکیوں کو ملحوظ رکھنے کا التزام کیا، اور اس میں بے حد شہرت اختیار کی، انتخاب احادیث میں کامل ورع واحتیاط برتی، انہیں خوب چھان پھٹک کر اور ہر عیب اور کھوٹ سے صاف کر کے ایسے عجیب قالب میں

ڈھالا کہ عقل دنگ رہ جاتی ہے، مزید برآں ابواب فقہیہ کی رعایت اور کلامی و اصولی مسائل کی رعایت ملحوظ رکھی، اور اس مبارک کتاب کا نام انہوں نے "الجامع الصحیح المسند المختصر من امور رسول اللہ ﷺ وسننه وایامه" رکھا (جو آج صحیح بخاری کے نام سے معروف ہے)۔

② اس کے بعد ان کے نقش قدم پر چلتے ہوئے امام مسلم بن حجاج القشیری النیسابوری (المتوفی ۲۶۱ھ) نے "صحیح مسلم" تالیف کی۔

③ امام ابوداؤد سلیمان بن الاشعث سجستانی نے "سنن ابی داؤد" تالیف کی۔

④ امام ابوعبدالرحمن بن شعیب النسائی نے "سنن مجتبیٰ" مرتب کی، جسے "سنن مجتبیٰ" اور "سنن صغریٰ" بھی کہا جاتا ہے، اور وہ ان کی "سنن کبریٰ" کا اختصار ہے۔

⑤ امام ابوعیسیٰ محمد بن عیسیٰ الترمذی (المتوفی ۲۷۹ھ) نے "الجامع" لکھی جو کہ "سنن ترمذی" کے نام سے معروف ہے۔

⑥ امام ابوعبداللہ محمد بن یزید بن عبداللہ بن ماجہ القزوینی (المتوفی ۲۷۵ھ) نے "سنن" لکھی۔

⑦ امام ابومحمد عبداللہ بن عبدالرحمن الدارمی السمرقندی (المتوفی ۲۵۵ھ) نے "مسند" مرتب کی۔

"مسند دارمی" دراصل "سنن" ہے، جو فقہی ابواب پر مرتب کی گئی ہے، اس لئے یہ مسند بایں معنی ہے کہ اس میں (اصالۃً) مرفوع احادیث کا التزام کیا گیا ہے، صحیح بخاری کا نام "الجامع الصحیح المسند" اس معنی کے اعتبار سے ہے، ورنہ مسند بالمعنی المعروف نہیں۔

⑧ اور امام ابومحمد عبداللہ بن الجارود النیسابوری (المتوفی ۳۰۷ھ) نے "المنتقی من السنن المسندة" لکھی، جو صرف احکام میں ہے، یہ پہلی مرتبہ ہندوستان سے اور پھر قاہرہ سے شائع ہوئی۔

پانچواں مرحلہ

جب ان ائمہ حفاظ اصحاب صحاح ستہ کے لئے اللہ تعالیٰ اوراس کی مخلوق کے نزدیک جو قبول مقدر تھا، پورا ہو چکا، اور مشرق ومغرب میں ان کتابوں کی مقبولیت عام ہوگئی تواس کے بعد پانچواں دور آیا، چنانچہ ایک جماعت نے ان پر استخراج لکھنے شروع کئے، دوسری جماعت ان پر استدراک لکھے، اور تیسری جماعت نے ان کے نقش قدم کی پیروی کرتے ہوئے صحیح احادیث کو الگ مرتب کیا اس سلسلہ کی چند کتابوں کی فہرست حسب ذیل ہے:

① صحیح ابن خزیمہ

مؤلفہ امام محمد بن اسحاق بن خزیمہ النیسابوری المتوفی (۳۱۱ھ) غالباً یہ کتاب اس دور اور مابعد کے دور کی مرتب شدہ کتابوں میں۔ صحیحین کو مستثنیٰ کرتے ہوئے۔ سب سے زیادہ صحیح ہے، مصنف امام ابن حبان کے شیخ ہیں، اور امام الائمہ کے لقب سے ملقب ہیں۔

② صحیح ابن حبان

مؤلفہ امام ابوحاتم محمد بن حبان (بکسر حائے مہملہ) البستی المتوفی ۳۵۴ھ، مصنف نے اس کتاب کا نام "التقاسیم والانواع" رکھا ہے، اس کا ایک جز طبع ہو چکا ہے، اور اس کی ترتیب بھی مخترع ہے، ابواب پر مرتب نہیں، اس لئے اس سے استفادہ بہت ہی مشکل ہے، ابن الملقن نے اسے مرتب کیا ہے، اسی طرح علی بن بلبان الفارسی نے اسے "الاحسان فی تقریب صحیح ابن حبان" کے نام سے مرتب کیا ہے، امام عراقی نے اس کے اطراف لکھے ہیں، اور حافظ نورالدین الہیثمی نے اس کی ان احادیث کو جو صحیحین سے زائد ہیں "موارد الظمآن فی زوائد ابن حبان" کے نام سے ایک ضخیم جلد میں جمع کیا ہے، جو (۲۶۴۷) حدیثوں پر مشتمل ہے، یہ بے حد نفیس کتاب ہے، اور حافظ ہیثمیؒ نے یہ کتاب لکھ کرامت حدیث پر بہت بڑا احسان کیا ہے، جیسا کہ انہوں نے مسانید ومعاجم کی صحاح ستہ سے زائد احادیث "مجمع الزوائد" کے نام سے مرتب کر کے بڑا احسان کیا ہے، یہ کتاب

حال ہی میں شیخ محمد عبدالرزاق حمزہ کے اہتمام سے ''مکتبہ سلفیہ'' مکہ مکرمہ سے شائع ہوئی جو'' مکتبہ محمودیہ'' مدینہ منورہ کے مخطوطہ کی نقل ہے، جو مصنف کا خودنوشت ہے، اوراس پر مصنف کے تلمیذ شیخ الاسلام حافظ ابن حجرؒ کے مقابلات درج ہیں۔

③ صحیح ابو عوانہ

مؤلفہ امام ابوعوانہ یعقوب بن اسحاق المتوفی ۳۱۶ھ، حیدرآباددکن کے مطبع دائرۃ المعارف سے دوجلدوں میں شائع ہوچکی ہے، یہ صحیح مسلم پر مستخرج ہے، (اس کو مستخرج ابوعوانہ بھی کہا جاتا ہے)۔

④ صحیح ابن السکن

مؤلفہ امام ابوعلی سعید بن عثمان بن سعید بن السکن البغدادی نزیل مصر المتوفی ۳۵۳ھ، الذہبی نے ان کی کتاب کا نام ''الصحیح المنتقی'' رکھا ہے۔

⑤ المنتقی فی الاحکام

مؤلفہ حافظ ابن جارود عبداللہ بن علی المتوفی ۳۰۷ھ، یہ ایک مرتبہ ہندوستان میں، اوردوسری مرتبہ قاہرہ میں چھپی ہے۔

⑥ المنتقی فی الآثار

مؤلفہ حافظ قاسم بن اصبغ الاندلسی المتوفی ۳۴۰ھ۔

⑦ صحیح ابن شرقی

مؤلفہ حافظ ابوحامد احمد بن الحسن النیسابوری المعروف بہ ابن شرقی، امام مسلمؒ کے شاگردوں میں سے تھے، المتوفی ۳۲۵ھ۔

پس یہ حدیث کی صحیح کتابیں ہیں، جن کے مصنفین نے صحت کا التزام کیا ہے، اور بعض ایسی احادیث ذکر کی ہیں جن کی انہوں نے تصحیح کی ہے، اوران سے پہلے لوگوں سے ان کی تصحیح منقول نہیں، صحت کے اعتبار سے ان میں سے بعض کا مرتبہ بعض سے اوپر ہے، اس لئے

ان کی کتابوں کا درجہ صحیحین اور سنن صغریٰ نسائی کے بعد اور ابوداؤد سے بالاتر ہے، کیونکہ ابو داؤد نے صحت کا التزام نہیں کیا، نیز ترمذی سے بھی بلند ہے کیونکہ امام ترمذی نے اصول میں ضعیف وغریب احادیث بھی ذکر کی ہیں، کہا گیا ہے کہ صحیحین کے بعد سب سے صحیح تر کتاب صحیح ابن خزیمہ ہے، اور اس کے بعد صحیح ابن حبان، جیسا کہ "الرسالة المستطرفه" میں ہے۔

صحیحین پر مستخرجات اور مستدرکات

بعض کتابیں ایسی ہیں جن میں صحیحین پر یا ان میں سے ایک پر استخراج یا استدراک کیا گیا ہے، ان کی تعداد کافی ہے، چند نام یہ ہیں:

① مستخرج اسماعیلی

مؤلفہ حافظ ابوبکر احمد بن ابراہیم بن اسماعیل الاسماعیلی الجرجانی المتوفی ۳۷۱ھ، یہ صحیح بخاری پر استخراج ہے، اس کے بارے میں حافظ کہتے ہیں:

"میں ان کے حفظ سے مبہوت رہ گیا، اور مجھے یقین ہوگیا کہ حفظ ومعرفت میں متاخرین کا متقدمین سے جا ملنا ایک ایسی چیز ہے جس کی امید نہیں کی جاسکتی"۔

② مستخرج غطریفی

مؤلفہ حافظ ابواحمد محمد بن حامد الغطریفی الجرجانی المتوفی ۳۷۷ھ، یہ ابوبکر اسماعیلی کے رفیق ہیں، اور یہ کتاب بھی صحیح بخاری پر استخراج ہے۔

③ مستخرج الهروی

مؤلفہ حافظ ابوعبداللہ محمد بن عباس المعروف بہ ابن ابی ذہل الضبی الہروی المتوفی ۳۷۸ھ۔

④ مستخرج ابن مردویه

مؤلفہ حافظ ابوبکر احمد بن موسیٰ بن مردویہ الاصبہانی المتوفی ۴۱۶ھ۔

⑤ مستخرج برقانی

مؤلفہ حافظ ابوبکر احمد بن محمد الخوارزمی (خوارزم کے اطراف میں ایک قریہ برقانہ کی طرف نسبت ہے) المتوفی ۴۲۵ھ۔

یہ پانچوں کتابیں صحیح بخاری پر مستخرج ہیں، السیوطی نے ''تدریب'' میں ان پانچوں کی طرف، اور ''الکتانی'' نے ان میں سے چار کی طرف اشارہ کیا ہے، یہ سب غیر مطبوعہ ہیں، حافظ ابن حجرؒ، حافظ عینیؒ اور حافظ زیلعیؒ ایسے حفاظ کی کتابیں ان کے حوالوں سے بھری ہوئی ہیں۔

⑥ مستخرج ابوعوانه علی صحیح مسلم

مؤلفہ حافظ ابوعوانہ یعقوب بن اسحاق الاسفرائینی المتوفی ۳۱۶ھ، دوجلدوں میں طبع ہوچکی ہے۔

⑦ مستخرج الحیری علی صحیح مسلم

مؤلفہ ابوجعفر احمد بن حمدان الحیری (حیرہ، نیشابور کا ایک بڑا محلہ ہے، اس کی طرف نسبت ہے) المتوفی ۳۱۱ھ، مؤلف ابن خزیمہؒ کے ہم عصر ہیں۔

⑧ مستخرج اسفرائینی

مؤلفہ حافظ ابوبکر محمد بن رجاء الاسفرئینی النیسابوری المتوفی ۲۸۶ھ، مؤلف اکثر مشائخ میں امام مسلمؒ سے مشارک ہیں۔

⑨ مستخرج الجوزقی

مؤلفہ حافظ ابوبکر محمد بن عبداللہ الشیبانی النیسابوری الجوزقی (جوزق نیشابور کے ایک قریہ کا نام ہے) المتوفی ۳۸۸ھ۔

⑩مستخرج ابن شارک

مؤلفہ حافظ ابوحامد احمد بن محمد بن شارک الہروی، المتوفی ۳۵۵ھ۔

⑪مستخرج قزوینی

مؤلفہ حافظ ابوالولید حسان بن محمد احمد القرشی الاموی القزوینی النیسابوری، المتوفی ۳۴۴ھ۔

⑫مستخرج جوینی

مؤلفہ حافظ ابوعمران موسی بن عباس الجوینی (جویش بسطام ونیشابور کے مضافات میں ایک بستی ہے) المتوفی ۳۲۳ھ۔

⑬مستخرج طوسی

مؤلفہ حافظ ابوالنصر محمد بن یوسف الطوسی، المتوفی ۳۴۴ھ۔

⑭مستخرج ابی سعید

مؤلفہ حافظ ابوسعید احمد بن ابی بکر محمد الحیری النیسابوری، ۳۵۳ھ میں طرطوس میں شہید ہوئے۔

⑮مستخرج بزار

مؤلفہ حافظ ابوالفضل احمد بن سلمہ النیسابوری البزار، المتوفی ۲۸۶ھ، مؤلف بلخ کے سفر میں امام مسلمؒ کے رفیق تھے، (انہی کی درخواست پر امام مسلمؒ نے اپنی صحیح تالیف کی)۔

⑯مستخرج بلاذری

مؤلفہ حافظ ابومحمد احمد بن الطوسی البلاذری المتوفی ۳۳۹ھ، یہ گیارہ کتابیں صحیح مسلم پر مستخرج ہیں، اس سلسلہ کی مزید کتابوں کا ذکر ہم نے حذف کردیا، اور صحیحین پر جو لکھے

استخراج لکھے گئے ان کی تعداد الکتانی نے اپنے رسالہ میں نو (۹) ذکر کی ہے، اور السیوطی نے ''تدریب'' میں ان کے مؤلفین کے اسمائے گرامی حسب ذیل ذکر کئے ہیں:

① ابونعیم احمد بن عبداللہ الاصبہانی المتوفی ۴۳۰ھ۔

② ابوعبداللہ محمد بن یعقوب المعروف بہ ابن اخرم الشیبانی النیسابوری ، المتوفی ۳۴۴ھ۔

③ حافظ ابوذر الہروی عبد بن احمد الانصاری المالکی المتوفی ۴۳۴ھ۔

④ ابومحمد حسن بن ابی طالب البغدادی المعروف بہ الخلال المتوفی ۴۳۹ھ۔

⑤ ابوعلی حسن بن محمد الماسرجسی (ان کے جداعلیٰ ماسرجس کی طرف نسبت ہے) المتوفی ۲۶۵ھ، یہ نصرانی تھے، حضرت عبداللہ بن مبارکؒ کے ہاتھ پر مشرف باسلام ہوئے۔

⑥ ابومسعود سلیمان بن ابراہیم المتوفی ۴۸۶ھ۔

⑦ ابوبکر احمد بن علی بن منجویہ الاصبہانی المتوفی ۴۲۷ھ۔

⑧ ابوبکر احمد بن عبدانی بن محمد الشیر ازی محدث رہواز المتوفی ۳۸۸ھ۔

⑨ ابوبکر احمد بن محمد البرقانی المتوفی ۴۲۵ھ، ان کا ذکر اوپر گزر چکا ہے۔

⑩ الحاکم ابوعبداللہ محمد بن عبداللہ النیسابوری المعروف بہ ابن البیع المتوفی ۴۰۵ھ، حکومت سلمانیہ میں عہدۂ قضا پر فائز ہوئے، اسی بنا پر الحاکم کے لقب سے ملقب ہوئے، موصوف نے چار جلدوں میں ایک ضخیم کتاب تالیف کی جس میں ان احادیث کا استدراک کیا جو صحیحین میں نہیں ہیں۔

اور جو ان کے خیال میں شیخین یا ان میں سے ایک کی شرط پر ہیں، چونکہ موصوف تصحیح میں تساہل پسند ہیں، اس لئے ان پر تعقب بھی کیا گیا، ان کے شاگرد امام بیہقیؒ ان سے زیادہ محتاط ہیں، علامہ ذہبیؒ نے اس کی تلخیص کی ہے، اور بیشتر احادیث میں حاکم کی تصحیح پر صاد کیا ہے، (صحیح کی علامت کے طور پر ''ص'' لکھا ہے)، اور بعض پر ضعف ونکارت کا حکم لگایا ہے، اور ایک جز حاکم کی ان احادیث پر لکھا ہے جو ضعیف ونکات سے بڑھ کر موضوع کے درجہ تک پہنچی

ہوئی ہیں، اور یہ تقریباً ایک سوا حادیث ہیں، اورتساہل میں ابن حبان بھی حاکم کے قریب قریب ہیں، جیسا کہ ''التدریب'' میں ہے، اور میں پہلے ذکر کر چکا ہوں کہ اگر چہ یہ کتابیں بیش بہا فوائد پر مشتمل ہیں، تاہم استدراک واستخراج بے محل ہے۔

انواع کتب حدیث باعتبار موضوع واسلوب

بعض کتابیں صحیحین کے علاوہ سنن پر بھی استخراج کے طور پر لکھی گئی، چنانچہ تین کتابیں ابوداؤد پر اور دو ترمذی پر لکھی گئی، الغرض اس دور میں بکثرت اور متنوع تالیفات وجود میں آئیں، مناسب ہوگا کہ یہاں مختصراً تصنیفات کی انواع اور ان کی تعریفات ذکر کردی جائیں:

اول: جامع

جو تمام اقسام حدیث پر حاوی ہو، اور اقسام حدیث آٹھ ہیں، عقائد، احکام، آداب، سیر ومغازی، تفسیر، مناقب، زہد ورقاق، فتن اور علامات قیامت، ہمارے شیخ امام العصر علامہ انور شاہ کشمیریؒ نے ان آٹھوں کو ایک شعر میں جمع کردیا ہے:

سیر وآداب وتفسیر وعقائد رقاق واشراط واحکام ومناقب

صحاح ستہ میں صحیح بخاری اور جامع ترمذی تو جامع ہیں، اور صحیح مسلم کو بھی بعض نے اگر چہ جوامع میں شمار کیا ہے مگر وہ جامع نہیں، کیونکہ اس میں تفسیر کا حصہ بہت کم ہے، جیسا کہ ہمارے شیخ امام العصرؒ فرماتے ہیں، اور امام بخاریؒ نے تفسیر میں قلت مرفوع کا تدارک کردیا ہے، ابوعبیدہ کی ''مجازات القرآن'' اور ابوعبید قاسم بن سلام البغدادی، فراء اور نضر بن شمیل سے الفاظ مشکلہ کی تفسیر لاکر اور ایسی احادیث لاکر جن میں آیات قرآنیہ کا کوئی کلمہ بطور اقتباس یا استشہاد وغیرہ کے واقع تھا، الغرض امام مسلم تو اپنی شرط پر قائم رہے، اور ان امور میں سے کوئی چیز نہیں لائے، کیونکہ ہر تالیف کے اغراض ومقاصد مختلف تھے، جیسا کہ ہم اس سے قبل ذکر کر چکے ہیں، ورنہ یہ کوتاہی کسی عجز ودماندگی یا غفلت ونسیان کی بنا پر نہیں، اور جامع عبدالرزاق جو مصنف عبدالرزاق کے علاوہ ہے تمام جوامع میں غالباً سب

سے جامع ہے۔

اور جوامع میں جامع سفیان ثوری، جامع سفیان بن عیینہ، جامع معمر بن راشد، جامع ابوبکر خلال، کہا جاتا ہے کہ یہ بہت بڑی تھی، جامع کبیر وصغیر للبخاری وغیرہ متاخرین کی کتابیں ہیں، اور ان سب میں مشہور حافظ ابوالفرج عبدالرحمن ابن الجوزی الدمشقی (المتوفی ۵۹۷ھ) کی کتاب "جامع المسانید والالقاب" ہے، جس میں مسند احمد، صحیحین اور ترمذی کی احادیث جمع کی گئی ہیں، اور حافظ عماد الدین اسماعیل بن کثیر الدمشقیؒ کی کتاب "جامع المسانید والسنن الهادی الی اقوم السنن" ہے جس میں صحاح ستہ، مسند احمد، مسند بزار، مسند ابویعلی اور طبرانی کی معجم کبیر، معجم صغیر، معجم اوسط سب کو جمع کر دیا ہے، سعودی عرب کے دارالحکومت ریاض میں اس کے طبع کی توقع ہے، اور شیخ جلال الدین السیوطیؒ کی جامع کبیر اور جامع صغیر ہیں، جامع صغیر تو متعدد شروح کے ساتھ طبع ہو چکی ہے، اور جامع کبیر کا ایک مختصر سا قطعہ "مجمع البحوث الاسلامیہ" کے زیر اہتمام قاہرہ میں طبع ہوا، شیخ علی المتقی گجراتی نے "کنز العمال من سنن الاقوال والافعال" کے نام سے اس کی تبویب فرمائی، یہ دو مرتبہ "دائرۃ المعارف حیدر آباد دکن" سے طبع ہو چکی ہے، اور حلب میں اس کی نہایت نفیس طباعت شروع ہوئی ہے، چار جلدیں مکمل ہو چکی ہیں۔

دوم: سنن

جس کی ترتیب ابواب فقہیہ پر ہو، مثلاً صحاح ستہ میں سنن ثلاثہ، اور دیگر سنن کی کتابیں جو احکام پر مرتب کی گئی ہیں، مثلاً سنن کبری نسائی، سنن سعید بن منصور، یہ مرسل، معضل اور منقطع روایات پر مشتمل ہے، اور اس کا ایک قطعہ مجلس علمی کراچی کے زیر اہتمام جناب ڈاکٹر حمید اللہ صاحب کی زیر نگرانی طبع ہو چکا ہے۔ سنن دارقطنی، بیہقی کی سنن کبری، صغری اور وسطی منتقی ابن جارود، سنن ابی مسلم ابراہیم بن عبداللہ الکشی (کش جرجان کے نواحی میں ایک قریہ ہے یا الکجی۔ کج، گج کا معرب ہے یعنی چونا، یہ صاحب اپنا مکان بنواتے ہوئے کہہ رہے تھے: کج لاؤ، اس لئے کن کی طرف منسوب کر دیئے گئے) الغرض اس نوع کی کتابوں کی

بڑی کثرت ہے، صاحب "الرساله المستطرفه" نے اس سلسلہ کی پچیس (۲۵) کتابوں کے نام ذکر کئے ہیں، اور بہت سی کتابیں ابواب فقہیہ پر مرتب ہیں مگر بعض جامع کہلاتی ہیں، اور بعض مصنف کے نام سے مشہور ہیں، چنانچہ مصنف ابی سفیان، وکیع بن جراح، مصنف حماد بن سلمہ، مصنف ابوالربیع سلیمان العتکی، مصنف ابن ابی شیبہ، مصنف عبدالرزاق، مصنف بقی بن مخلد اسی سلسلہ کی کتابیں ہیں۔

سوم: مسند

جو ترتیب صحابہ پر مرتب ہو، خواہ مناقب وفضائل کی ترتیب پر، یا شرف انساب کے مطابق، یا حروف معجمہ کے مطابق، (مثلاً مسند امام احمد، مسند اسحاق بن راہویہ، مسند بقی بن مخلد الاندلسی) ابن حزمؒ کہتے ہیں کہ:

> "مسند بقی بن مخلد میں تیرہ سو سے زائد صحابہ کی روایات جمع ہیں، اور یہ ابواب فقہیہ پر مرتب ہے، اس لئے یہ بیک وقت مسند بھی ہے اور مصنف بھی، اس نوعیت کی کتاب کسی دوسرے نے نہیں لکھی"۔

ابن حزم کا یہ قول الکتانی نے نقل کیا ہے، اور نووی نے ذکر کیا ہے کہ انہوں نے تن تنہا ابو ہریرہؓ کی ۵۳۷۴ حدیثیں روایت کی ہیں، مسند مسدد بن مسرہد البصری، مسند عبید اللہ بن موسی العبسی الکوفی، مسند طیالسی، مسند اسد بن موسی الاموی، مسند نعیم بن حماد الخزاعی، مسند عثمان بن ابی شیبہ، مسند بزار، مسند ابی یعلی الموصلی، وغیرہ بہت سی کتابیں ہیں، اور محدث الکتانی نے "المستطرفہ" میں بیاسی (۸۲) مسانید ذکر کرنے کے بعد لکھا ہے کہ انہوں نے سب کا احاطہ نہیں کیا۔

فائدہ

کبھی مسند بمقابلہ مرسل کے بولی جاتی ہے، جیسا کہ مسند دارمی اور صحیح بخاری کو اسی اصطلاح کے مطابق "الجامع المسند" کہا جاتا ہے، اور کبھی مسند اور سنن کو جمع کرلیا جاتا ہے، جیسا

کہ ابن ابی شیبہ اور بقی بن مخلد نے جمع کیا ہے، ان دونوں کا ذکر اوپر گزر چکا ہے۔

چہارم: معجم

جس میں ترتیب شیوخ، یا ترتیب بلدان وغیرہ پر احادیث جمع کی گئی ہوں، طبرانی کے معاجم ثلاثہ کبیر، اوسط، صغیر مشہور ہیں۔

پنجم: مستخرج

جس میں کسی خاص کتاب کی احادیث کو مصنف کی سند کے علاوہ صاحب مستخرج اپنی سند سے ذکر کرے، بایں طور کہ اس کی سند مصنف کے شیخ یا اس کے اوپر کے راوی میں جمع ہوجائے، جیسا کہ عراقی کہتے ہیں، اس کے متعدد فوائد ہیں، مثلاً علو اسناد، زیادۃ صحیح، کثرۃ طرق، تصریح سماع جب کہ صاحب کتاب نے اسے عنعنہ سے ذکر کیا تھا، راوی میں تفسیر یا اختلاط کے شبہ کا ازالہ، مبہم کی تعیین، مہمل کی تمیز، یہ صاحب ''تدریب الراوی'' کی تقریر کا خلاصہ ہے، تفصیل کے لئے اس کی مراجعت کریں۔

ششم: مستدرک

جس میں صاحب کتاب کی شرط کے موافق احادیث کا استدراک کیا جائے یا تصحیح میں جو صاحب استدراک کی اجتہادی رائے ہو، اگرچہ صاحب کتاب کی شرط کے موافق نہ ہو، الحاکم ابو عبداللہ محمد بن عبداللہ المعروف بہ ''ابن البیع'' کی کتاب ''المستدرک'' اسی قبیل سے ہے، اس کا ذکر اوپر گزر چکا ہے، اور حافظ جمال الدین زیلعی کی کتاب ''نصب الرایہ'' میں حاکم کے تساہل کی تفصیل میں ایک جلیل القدر فائدہ لکھا ہے، جسے ''نصب الرایہ'' کے مقدمہ (ص: ۱۰، ۱۱) میں ذکر کر چکا ہوں، یہ کتاب ''مجلس علمی'' کے زیر اہتمام تقریباً پینتیس سال قبل قاہرہ میں طبع ہوئی تھی، اس میں اس موضوع پر ارباب مصطلح کے بیان سے زیادہ تفصیل ہے، واللہ اعلم۔

باب دوازدھم
صحاح ستہ اوران کی خصوصیات

صحیح بخاری ومسلم

اب ہم مختصراً ان امہات ستہ کے خصائص ذکر کرتے ہیں کہ جن پر اسلام کا مدار ہے، جو احادیث احکام کا مرجع ہیں، جو مشرق ومغرب میں شہرۂ آفاق ہیں، اور جنہیں عنداللہ اور عند الناس ایسی مقبولیت حاصل ہے جس کی نظیر نہ دیکھی نہ سنی، نہایت مناسب ہوگا کہ امام محقق حافظ ابوبکر حازمی (المتوفی ۵۸۴ھ، بعمر ۳۶سال) کی کتاب "شروط الائمہ الخمسہ" کا خلاصہ یہاں ذکر کردیا جائے، وہ فرماتے ہیں:

"راوی حدیث کا مسلمان، عاقل، راست گو، غیر مدلس اور عادل ہونا سب کے نزدیک صحت روایت کے عام شرائط میں داخل ہے، اور یہ امر بھی ان کے مابین متفق علیہ ہے کہ راوی اہتمام حدیث کے ساتھ معروف ہو، اور اس نے حدیث محض کتابوں سے نقل نہ کی ہو، بلکہ اسے محدثین سے حدیث کا باقاعدہ سماع حاصل ہو، یہ صحت حدیث وروایت کے وہ بنیادی اصول ہیں جو محدثین کے مابین متفق علیہ ہیں، البتہ راویوں کے حالات کے اعتبار سے ان کی تالیفات کے شرائط اور تحقیق حدیث کے طریقے مختلف ہیں، کیونکہ حفظ واتقان اور پھر اساتذہ کی صحبت وملازمت کے لحاظ سے راویوں کے درجات متفاوت ہیں، اگرچہ نفس ضبط اور نفس صحبت وملازمت میں سب شریک ہیں، مثلاً محدث مدینہ امام زہریؒ کے تلامذہ کو لیجئے، کہ ان کے مندرجہ

ذیل پانچ طبقے ہیں، اور ہر پہلے درجہ کو مابعد پر فوقیت حاصل ہے۔

طبقات تلامیذ امام زہریؒ

① پہلا طبقہ امام زہریؒ کے ان تلامذہ کا ہے جو ضبط واتقان کے اعلیٰ مرتبہ پر فائز ہیں، اور انہیں موصوف کی خدمت میں طویل صحبت اور کثرت ملازمت کا شرف بھی حاصل ہے، مثلاً امام مالکؒ، سفیان بن عیینہؒ، شعیب بن ابی حمزہؒ، یونس بن یزید الایلی اور عقیل بن خالد الایلی۔

② دوسرا طبقہ جو ضبط واتقان اور صحبت وملازمت میں پہلے طبقہ سے کم تر ہے، مثلاً لیث بن سعد، محمد بن عبدالرحمن بن مغیرہ بن حارث بن ابی سوئب القرشی العامری المدنی، امام عبدالرحمن بن عمرو الاوزاعی، عبدالرحمن بن خالد بن مسافر اور نعمان بن راشد وغیرہ۔

③ تیسرا طبقہ جو ضبط واتقان میں دوسرے طبقہ سے کم تر ہے، مگر صحبت اور طول ملازمت پہلے طبقہ کے ہم وزن ہے، مثلاً سفیان بن حسن، جعفر بن برقان، عبداللہ بن عمر بن حفص العمری اور زمعہ بن صالح المکی وغیرہ۔

④ چوتھا طبقہ جو حفظ وضبط میں تیسرے کے مساوی ہے، اور صحبت وملازمت میں اس سے فروتر ہے، مثلاً معاویہ بن یحییٰ الصدفی، مثنی بن الصباح، اسحاق بن یحییٰ الکلبی، ابراہیم بن یزید المکی وغیرہ۔

⑤ پانچواں طبقہ جو چوتھے طبقہ سے بھی فروتر ہے، اور ضعف وگمنامی سے منسوب ہے، مثلاً عبدالقدوس بن حبیب الدمشقی، محمد بن سعید المصلوب، حکم بن عبداللہ الایلی، بحر بن کنیز، وفیهم کثرة۔

شروط ائمہ خمسہ

ان پانچوں طبقات میں سب سے اعلیٰ پہلا طبقہ ہے، اور یہ امام بخاری کی شرط ہے، اور امام بخاری کبھی اس سے نیچے بھی اتر آئے ہیں، اور چھان پھٹک کر طبقہ ثانیہ کے مشاہیر کی

روایات کا انتخاب کرتے ہیں۔

حافظ مقدمہ ''فتح'' میں کہتے ہیں کہ:

''امام بخاری طبقہ ثانیہ کی روایات بیشتر تعلیقاً ذکر کرتے ہیں''۔

نیز وہ کہتے ہیں کہ:

''امام بخاری نے طبقہ ثالثہ کی روایات بھی معمولی مقدار میں تعلیقاً ذکر کی ہیں''۔

امام مسلمؒ کی شرط یہ ہے کہ وہ پہلے اور دوسرے طبقہ کی روایات یکساں نقل کرتے ہیں، اور تیسرے طبقہ کے مشاہیر کی روایات کا انتخاب کرتے ہیں۔

اور امام ابوداؤد اور امام نسائی کی شرط یہ ہے کہ پہلے دوسرے اور تیسرے طبقہ کی روایات یکساں لیتے ہیں، اور امام ابوداؤد چوتھے طبقہ کے مشاہیر کا انتخاب کرتے ہیں۔

امام ترمذیؒ تینوں طبقوں کے علاوہ چوتھے طبقہ سے بھی لیتے ہیں، اور پانچویں طبقہ کی احادیث ارباب سنن نے اصول میں قطعاً نہیں لیں، البتہ متابعات وشواہد میں کسی قدر لی ہیں، اور شیخین نے طبقہ چہارم وپنجم کی روایات یکسر ترک کردی ہیں، اور ان پر قطعاً اعتماد نہیں کیا۔

الحاصل تمام امت کا اتفاق ہے کہ صحیح بخاری اور صحیح مسلم دونوں نہ صرف یہ کہ صحیح ہیں بلکہ دنیا کی کوئی صحیح تالیف ان کے ہم پایہ نہیں، اور یہ کہ صحیح بخاری ''أصح الکتب بعد کتاب اللہ'' ہے۔

اور امام شافعیؒ کا جو قول مشہور ہے کہ:

''میرے علم میں روئے زمین پر کوئی ایسی کتاب نہیں جو امام مالکؒ کی کتاب (الموطا) سے زیادہ درست ہو''۔

یا دوسرے لفظوں میں:

''آسمان کے نیچے کوئی کتاب امام مالکؒ کی کتاب سے زیادہ صحیح نہیں''۔

تو ان کا یہ قول صحیح بخاری اور صحیح مسلم کے وجود میں آنے سے پہلے کا ہے، حافظ

مقدمہ ''فتح''میں لکھتے ہیں:

''امام شافعیؒ کا المؤطا کو سب سے زیادہ صحیح قرار دینا ان کتابوں کے اعتبار سے تھا جو ان کے زمانے میں موجود تھیں، مثلاً جامع سفیان ثوریؒ اور مصنف حماد بن سلمہ وغیرہ، ان سے مؤطا کی افضلیت مسلم ہے جس میں کوئی نزاع نہیں''۔

حافظ ابوعبداللہ الحاکم صاحب ''المستدرک'' کے شیخ ابوعلی النیسابوری کا یہ قول کہ:

''آسمان کی چھت کے نیچے مسلم بن حجاج کی کتاب سے زیادہ صحیح کوئی کتاب نہیں''۔

حافظ مقدمہ ''فتح''میں اسے نقل کرنے کے بعد ابوعمرو بن الصلاح سے نقل کرتے ہیں کہ:

''ابوعلی نیسابوری کا یہ قول اسی طرح بعض شیوخ مغرب کا قول جنہوں نے صحیح مسلم کو صحیح بخاری پر فوقیت دی ہے، اگر اس سے یہ مراد ہے کہ امام مسلم کی کتاب کو اس وجہ سے صحیح بخاری پر ترجیح حاصل ہے کہ اس میں احادیث صحیحہ کے علاوہ کوئی چیز مخلوط نہیں، چنانچہ ان کے مقدمہ کتاب کے بعد احادیث صحیحہ مسلسل چلی گئی ہیں، جب کہ امام بخاری کی کتاب کے تراجم ابواب میں بعض ایسی روایات موجود ہیں جنہیں امام بخاری نے اپنے مقرر کردہ معیار کے مطابق سند کے ساتھ ذکر نہیں کیا، بہرحال اگر اس قول سے یہی مراد ہے تو اس میں کوئی مضائقہ نہیں، لیکن اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ امام مسلمؒ کی کتاب امام بخاری کی کتاب پر نفس صحت میں فوقیت رکھتی ہے، اور اگر یہ مراد ہے کہ امام مسلمؒ کی کتاب امام بخاریؒ کی کتاب سے زیادہ صحیح ہے تو یہ قول ناقابل تسلیم ہے''۔

بعدازاں حافظؒ نے واضح دلائل کے ساتھ اس کی مفصل تشریح کرتے ہوئے لکھا ہے کہ:

''حدیث صحیح کا مدار تین چیزوں پر ہے، سند متصل ہو، راوی عادل وضابط

ہو، اور حدیث علل سے مبرا ہو"۔

غور کیجئے تو معلوم ہوگا کہ صحیح بخاری راویوں کے عدل وضبط اور سند کے اتصال کے اہتمام میں صحیح مسلم سے بوجوہ متعددہ فائق ہے۔

صحیح بخاری کی صحیح مسلم پر فوقیت کی وجوہات

اول: جن راویوں کی احادیث صرف صحیح بخاری میں ہیں، صحیح مسلم میں نہیں ان کی تعداد تقریباً چارسوتیس (۴۳۰) ہے، ان میں اسی (۸۰) متکلم فیہ ہیں، اس کے برعکس جن راویوں کی احادیث صرف صحیح مسلم میں ہیں، صحیح بخاری میں نہیں، ان کی تعداد چھ سو بیس (۶۲۰) ہے، اور ان میں سے ایک سوبیس (۱۲۰) متکلم فیہ ہیں، اور ظاہر ہے کہ متکلم فیہ راویوں کی بہ نسبت ایسے راویوں سے احادیث لانا جو ہر بحث وتکرار سے بالاتر ہیں، زیادہ بہتر ہے۔

دوم: پھر امام بخاری نے ان متکلم فیہ راویوں سے بہت ہی کم روایات لی ہیں، جبکہ امام مسلمؒ کے ہاں ان کی روایات بکثرت ہیں۔

سوم: بخاری کے جن رجال پر کلام کیا گیا ہے وہ تمام تر امام بخاریؒ کے اساتذہ ہیں، ظاہر ہے کہ ان کی ثقاہت وعدالت سے امام بخاری دوسروں کی بنسبت زیادہ واقف ہوں گے، مگر مسلم کے جن رجال پر کلام کیا گیا ہے وہ امام مسلمؒ کے زمانہ سے پہلے کے لوگ ہیں، اور آدمی لوگوں کی احادیث کی بہ نسبت اپنے اساتذہ کی احادیث سے زیادہ واقف ہوتا ہے۔

چہارم: امام بخاری طبقہ دوم کی احادیث چھان پھٹک کر لیتے ہیں، جبکہ امام مسلمؒ انہیں بالاستیعاب لیتے ہیں، یہ چار وجوہ تو رجال کے ضبط واتقان کے اعتبار سے ہیں، باقی رہی اتصال سند کی جہت، تو امام بخاری نے غیر مدلس کے عنعنہ میں ثبوت لقاء کو شرط قرار دیا ہے، اور اس سلسلہ میں اپنی ذات پر بڑی کڑی پابندی عائد کی ہے، اور ظاہر ہے کہ اس سے سند کا اتصال زیادہ نکھر جاتا ہے، جبکہ امام مسلمؒ نے صرف امکان لقاء پر اکتفاء کیا ہے۔

اب لیجئے عدم علت کی جہت تو صحیحین کی جن احادیث پر حفاظ نے نقد کیا ہے ان کی تعداد دوسودس (۲۱۰) ہے، اور ان میں سے صحیح بخاری میں اسی سے بھی کم روایات ہیں، اور

ظاہر ہے کہ جس کتاب میں محل نقد احادیث کم ہوں وہ راجح ہوگی، اس کتاب سے جس میں یہ احادیث زیادہ ہوں، یہ حافظ کے مقدمہ فتح کی عبارت کا خلاصہ ہے۔

اور حافظ حازمی ''شروط الائمہ الخمسہ'' میں فرماتے ہیں:

''امام بخاری اپنے زمانے میں ضبط واتقان، بحث وتحقیق، انتخاب وانتقاء کے فن میں یکتائے دوراں اور رئیس عالمیان تھے، اس فن میں ان کی بلند پائیگی کا پورا علم ہوتو اس سلسلہ میں ان پر اعتراض کی گنجائش باقی نہیں رہ جاتی''۔

صحیح مسلم کو صحیح بخاری پر محض حسن وضع تالیف اور ترتیب وسیاق کی عمدگی کی بناء پر ترجیح دینا بے محل ہے، کیونکہ تالیف کے اغراض مختلف ہوا کرتے ہیں، اگر سب کا مقصد تالیف ایک ہی ہوتا تو ایک کو دوسری پر ترجیح دینا بجا تھا، مگر صورت حال یہ نہیں۔

امام بخاریؒ کا مقصد تالیف اور ان کے لطائف وعجائب

چنانچہ امام بخاریؒ کا مطمحِ نظر یہ تھا کہ ان کی کتاب اصول وفروع اور کلام وفقہ کے اعتبار سے امور دین اور احکام شرعیہ کی سب سے جامع کتاب ہو، اس بناء پر احادیث کو مکرر لانا اور کبھی مختصر اور کبھی مفصل ذکر کرنا ان کے لئے ناگزیر تھا، انہوں نے تراجم کتاب میں نہایت بدیع اسلوب اختیار کیا، اور ان میں قرآن کریم کی آیات ذکر کیں، اس طرح قرآن کریم کی تبویب کی، اور ابواب کے ذیل میں درج شدہ احادیث سے قرآن کریم کی تشریح کی، یوں ارشاد ربانی:

﴿لتبيّن للنّاس مانزّل اليهم﴾

ترجمہ: تاکہ آپ بیان کردیں لوگوں کے سامنے اس دین کو جو نازل کیا گیا ہے ان کی طرف۔

کی تعمیل فرمائی، پھر تراجم ابواب میں صحابہ وتابعین کے مذاہب واقوال لاکر ان کی فقہ کو مدون کردیا، اور امام بخاری کے نزدیک جو فقہی مذہب راجح تھا، اس کی جانب اشارہ کردیا، پھر تراجم میں ایسے لطائف ودیعت کئے کہ عقل حیران ہے، اور ایسے اسرار سے نقاب

کشائی کی جو عام نظروں سے اوجھل تھے، اور ایسی باتوں کا التزام کیا کہ ان تک بحث وفکر کی رسائی بہت کم ہوسکتی ہے، اور ان کے تراجم کے سمندر میں ہر غوطہ لگانے والے کو نئے جواہر دستیاب ہوتے ہیں، جس طرح صحت اور دیگر خصائص کی بنا پر کتاب اللہ کے بعد صحیح بخاری اَصح الکتب ہے اسی طرح کتاب اللہ کے بعد وہ دوسری کتاب ہے جس کے عجائب ختم نہیں ہو پاتے۔

اور دوسرے پہلو سے یہ کتاب سب سے فائق ہے کہ مصنفؒ:

① فقہ میں اسحاق بن راہویہ، امام شافعی، ابوعبید اور ان حضرات سے مسائل لیتے ہیں جو ان کے فقہی ذوق کے موافق ہوں۔

② لغت میں ابوعبیدہ، ابوعبید، فراء اور نضر بن شمیل کی سند لاتے ہیں۔

③ مغازی اور سیرت میں موسیٰ بن عقبہ، ابوعبداللہ الواقدی اور محمد بن اسحاق کا حوالہ دیتے ہیں۔

④ علم الکلام میں حسین بن علی الکرابیسی ابن کلاب اور ان لوگوں کا حوالہ دیتے ہیں جو ان کے کلامی ذوق کے موافق ہیں۔

⑤ تفسیر میں ان کے پاس تفسیر ابن عباس کا صحیفہ ہے جو ''ابوصالح عن معاویہ بن صالح عن علی بن ابی طلحہ عن ابن عباس'' کی سند سے مروی ہے، جیسا کہ فتح الباری (ج:۸ ص: ۳۳۲) میں ہے، اس صحیفہ پر انہوں نے اس کتاب میں بکثرت اعتماد کیا ہے۔

⑥ اور فرائض میں بھی ان کے پاس ایک صحیفہ ہے۔

گویا وہ ہر چیز اس شخص سے نقل کرتے ہیں جو اپنے فن میں مقتدا ہو، الغرض امام بخاری کا مقصد یہ ہے کہ ان کی کتاب ''حدیث کی کتاب'' ہونے سے قبل ابواب دین کی جامع کتاب ہو، چنانچہ اس میں حدیث بھی ہے، فقہ بھی، تفسیر بھی، مغازی وسیر بھی، اور تاریخ بھی۔

پھر امام بخاریؒ نے ابواب کی تقسیم میں نہایت بدیع طرز اختیار کیا ہے، چنانچہ کتاب کا آغاز ''بدء الوحی'' سے کیا کہ وہ تمام شرائع الٰہیہ کا نقطہ آغاز اور مبدأ المبادی ہے، اس کے بعد

''کتاب الایمان'' لائے کہ ایمان ہی دین کی بنیاد ہے، اور کتاب کو ''کتاب التوحید'' پر ختم کیا کہ اسی پر نجات کا مدار ہے، اور سب سے آخری باب ''وزن اعمال'' کا قائم کیا کہ وہ انسانی مساعی کا آخری نتیجہ اور تمام شرائع کی غایت الغایات ہے، اور اس باب میں حدیث ذکر ''کلمتان حبیبتان الی الرحمن'' لائے، اور اسے کتاب کا خاتمہ کلام قرار دیا کیونکہ ذکر جنت میں ختم نہیں ہوگا، اس نوعیت کے بہت سے لطائف و اسرار ہیں کہ یہاں ان پر مفصل کلام کا موقعہ نہیں، مجھے ابوبکر اسماعیلی کی یہ بات بہت ہی پسند آتی ہے جسے حافظ نے ''مقدمہ'' میں نقل کیا ہے کہ:

''میں نے ابوعبداللہ البخاری کی تالیف کردہ ''الجامع'' میں غور کیا تو دیکھا کہ وہ واقعی اسم با مسمی ہے، بہت سی سنن صحیح کی جامع ہے، اور بے شمار عمدہ مسائل اور استنباطی فوائد کی طرف راہنمائی کرتی ہے، جن کی تکمیل وہی شخص کر سکتا ہے جو حدیث اور ناقلین کی معرفت کے ساتھ روایات اور احادیث کے علم کا جامع ہو، مزید برآں فقہ و لغت کا عالم ہو، اور ان تمام علوم میں راسخ اور متبحر ہو، موصوف ایک ایسے ہی شخص تھے کہ انہوں نے اپنی پوری زندگی ان علوم پر صرف کر دی تھی، اس لئے وہ ان علوم میں سب سے آگے نکل گئے اور آخری حد تک پہنچ گئے، اس کے ساتھ وہ حسن نیت اور قصد خیر کے بھی جامع تھے، اس لئے اللہ تعالیٰ نے ان کو اس تالیف سے نفع عطا فرمایا''۔

اور وہ امام مسلم بن حجاج کے بارے میں فرماتے ہیں:

''امام مسلمؒ، امام بخاریؒ کے تقریباً ہم عصر تھے، اس لئے انہوں نے بھی ان کا (امام بخاریؒ کا) مقصد اپنایا، وہ ان سے اور ان کی کتابوں سے استفادہ کرتے تھے، مگر انہوں نے اپنے اوپر ایسی تنگی نہیں کی جو امام بخاریؒ نے کی تھی''۔

آگے چل کر فرماتے ہیں:

''اور سب نے خیر کا قصد کیا مگر کوئی شخص شرائط کی سختی میں امام بخاری کی

حد تک نہیں پہنچ سکا، اور امام بخاری نے جس طرح احادیث سے فوائد کا استنباط کیا ہے، فقہ الحدیث کے لطائف پیدا کئے ہیں، اور تراجم ابواب کے ذریعہ ان تمام مسائل کی جانب راہنمائی کی ہے جن کو حدیث الباب سے علاقہ ہے، اس کی نظیر بھی کوئی دوسرا پیش نہیں کرسکا''۔

امام مسلم کا مقصد تالیف

امام مسلمؒ کا اہم مقصد احادیث صحیحہ کے سیاقات کو یکجا کرنا، ان میں محدثین کے علوم، اعتبار، متابعت، اور شاہد کی رعایت رکھنا اور ان سب کو ایک محمل میں ذکر کرنا تھا، تاکہ حدیث کے تمام طرق اور الفاظ بیک نظر قاری کے سامنے آجائیں، چونکہ امام مسلمؒ کا مقصد تالیف امام بخاری کے مقصد سے مختلف ہے، اس لئے تفاضل بے محل ہے، البتہ اگر مقصد ایک ہوتا تو ترجیح و تفاضل کا امکان تھا، مثلاً ایک شخص جبہ تیار کرتا ہے اور دوسرا قمیص بناتا ہے تو یہاں یہ کہنا صحیح نہیں ہوگا کہ فلاں کی سلائی فلاں سے عمدہ ہے، پس امام بخاری کی کتاب ایک بلند پایہ مجتہد و فقیہ کا منتہائے مقصود ہے، اور امام مسلمؒ کی کتاب ایک محدث کے مقاصد کا نکتہ عروج ہے۔

امام نسائی و ترمذی کا مقصد تالیف

امام نسائیؒ نے فقیہ اور محدث دونوں کی ضرورت کو پیش نظر رکھا، اس لئے ان کی کتاب میں دونوں کتابوں کی جھلک نظر آتی ہے، مگر دونوں کے تمام خصائص کو سمیٹ لینا ممکن نہیں، امام بخاریؒ امام نسائیؒ کے مشائخ میں شامل ہیں، اس لئے انہوں نے تراجم میں امام بخاریؒ کی اقتدا کی ہے۔

امام ترمذیؒ نے مذاہب فقہاء پیش کر کے ایک فقیہ کی حاجت کو ملحوظ رکھا، مگر ''وفی الباب'' کے ذیل میں اس باب کی احادیث کی جانب اجمالی طور پر اشارہ کر کے ایک محدث کی ضرورت کو بھی پورا کر دیا، علاوہ ازیں یہ کتاب اور بہت سے خصائص پر مشتمل ہے، جسے ہم ان کے ترجمہ میں تفصیل سے ذکر کر چکے ہیں۔

امام ابوداؤدؒ کا مقصد تالیف

امام ابوداؤدؒ کا مقصد یہ ہے کہ احادیث احکام کو پورے طور پر یکجا کر دیا جائے، چنانچہ انہوں نے احکام سے متعلقہ چار ہزار آٹھ سو احادیث جمع کیں، اور اس عظیم ذخیرہ میں کوئی کتاب اس کی ہمسر نہیں، بقول حازمیؒ انہوں نے اس کتاب کا انتخاب پانچ لاکھ احادیث سے کیا تھا، جیسا کہ حازمیؒ ہی کی تصریح کے مطابق امام بخاریؒ نے صحیح بخاری کا انتخاب سولہ برس کی طویل مدت میں چھ لاکھ احادیث سے کیا، اور امام مسلمؒ نے تین لاکھ احادیث سے۔

یہ تین یا چھ لاکھ کی تعداد محدثین کی اصطلاح کے مطابق ہے، یعنی جب حدیث کے راوی اخیر متعدد ہوں اور اسانید مختلف ہوں تو وہ الگ الگ حدیثیں شمار کی جاتی ہیں۔

احادیث صحیحین کی تعداد

حافظ شہاب الدین عسقلانیؒ کے شمار کے مطابق بخاری کی کل احادیث مکررہ کی تفصیل حسب ذیل ہے:

احادیث مسندہ ۷۳۹۷

معلقات ۱۳۴۱ (ان میں سے ۱۶۰ کے سوا صحیح بخاری میں دوسری جگہ سند کے ساتھ مروی ہیں)

متابعات ۳۴۱

کل ۹۰۷۹

یہ تعداد جو حافظؒ نے ضبط کی ہے، حافظ ابوعمرو ابن صلاح اور ان کے تلمیذ امام نووی کی ضبط کردہ تعداد سے مختلف ہے، حافظ نے ابن صلاح کے منشا وہم کو مقدمہ میں ذکر بھی کیا ہے، اور تکرار کو حذف کر دینے کے بعد کل احادیث کی تعداد حسب ذیل ہے:

احادیث مسندہ ۲۶۰۲

احادیث معلقہ ۱۵۹ (جن کی تخریج صحیح بخاری میں موصولاً نہیں ہوئی)

کل ۲۷۶۱

یہ تو حافظؒ کے مقدمہ فتح الباری کی تحقیق ہے، اور ''فتح الباری'' (ج:۱۳ ص: ۴۵۴) میں انہوں نے کل احادیث مسندہ ومعلقہ کی تعداد ۲۵۱۳ ذکر کی ہے، اور یہی تعداد حافظ بدرالدین عینیؒ نے ''عمدۃ القاری'' (ج:۱ ص:۲۳۵) میں بتائی ہے، ''فتح الباری'' مقدمہ سے بعد کی تالیف ہے، اس لئے ان کی آخری تالیف زیادہ لائق اعتماد ہوسکتی ہے، مزید برآں یہ کہ حافظ بدرالدین عینیؒ کی تائید بھی اسے حاصل ہے، اور بدر وشہاب کے اتفاق سے تمام گرد وغبار چھٹ جاتا ہے۔

صحیح بخاری میں درج شدہ صحابہ وتابعین وغیرہم کے آثار کی تعداد (۱۶۰۸) ہے۔

صحیح مسلم کی احادیث تکرار کے بغیر چار ہزار (۴۰۰۰) ہیں اور تکرار سمیت سات ہزار دو سو پچھتر (۷۲۷۵) ہیں اور آٹھ سو بیس کے علاوہ باقی صحیح بخاری کی احادیث کی تخریج امام مسلم نے بھی کی ہے۔

امام بخاری اور امام مسلم کا استیعاب احادیث

یہاں یہ نہیں بھولنا چاہیئے کہ امام بخاریؒ نے ان تمام احادیث کا احاطہ نہیں کیا جو ان کے نزدیک صحیح تھیں، نہ تمام صحیح متون کا، نہ تمام صحیح اسانید کا، جیسا کہ حازمیؒ نے تصریح کی ہے، اور خود امام بخاریؒ فرماتے ہیں (جیسا کہ ''التدریب'' کے صفحہ ۴۶ پر ہے) کہ:

''میں نے اپنی کتاب ''الجامع'' میں صرف صحیح حدیث کو لیا ہے، اور بہت سی صحیح حدیثیں باندیشۂ طوالت ترک کردی ہیں''۔

نیز امام بخاریؒ فرماتے ہیں جیسا کہ حازمیؒ نے نقل کیا ہے کہ:

''جو صحیح احادیث میں نے ترک کردی ہیں، ان کی تعداد صحیح بخاری میں درج شدہ احادیث سے زیادہ ہے''۔

اور امام مسلمؒ فرماتے ہیں کہ:

''ایسا نہیں کہ ہر وہ چیز جو صحیح ہو میں نے اسے یہاں (صحیح مسلم) میں

درج کر دیا ہو، میں نے تو یہاں صرف وہ احادیث درج کی ہیں جن پر ائمہ کا اجماع ہے''۔

حافظ ابن صلاح کہتے ہیں کہ:

''اس عبارت سے امام مسلمؒ کا مطلب یہ ہے کہ انہوں نے صرف اسی حدیث کی تخریج کی ہے جس میں ان کے نزدیک وہ تمام شرائط موجود ہیں جو کسی حدیث صحیح مجمع علیہ میں ہوا کرتے ہیں، اگرچہ بعض احادیث میں ان شرائط کا اجماع بعض کے نزدیک ظاہر نہ ہو''۔

اور نوویؒ نے شرح مسلم میں اس امر کو ترجیح دی ہے کہ اس سے مراد یہ ہے کہ وہ صرف ایسی حدیث لیتے ہیں جس کے متن واسناد میں ثقات کا اختلاف نہیں ہوتا اور ایسی حدیث نہیں لیتے جس کے راویوں کی توثیق میں اختلاف ہے، اس کی دلیل یہ ہے کہ جب ان سے حدیث ابی ہریرہ (اذا قرأ فانصتوا) کے بارے میں دریافت کیا گیا کہ وہ صحیح ہے؟ تو امام مسلمؒ نے فرمایا ''وہ میرے نزدیک صحیح ہے''۔ سوال کیا گیا کہ پھر آپ نے اسے یہاں (صحیح مسلم میں) کیوں درج نہیں کیا؟ تو انہوں نے یہ جواب دیا (جو اوپر نقل کیا گیا ہے)۔

اور بلقینیؒ کہتے ہیں کہ اجماع سے امام مسلمؒ کی مراد چار محدثین کا اجماع ہے: احمد بن حنبلؒ، ابن معینؒ، عثمان بن ابی شیبہؒ اور سعید بن منصور الخراسانیؒ، جیسا کہ حافظ سیوطیؒ کی ''تدریب'' میں ہے۔

ہاں! امام بخاریؒ نے چن چن کر ان احادیث کو لیا ہے جو ان کے فقہی مسلک کے موافق ہیں، اس کے باوجود ان تمام احادیث کو بھی جو ان کے فقہی مسلک کی مؤید ہیں، بالاستیعاب نہیں لیا ہے، بلکہ اختصار سے کام لیتے ہوئے ان صحیح احادیث کا جو ان کے فقہی مذہب کے موافق تھیں، ایک مختصر مجموعہ مرتب کیا ہے، اس لئے امام بخاریؒ نے جن احادیث کو ترک کیا، ان کے ترک کر دینے کا باعث یا تو اختصار ہے، یا ترجیح، یا علت غامضہ، الغرض امام بخاریؒ نے احادیث صحیحہ کے استیعاب واستیفاء کا ارادہ نہیں کیا اس لئے ان پر بایں معنی

استدراک کرنا کہ فلاں حدیث ان کی شرط پر ہے مگر انہوں نے اس کی تخریج نہیں کی، بے محل ہے، اس لئے کہ وہ ہر صحیح حدیث کی تخریج نہیں کرتے، بلکہ وہ تو ہر حدیث صحیح جو ان کے مذہب کے موافق ہو اس کی بھی تخریج نہیں کرتے، چہ جائیکہ مطلق صحیح کا استیعاب کریں۔

تدریب میں نووی کی شرح مسلم سے نقل کیا ہے کہ امام دارقطنی وغیرہ نے شیخین کو الزام دیا ہے کہ فلاں احادیث ان کی شرط پر صحیح ہیں مگر انہوں نے ان کی تخریج نہیں کی، حالانکہ یہ الزام بے محل ہے کیونکہ انہوں نے تمام احادیث صحیحہ کی تخریج کا التزام نہیں کیا، اور یہی بات امام بیہقی نے بھی کہی ہے، اسماعیلی اور حازمی، بخاری سے نقل کرتے ہیں کہ میں نے جن احادیث صحیحہ کو نہیں لیا ان کی تعداد زیادہ ہے، (جیسا کہ تدریب میں ہے) اور (چونکہ امام بخاری صرف ان احادیث کو لیتے ہیں جو ان کے فقہی مسلک کے مطابق ہوں، اور مخالف احادیث خواہ کتنی صحیح ہوں انہیں ترک کر دیتے ہیں) یہی وجہ ہے کہ امام بخاریؒ نے اپنی کتاب میں کسی ایسی حدیث کی تخریج نہیں کی جو دوسری حدیث کے (فقہی مسئلہ میں) معارض ہو، جیسا کہ دوسرے ائمہ اس کی تخریج کرتے ہیں، اس کی وجہ یہ ہے کہ وہ خود فقیہ مجتہد ہیں، اور وہ اسی مسئلہ فقہیہ کا التزام کرتے ہیں جو انہوں نے اختیار کیا ہوتا ہے، اس کی تائید کے لئے صحیح اسانید کے ساتھ صحیح احادیث کا انتخاب کرتے ہیں، یہاں سے واضح ہو گیا ہوگا کہ امام بخاریؒ کی تخریج ان احادیث صحیحہ پر ترجیح کی حجت نہیں جو ان کے موافق نہیں، یہ نکتہ بالکل واضح ہے، اور إن شاء اللہ تعالیٰ متین کلام ہے کہ جسے ہر مصنف خبیر تسلیم کرے گا۔

مستدرکات کے ذریعہ صحیحین پر ضمناً تنقید

صحیحین پر جو مستدرکات لکھے گئے ہیں وہ اس لئے بھی بے محل ہیں کہ یہ اسانید جن کو شیخین نے نہیں لیا اس کی وجہ یہ نہیں کہ وہ اس سے غافل تھے، بلکہ انہوں نے ان تمام اسانید میں سے چھانٹ کر بعض کو منتخب کر لیا، اس بحث کا یہ مطلب نہیں کہ مستدرکات اور مستخرجات سرے سے بے فائدہ ہیں، یقیناً وہ بے حد مفید ہیں کہ ان کے ذریعہ احادیث کے متون و اسانید کے ذخائر منظر عام پر آئے، بلکہ کہنے کا مقصد صرف یہ ہے کہ شیخین پر ان کی تخریج لازم نہیں تھی، کیونکہ

اولاً تو انہوں نے جن چیزوں کو چھوڑا، علی وجہ البصیرت چھوڑا، مزید برآں یہ کہ انہوں نے یہ التزام نہیں کیا کہ وہ ہر صحیح حدیث یا صحیح سند کو لامحالہ ذکر کریں گے، الغرض مستدرکات اور مستخرجات کا علوم حدیث کے بہت سے فوائد پر مشتمل ہونا ناقابل انکار حقیقت ہے۔

صحیح بخاری کی حیثیت

صحیح بخاری کا اصح الکتب بعد کتاب اللہ ہونا مجموعی حیثیت سے ہے، ہر حدیث کے اعتبار سے نہیں، چنانچہ:

① امام ترمذی کو دیکھئے کہ بسا اوقات ایک اسناد کو بخاری کی سند پر ترجیح دیتے ہیں، اور امام بخاری کی رائے کی مخالفت کرتے ہوئے ان کی تخریج پر معترض ہوتے ہیں۔

② اور حافظ ابن حجرؒ کو لیجئے کہ حدیث مسلم کو حدیث بخاری پر ترجیح دیتے ہیں۔

③ اور حافظ دارقطنی نے صحیحین پر استدراک کرتے ہوئے بخاری کی تقریباً ایک سو دس احادیث پر فنی بحث کی ہے۔ یہ تنبیہات ایک مصنف وصاحب بصیرت کے لئے بڑی اہمیت کی حامل ہیں، اور ان کی قدر اسی کو ہوسکتی ہے جسے ان مباحث سے سابقہ پیش آیا ہو۔

انہیں یاد رکھئے اور ہمیں دعاؤں میں نہ بھولئے، ''صحیح'' سے متعلق یہی مباحث کافی ہیں، اور میں نے اس سلسلہ کی ہر بحث پر شافی کلام کرنے کا قصد نہیں کیا کہ اس کے لئے مستقل تالیف درکار ہے، صحیح بخاری سے متعلق بہت سی چیزیں حافظ کے مقدمہ فتح الباری اور مولانا محمد زکریا صاحب کاندہلوی شیخ الحدیث مظاہر العلوم سہارنپور کے مقدمہ لامع الدراری میں موجود ہیں، اور بہت سی چیزیں اصول حدیث کی کتابوں میں مثلاً: مقدمہ ابن صلاح مع تعلیقات عراقی وزرکشی وابن حجر، تدریب، توضیح الافکار، توجیہ النظر، شروح الفیہ عراقی از مصنف، و سخاوی، وزکریا انصاری میں موجود ہیں۔

سنن ابوداؤد اور اس کی احادیث کی اقسام

احکام سے متعلق احادیث مرفوعہ کی سب سے جامع کتاب ہے۔

①اس کی احادیث کا ایک بڑا حصہ صحیحین میں موجود ہے، یہ ابوداؤد کی احادیث کا اعلیٰ حصہ ہے۔

②درجہ دوم پر وہ احادیث ہیں جنہیں شیخین میں سے ایک نے روایت کیا ہے۔

③درجہ سوم پر وہ احادیث ہیں جن کی سند صالح ہے، اور اسے علماء نے قبول کیا ہے۔

④درجہ چہارم پر وہ احادیث ہیں جن کی اسانید ضعیف ہیں۔

ابوداؤد سے متعلق پوری بحث الذہبی نے "سیر اعلام النبلاء" میں کی ہے، جیسا کہ شیخ کوثریؒ نے نقل کیا ہے، خود امام ابوداؤد نے اپنے خط میں جو اہل مکہ کے نام تحریر فرمایا تھا، اپنی کتاب کے بارے میں جو کچھ تحریر فرمایا ہے وہ دوسری تمام چیزوں سے مستغنی کر دیتا ہے۔ کیونکہ اس میں تمام اہم باتیں درج ہیں، اور اہل مکہ اس گھاٹیوں سے خوب واقف ہیں، اور گھر کی خبر صاحب خانہ سے بڑھ کر کسے ہوسکتی ہے۔

①اس خط میں امام ابوداؤد فرماتے ہیں:

"میں نے ہر باب میں ایک یا دو حدیثیں درج کی ہیں، اگرچہ اس باب میں اور بھی صحیح حدیثیں موجود تھیں، مگر میں نے سب کو ذکر کرنا ضروری نہیں سمجھا، کیونکہ اندریں صورت کتاب طویل ہوجاتی، میرا مقصد صرف یہ تھا کہ اس کا نفع قریب ہو"۔

②نیز فرماتے ہیں:

"اس کتاب السنن میں، جو میں نے تالیف کی ہے، کسی ایسے راوی کی حدیث نہیں جو متروک الحدیث ہو، جہاں کہیں اس میں "منکر الحدیث" آئی ہے، وہاں میں نے اس کی نشاندہی کردی ہے، اور جہاں تک میرا خیال ہے دیگر کتابوں میں یعنی مالک بن انس، حماد بن سلمہ اور عبدالرزاق کی تالیفات میں کتاب السنن کا ایک تہائی حصہ بھی نہیں ہے"۔

③نیز وہ فرماتے ہیں:

''میری کتاب میں درج شدہ کسی حدیث میں شدید ضعف تھا تو اسے میں نے بیان کر دیا ہے اور اس میں اگر ایسی حدیث ہو جس کی سند صحیح نہیں اور میں نے اس پر کسی قسم کا کلام نہیں کیا تو وہ صالح ہے اور بعض احادیث بعض سے زیادہ صحیح ہیں''۔

④ نیز وہ فرماتے ہیں:

''میں نے کتاب السنن میں صرف احکام کو لیا ہے، زہد اور فضائل اعمال وغیرہ کو نہیں لیا، پس یہ (۴۸۰۰) احادیث کل کی کل احکام سے متعلق ہیں''۔

[انتهى ملتقطا بلفظه]

امام ابوداؤد کا یہ خط بہت ہی نفیس ہے، شیخ کوثری اس کے بارے میں فرماتے ہیں کہ احادیث ابی داؤد کے مراتب میں بحث کنندہ کو اس سے استغناء نہیں ہو سکتا۔

امام ابوداؤد، امام احمد، ابن معین (رحمہم اللہ جمیعا) اور ان کے طبقہ سے روایت کرتے ہیں، اور ان سے امام ترمذی اور امام نسائی روایت کرتے ہیں، امام احمد بن حنبلؒ نے حدیث ''العتیرۃ'' امام ابوداؤدؒ سے سنی تھی کہ ''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ''عتیرۃ'' کے بارے میں دریافت کیا گیا تو آپؐ نے اس کی تحسین فرمائی''۔

امام ابوداؤدؒ کے صاحبزادے فرماتے ہیں کہ میرے والد فرماتے تھے کہ: ''میں نے یہ حدیث امام احمد بن حنبلؒ سے ذکر کی تو اس کی تحسین کرتے ہوئے فرمایا: ''ھذا حدیث غریب ای عجیب'' خود بیٹھ گئے، اور مجھ سے فرمایا کہ اس کا املاء کراؤ، چنانچہ انہوں نے یہ حدیث میری سند سے لکھ لی، جیسا کہ خطیب کی تاریخ بغداد جلد ۹ صفحہ ۵۷ پر ہے۔

بہر حال ''حدیث العتیرۃ'' سے یہ حدیث مراد ہے، جو اوپر ذکر کی گئی، وہ نہیں جو صاحب ''المنھل العذب المورود'' نے سمجھا ہے، غالباً انہیں خطیبؒ کے کلام سے واقفیت نہیں ہو سکی۔

ابوداؤد سے ان کی کتاب مندرجہ ذیل حضرات روایت کرتے ہیں:

① ابو الحسن علی الحسن بن العبد الانصاری

② ابواسامہ محمد بن عبدالملک

③ ابوسعید بن الاعرابی

④ ابوعلی اللؤلوی

⑤ ابوبکر بن داسہ

⑥ ابوسالم محمد بن سعید الجلودی

⑦ ابوعمرو احمد بن علی البصری

⑧ ابوعیسیٰ اسحاق بن موسی الرملی

ان حضرات میں سے ہر ایک کا الگ نسخہ ہے، اوران نسخوں میں حذف واثبات کا کچھ تفاوت بھی ہے، اوراس پر بحث کافی طویل ہے۔

سنن نسائی اوران کا اسلوب

امام ابوعبدالرحمن احمد بن شعیب النسائی کی کتاب ''السنن'' کے خصائص میں کلام طویل ہے، امام ابوعبداللہ بن رشید کہتے ہیں:

''امام نسائی کی کتاب، ان تمام کتب میں، جو''سنن'' پر لکھی گئیں سب سے بدیع تصنیف ہے اوراس کی ترتیب سب سے عمدہ ہے، ان کی کتاب بخاری ومسلم کے دونوں طریقوں کی جامع ہونے کے علاوہ بیان علل کے بڑے حصہ پر حاوی ہے''۔

حاصل یہ کہ صحیحین کے بعد سنن نسائی ایک ایسی کتاب ہے، جس میں بہت کم ضعیف حدیثیں اور مجروح راوی ہیں، سنن ابوداؤد اور جامع ترمذی اس کے قریب قریب ہیں، اس کی دوسری جانب ابن ماجہ کی کتاب ہے، وہ چند ایسی احادیث کی تخریج میں منفرد ہیں جن کے راویوں کا شمار متہمین بالکذب اور سرقۃ الحدیث میں ہوتا ہے، اوران میں سے بعض احادیث صرف اسی قسم کے لوگوں سے مروی ہیں، مثلاً حبیب بن ابی حبیب، علا بن زید، داؤد بن المجبر، عبدالوہاب بن ضحاک، اسماعیل بن زیاد وغیرہ۔

بعض لوگ نسائی کی کتاب ''سنن مجتبیٰ'' کو صحیح بخاری پر ترجیح دیتے ہیں، مگر یہ غلواور گزاف ہے، ان کی کتاب کی بھی فضیلت کیا کم ہے کہ صحیحین کے بعد صحاح ستہ میں اس کا تیسرا درجہ ہے۔

ہمارے شیخ امام العصر (علامہ انور شاہ کشمیریؒ) سنن نسائی کو سنن ابی داؤد پر ترجیح دیتے تھے، کیونکہ امام نسائی رجال میں متشدد ہیں، اورانہوں نے احادیث کو خوب چھان پھٹک کرلیاہے، البتہ نسائی کی متعدد روایات کو ''فتح الباری'' میں مسلم کی روایات پر ترجیح دی ہے، جیسا کہ حافظ فتح الباری (ج:۱۳ ص:۲۷۳) میں مسلم کی چار روایتوں کو بخاری کی روایات پر ترجیح دیتے ہیں، کیونکہ ان میں امام مسلم کی سند امام بخاری کی سند سے عالی ہے، پس بخاری کی ہر سند مسلم کی ہر سند پر فائق نہیں، جیسا کہ نسائی کی ہر سند صحیحین کی ہر سند سے فروتر نہیں، اور حافظ ''فتح الباری'' (ج:۱ ص:۴۸) میں کہتے ہیں کہ:

''امام بخاری نے اس حدیث کو بالمعنی روایت کیاہے، اور امام مسلم نے باللفظ''۔

اس سے معلوم ہوا کہ بخاری کو ہر باب میں مسلم پر مطلقاً تقدم حاصل نہیں۔

محمد بن طاہر المقدسی ''شروط الائمہ الخمسہ'' میں فرماتے ہیں کہ بخاری و مسلم کی شرط یہ ہے کہ وہ صرف ایسی حدیث لیتے ہیں جس کے تمام راوی صحابی تک بالاتفاق ثقہ ہوں، مگر عراقی نے ''شرح الفیہ'' میں اسے یہ کہہ کر رد کردیا ہے کہ ''یہ بات صحیح نہیں کیونکہ نسائی نے شیخین یا ان میں سے ایک کے چند راویوں کی تضعیف کی ہے، اور بدر الدین عینی ''عمدہ'' میں کہتے ہیں کہ:

''صحیحین میں راویوں کی ایک جماعت کی جو بعض متقدمین نے تضعیف کی ہے، وہ اس پر محمول ہے کہ ان کے حق میں جرح کی شرط ثابت نہیں، کیونکہ جمہور کے نزدیک جرح اسی وقت قبول کی جاتی ہے جب کہ کھل کر اس کا واضح سبب بھی بیان کیا گیا ہو''۔

ابن صلاح نے اس کی مثال میں عکرمہ اسماعیل بن ابی اویس، عاصم بن علی اور عمرو بن مرزوق وغیرہ کے نام پیش کئے ہیں، اور امام مسلمؒ نے سوید بن سعید وغیرہ ایک ایسی جماعت سے روایت لی ہے جن میں طعن مشہور ہے، یہ اس امر کی دلیل ہے کہ وہ اس بات کے قائل تھے کہ جرح نا قابل قبول ہے، جب تک کہ اس کا سبب نہ بیان کیا جائے، اس کے بعد وہ کہتے ہیں: اور دارقطنی نے اپنی کتاب "الاستدراکات والتتبع" میں بخاری و مسلم کی دوسو حدیثوں پر کلام کیا ہے، اور ابو مسعود الدمشقی صاحب "الاطراف" اور ابو علی الغسانی صاحب "تقیید" نے بھی ان پر استدراک کیا ہے، شیخ کوثری نے تعلیقات حازمی میں اسے نقل کیا ہے۔

حافظ ابن صلاح نے اپنے مقدمہ میں مراتب صحیح کو بیان کرتے ہوئے لکھا ہے کہ:

"اول درجہ اس حدیث کا ہے جس پر بخاری و مسلم متفق ہوں، اس کے بعد وہ حدیث جو صرف بخاری میں ہو، اور اس کے بعد وہ جو صرف مسلم میں ہو"۔

ابن صلاح کے بعد جن حضرات نے "مصطلح الحدیث" کے موضوع پر قلم اٹھایا ان سب نے ابن صلاح کی پیروی کی ہے، مگر حافظ ابن ہمام الاصولی الفقیہ المحدث نے اسے یہ کہہ کر رد کر دیا ہے کہ یہ محض تحکم اور سینہ زوری ہے، جس کی تقلید جائز نہیں، کیونکہ اصحیت کا مدار راویوں کی ان شرائط پر ہے جو شیخین کے یہاں ملحوظ ہیں، اب اگر یہی شرائط صحیحین سے باہر کی حدیث کے راویوں میں پائے جاتے ہیں تو صحیحین کی روایت کو اصح لکھنا تحکم نہیں تو اور کیا ہوگا۔

شیخ کوثری تعلیقات حازمی میں اسے نقل کرنے کے بعد کہتے ہیں کہ:

"یہ متین کلام ہے اور بعد کے محققین نے اس کی پیروی کی ہے"۔

اور حافظ عبد القادر القرشی نے اس سلسلہ میں ایک فائدہ جلیلہ ذکر کیا ہے جسے شیخ کوثری نے تعلیقات کے صفحہ (۶۱، ۶۲) پر نول کیا ہے، اس کی مراجعت کی جائے کہ وہ بہت ہی اہم اور نفیس ہے، اور تعلیقات کے صفحہ ۷ ۳ پر لکھتے ہیں کہ: "مصنف (یعنی حازمیؒ) نے اپنی کتاب "الاعتبار فی الناسخ والمنسوخ من الآثار" میں وجوہ ترجیح پچاس تک

پہنچادی ہیں، جنہیں عراقی نے ''شرح الفیہ'' مسمیٰ بہ ''تبصرہ'' میں بتمام وکمال نقل کیا ہے، اور ان وجوہ ترجیح میں یہ نہیں کہ ایک حدیث کو مثلاً بخاری یا مسلم نے روایت کیا ہو دوسری کو نہیں، بلکہ اس میں وہ اوصاف ذکر کئے ہیں جن کا تعلق خود راویوں کی ذات سے ہے، نہ کہ تخریج کنندہ باب کتب سے، اور احادیث کے مابین تطبیق و ترجیح کے وجوہ ایک ایسی چیز ہے جس میں فقہاء امصار کی آراء مختلف رہی ہیں، اور ان میں فکر و نظر کا معرکہ قائم رہا ہے۔

میں سمجھتا ہوں کہ ان اصول خمسہ یعنی صحیح بخاری، صحیح مسلم، سنن نسائی، سنن ابی داؤد اور جامع ترمذی کے بارے میں اسی قدر بحث کافی وشافی ہے، تاہم ان پانچوں کے بارے میں شیخ کوثریؒ کا کلام مختصراً ذکر کرتا ہوں تا کہ اس بحث کا یہ تکملہ قارئین کے لئے بصیرت افروز ہو۔

وہ فرماتے ہیں:

''امام بخاریؒ کی غرض احادیث صحیحہ متصلہ کا لانا اور ان سے فقہ سیرت اور تفسیر کے مسائل نکالنا ہے، اس مقصد کے لئے وہ موقوف، معلق، فتاوی صحابہ وتابعین، اور علماء کے اقوال بھی لاتے ہیں، اس لئے انہیں احادیث کے متون واسانید کو ابواب کتاب میں متفرق طور پر لانا پڑا۔

اور امام مسلم کا مقصد استنباط سے تعرض کئے بغیر احادیث صحیحہ کو جمع کرنا تھا، اس لئے انہوں نے ہر حدیث کے تمام طرق ایک ہی جگہ جمع کر دیئے تا کہ متون کا اختلاف اور اسانید کا انشعاب عمدہ ترتیب کے ساتھ کھل کر سامنے آجائے، اس لئے ان کے یہاں احادیث کے ٹکڑے الگ الگ نہیں ہوئے۔

امام ابوداؤد کا مقصد ان احادیث کو جمع کرنا ہے جن سے فقہاء امصار نے استدلال کیا اور ان پر احکام کی بنیاد رکھی، چنانچہ انہوں نے ''سنن'' کی تالیف کی اور اس میں صحیح، حسن، لیّن اور صالح للعمل کو جمع کر دیا، اور وہ فرماتے ہیں کہ میں نے اپنی کتاب میں ایسی حدیث ذکر نہیں کی جس کے ترک پر لوگوں کا اجماع ہو، جو حدیث ضعیف تھی اس کے ضعف کی تصریح کر دی، جس میں علت تھی اسے بیان

کردیا، ہر حدیث پر وہ عنوان قائم کیا جو کسی عالم نے اس سے استنباط کیا تھا، اور جسے کسی نے بطور مذہب اختیار کیا تھا، اور جن احادیث پر انہوں نے سکوت اختیار کیا وہ ان کے نزدیک صالح ہیں، اور ایک فقیہ ان کی کتاب کا سب سے زیادہ محتاج ہے۔

اور ترمذی کا مطمح نظر دونوں کو جمع کرنا ہے گویا ان کو شیخین کا یہ طریقہ پسند آیا کہ انہوں نے ابہام نہیں رکھا بلکہ بیان کردیا اور امام ابوداؤد کا طریقہ بھی پسند آیا کہ انہوں نے ہر مذہب کی حدیث جمع کردی، امام ترمذی نے مذاہب صحابہ وتابعین اور فقہاء امصار کے بیان کرنے کا مزید اضافہ کیا اور احادیث کے طرق کو یوں مختصر کردیا کہ ہر باب میں ایک ایک حدیث ذکر کردی، اور باب سے متعلقہ باقی احادیث کی جانب اشارہ کردیا، اور ہر حدیث کا مرتبہ بھی بیان کردیا کہ صحیح ہے یا حسن یا غریب اور کبھی اس کی وجہ بھی ذکر کردی۔

امام بخاریؒ نے رائے (یعنی قیاسی مسائل) میں نظر کی تھی، بخارا کے اہل الرائے فقہاء سے فقہ حاصل کی تھی، امام ابوحنیفہؒ کے تلمیذ رشید حضرت عبداللہ بن مبارکؒ کی کتابیں یاد کی تھیں، اور دوران سفر مختلف فقہائے عراق سے علم فقہ حاصل کیا، اور فقہ میں انہیں بلند مرتبہ حاصل ہوا، امام بخاریؒ اور امام ابوداؤد جماعت محدثین میں سے افقہ ہیں"۔

راقم السطور عرض کرتا ہے کہ شاید امام ابوداؤد سب سے بڑے فقیہ ہوں، کہ ان کا تفقہ ائمہ فقہا کے ہمرنگ ہے، اگرچہ وہ فقہ میں امام احمد بن حنبل سے اقرب ہیں، بعض لوگوں نے ان کو امام احمدؒ کے اصحاب میں شمار کیا ہے، مگر اس میں کوئی بُعد نہیں کہ وہ تفقہ میں امام احمدؒ سے فائق ہوں، اور امام بخاریؒ کا تفقہ ابن راہویہ کرابیسی اور ان کے معاصرت دوست داؤد ظاہری کے ذوق سے اقرب ہے، یہ ایک مستقل اور طویل موضوع ہے، جس پر مکمل بحث کے لئے دوسرا موقع ہے۔

سنن ابن ماجہ اوراس کی احادیث کا مرتبہ

باقی رہی امام محمد بن یزید بن ماجہ (بتخفیف جیم وسکون ہا) القزوینی کی سنن، تو اس کی ترتیب عمدہ ہے، ابواب فقہاء کے طریق پر نہایت متناسب ہیں، احادیث مکرر نہیں، شیخ کوثریؒ کے مطابق اسے صحاح ستہ کی صف میں سب سے پہلے حافظ ابوالفضل محمد بن طاہر المقدسی (المتوفی ۶۰۰ھ) نے داخل کیا، ان کے بعد اکثر حفاظ، کتب رجال واطراف نے ان کی پیروی کی ہے۔

اور رزین العبدری اور ابن اثیر الجزری اس کے بجائے مؤطا امام مالک کو صحاح ستہ میں داخل کرتے ہیں، ابن اثیر کی ''جامع الاصول'' انہی چھ کتابوں پر حاوی ہے، اور بعض مثلاً صلاح الدین علائی، اس کے بجائے مسند دارمی کو شامل کرتے ہیں۔

ابن ماجہ کی احادیث چار ہزار کے قریب ہیں، جن میں ایک ہزار ضعیف ہیں، جیسا کہ محقق یمانی نے تنقیح میں ذکر کیا ہے، اور تقریباً تیس احادیث بالکل ساقط ہیں، یہاں تک کہ حافظ ابن جوزی نے انہیں موضوعات میں شمار کیا ہے، اور حافظ ابوالحجاج المزی کہتے ہیں کہ ابن ماجہ جن احادیث میں بقیہ پانچ کتابوں سے منفرد ہیں وہ ضعیف ہیں، اور حافظ ابن حجر اس کی تاویل کرتے ہوئے ضعف رجال پر محمول کرتے ہیں، کیونکہ وہ بہت سی صحیح اور حسن احادیث میں بھی متفرد ہیں، اور حافظ شہاب الدین احمد بن ابی بکر البوصیری نے ایک کتاب اس کے زوائد پر لکھی ہے، جو کچھ عرصہ قبل ابن ماجہ کے ساتھ قاہرہ سے شائع ہو چکی ہے، حافظ سراج الدین عمر بن علی بن الملقن الشافعیؒ نے اس کی شرح آٹھ جلدوں میں لکھی، جس کا نام ''ما تمس الیه الحاجة علی سنن ابن ماجه'' رکھا ہے، جیسا کہ ''کشف الظنون'' میں ہے، اور اسے خولیؒ نے ''مفتاح السنہ'' میں اور مولانا نعمانی نے ''ماتمس الیه الحاجه'' میں نقل کیا ہے، ہمارے دوست فاضل (مولانا عبدالرشید) نعمانی نے ابن ماجہ پر ''ما تمس الیه الحاجه'' کے نام سے ایک کتاب لکھی ہے، جس میں ہر ضرورت کو پورا کر دیا ہے، اس لئے ہم کلام کو طول نہیں دینا چاہتے، اور یوں بھی یہ ہمارے موضوع سے خارج ہے، جو چاہے

اس کی مراجعت کرسکتا ہے، کیونکہ اس میں ایسے فوائد ہیں جن سے استغناء نہیں ہوسکتا، جزاہ اللہ خیرالجزاء۔

صحاح ستہ پر اجمالی نظر

الحاصل یہ امہات ستہ یا صحاح ستہ، جو بلند پایہ حفاظ، یکتائے روزگار ثقہ محدثین کی مرتب کردہ ہیں، مدار اسلام ہیں، انہی پر اسلامی احکام کا مدار ہے، اسلام کے بنیادی مسائل واحکام، خواہ ان کا تعلق اصول سے ہو یا فروع سے، ان کتابوں سے باہر نہیں، بجز احادیث احکام کے کچھ حصہ کے، جن کا تعلق مختلف فیہ مسائل سے ہے، اس کا سبب یہ ہے کہ ان مؤلفین فقہی مسائل میں اپنے مشائخ وائمہ کے پیرو تھے، اور امام حدیث کے مرتبہ پر فائز ہونے سے قبل ہی ان کے مذہبی رنگ میں رنگین تھے، یہ ایک طبعی امر ہے کہ وہ انتخاب احادیث کے معاملہ میں اسی جانب مائل ہوسکتے ہیں، جو ان کے فقہی ذوق سے ہم آہنگ ہوں، ہاں کسی نے ہر فریق کی احادیث درج کرنے کا فیصلہ کیا ہو، جیسا کہ ابوداؤد اور ترمذی کا یہی طرز ہے، تو دوسری بات ہے۔

بہرکیف وہ صحیح یا حسن احادیث جن کو انہوں نے اس بنا پر ترک کردیا کہ ان کی معارض احادیث کو اختیار کیا گیا تھا، یا خوف طوالت کی بنا پر ترک کردیا، تو یہ ایک طبعی امر ہے کہ انہیں وہ اپنی کتابوں میں درج نہیں کریں گے، جیسا کہ ہم پہلے ذکر کرچکے ہیں، اور یہ امر بہت ہی واضح ہے کیونکہ شیخین کا تمام صحاح کا استیعاب کا التزام نہ کرنا محدثین کے مابین متفق علیہ ہے، بنابریں ان کا کسی حدیث کو نہ لانا مخالفین پر خصوصاً ان حضرات پر جو ان سے پہلے ہوچکے، حجت نہیں۔

مؤطا امام مالک اور سنن دارمی جو مسند دارمی کے نام سے معروف ہے بھی اسی طبقہ میں شامل ہیں، اور یہ طبقہ اور اس سے قبل کا طبقہ مسانید ومصنفات کی تدوین کا دور ہے، حدیث کی یہ بنیادی کتابیں مراتب حدیث اور صحیح وسقیم کی معرفت کے لئے میزان کی حیثیت رکھتی ہیں، اور ان کے مؤلفین اعلام صحت وضعف کے حکم لگانے کا مدار ہیں، اگرچہ یہاں ان کے

درمیان اختلاف بھی ہوا، جس کا منشا اذواق وجہات کا اختلاف ہے، اور اس سلسلہ میں سب سے زیادہ خوش بخت وہ حضرات ہیں جو علل غامضہ کی معرفت میں فائق اور دقائق فن اور احوال رجال پر زیادہ اطلاع رکھتے ہیں، یہی وجہ ہے کہ متاخرین حفاظ اپنی کفایت واہلیت اور فن حدیث میں دقت نظر وحذاقت کے باوصف جب کسی حدیث کی تصحیح کا ارادہ کرتے ہیں تو بے حد تورع سے کام لیتے ہیں، چنانچہ بجائے ''صحیح'' یا ''صحیح الاسانید'' کہنے کے یہ کہتے ہیں کہ:
''اس حدیث کے تمام راوی ثقہ ہیں، اس حدیث کے راوی بخاری ومسلم کے راوی ہیں، کیونکہ یہ ممکن ہے کہ اس میں کوئی علت غامضہ ہو جو صحت حدیث میں قادح ہو۔

اسی بنا پر حافظ ابن الصلاح فرماتے ہیں:

''اس زمانے میں محض اسناد کو دیکھ کر مستقل طور پر ''صحیح'' کا ادراک کر لینا مشکل ہے، کیونکہ اس سلسلہ کی ہر سند کے رجال میں ایسا شخص ملے گا جس کی روایت پر مصنف نے اعتماد کیا ہوگا، جبکہ حفظ وضبط واتقان کی صفات سے عاری ہے، جو صحیح میں شرط ہیں، اندریں صحیح وحسن کی معرفت کی پہچان کا مدار ائمہ حدیث کی تصریح پر ہوگا، جو انہوں نے اپنی معتمد علیہ اور مشہور تصانیف میں کی ہیں اور جو تغیر وتحریف سے محفوظ ہیں، لہذا ائمہ حدیث کی ان کتابوں میں جس حدیث کی صحت کی تصریح نہ ہو ہم اس پر صحیح کا حکم لگانے کی جسارت نہیں کریں گے''۔

شیخ کوثریؒ ''تعلیقات شروط حازمی'' صفحہ ۲۶ میں فرماتے ہیں:

''لیکن اس کے بعد بھی حفاظ حدیث میں سے کچھ افراد چند احادیث میں تصحیح وتضعیف کے عمل پر مستمر رہے، جب کہ ان احادیث میں ان کی تصحیح وتضعیف پیش رو ناقدین کی ذکر کردہ تصحیح وتضعیف کے خلاف تھی، بس اسی کو ذریعہ بنا کر کچھ ایسے لوگوں نے جو کسی شمار وقطار میں نہیں تھے، تمام احادیث کے مراتب پر از سر نو کلام کرنا شروع کر دیا، اور یہ نہایت ناروا اقدام ہے، ہر دور کے اہل علم پر واجب ہے کہ دلائل کے ڈنڈے سے اس قماش کے لوگوں کی سرکوبی کریں، جو شخص اہل قرون فاضلہ سے

کئی سال بعد آتا ہے، اسے یہ حق آخر کس نے دیا ہے وہ ان پر استدراک کرے، قرون متاخرہ میں جو چیز ایک مجتہد فی الحدیث کے لئے ممکن ہے وہ یہ ہے کہ اسے بھی متقدمین کی طرح مراتب حدیث کی معرفت حاصل ہو، نہ کہ جس حدیث کو انہوں نے صحیح کہا یہ اس کی تضعیف کرنے لگے، جسے ضعیف کہا اسے صحیح بتائے، اور جس کو غیر ثابت کہا اسے ثابت قرار دے، کتابوں میں کسی حدیث کے ایسے طرق کا پایا جانا جن کا تحمل متقدمین کے عہد میں اہل علم نے اس شرط کے ساتھ نہ کیا، ایسی چیز نہیں کہ وہ حدیث کو متقدمین کی تنقید سے زیادہ مرتبہ عطا کر سکے، قرون اولیٰ کے عہد تدوین میں جس حدیث کو صحیح قرار دیا جا چکا ہے اس کی تصحیح میں صحیفے خشک اور قلم فارغ ہو چکے ہیں، ورنہ لازم آئے گا کہ امت راہ مستقیم سے بھٹکتی رہی، اور حدیث کے لئے ایسے جدید حوادث نہیں جو انسان کی دنیوی زندگی کی انتہاء تک ختم ہی نہ ہوں، تا کہ مجتہد فی الحدیث کی شان مجتہد فی الفقہ کی طرح قرار پائے، بلکہ محدث کا منتہائے علم یہ ہے کہ وہ متقدمین کی طرح مرویات کا حافظ ہو اور ان کی صفات سے باخبر ہو، یہ نہیں کہ وہ نئی رائے کا اختراع کیا کرے، اس نکتہ سے غافل نہیں رہنا چاہیئے''۔

شیخ کوثریؒ کا یہ کلام نہایت عمدہ اور اہم ہے، جو گہری بصیرت اور پختہ تجربہ پر مبنی ہے، چنانچہ ہم نے بہت سے حذاقت فی الحدیث کے مدعیوں کو دیکھا ہے کہ وہ بخاری و مسلم کی سند کو لے کر اس کے رجال پر جرح کر دیتے ہیں، اور اس منطق سے بخاری و مسلم کی متفق علیہ احادیث کو رد کر دیتے ہیں، اور دوسری طرف کسی تاریخ یا حدیث کی کتاب سے ایک حدیث نقل کر کے اس کے رجال کی توثیق کرتے ہیں، اور پھر اسے شیخین کی متفق علیہ حدیث پر ترجیح دے ڈالتے ہیں، یہ نہایت بدھی بے اصولی ہے، جو اس دور میں بہت سے کج افکار جمیں سرایت کر گئی ہے، اس قماش کے نام نہاد محدثین کا منہ بند کرنا ضروری ہے، واللہ ولی التوفیق۔

باب سیزدہم
حالات مؤلفین صحاح ستہ

① امام محمد بن اسماعیل البخاریؒ

نام ونسب

الامام ابوعبداللہ محمد بن اسماعیل بن ابراہیم بن مغیرہ بن بَرَدِزْبَہ۔

بَرَدِزْبَہ، بفتح با، وسکون را، پھر دال مکسورہ، پھر زائے معجمہ ساکنہ، پھر بائے مفتوحہ اور آخر میں ہائے فارسی، اس کے معنی کاشتکار کے ہیں، عام طور پر اصحاب تراجم نے امامؒ کا نسب نامہ یہیں تک نقل کیا ہے، اور تاج سبکی نے اس سے آگے ''بردزبہ'' کے والد کا نام ''بَذْدُبَہ'' نقل کیا ہے (بفتح با، ذال مکسورہ، پھر ذال ساکنہ، پھر ہائے فارسی)۔

بردزبہ مجوسی تھا، اور اسی دین پر مرا، امام کے آبائی سلسلہ میں پہلا مسلمان مغیرہ تھا جو یمان جعفی بخاری کے ہاتھ پر مشرف بہ اسلام ہوا، امام بخاری کی نسبت ''الجعفی'' اسی ولی اسلام کی بنا پر ہے۔

ولادت ووفات

امام بخاری کی ولادت ۱۳ر شوال ۱۹۴ھ کو بعد از نماز جمعہ ہوئی، اور عید الفطر کی رات کو، جو سنیچر کی رات تھی، بوقت عشاء ۲۵۶ھ میں سمرقند کے قریب موضع ''خرتنگ'' میں ان کا انتقال ہوا، کل عمر مبارک باسٹھ سال بارہ دن ہوئی، بعض حضرات نے ان کی ولادت، وفات

اور کل عمر کی تاریخ علی الترتیب صدق، حمید اور نور کے مادہ سے نکالی ہے، چنانچہ فرماتے ہیں:

کان البخاری حافظا ومحدثا جمع الصحیح مکمل التحریر

میلادہ "صدق" ومدة عمرہ فیھا "حمید" وانقضی فی "نور"

ترجمہ: بخاری حافظ ومحدث تھے، انہوں نے "الصحیح" کو کامل تنقیح کے ساتھ جمع کیا، ان کی ولادت "صدق" (۱۹۴ھ)، مدت عمر "حمید" (۶۲ سال) تھی، اور "نور" (۲۵۶ھ) میں انتقال کیا۔

طالب علمی

امامؒ نے طلب حدیث کے لئے دور دراز کے سفر کئے، سہل بن السری ان سے نقل کرتے ہیں کہ: میں شام، مصر اور جزیرہ میں دو مرتبہ گیا ہوں، بصرہ میں چار مرتبہ، حجاز میں چھ سال رہا، اور اس کا تو شمار ہی نہیں کہ بغداد اور کوفہ میں کتنی بار گیا ہوں۔

امام بخاری جیسے محدث کے بے شمار مرتبہ کوفہ جانے سے اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ وہاں حدیث اور محدثین کی کتنی کثرت ہوگی کہ امام بخاری جیسا شخص بھی ان کی حدیث، ان سے روایت اور ان سے تحصیل علم کا محتاج ہے۔

امام بخاریؒ کے اساتذہ وشیوخ کی آراء

امام بخاریؒ نے ایک ہزار سے زیادہ اساتذہ سے اکتساب فیض کیا، امامؒ کے اساتذہ بھی ان کی تعریف میں رطب اللسان تھے۔

① چنانچہ ابن قتیبہ کہتے ہیں کہ:

"مجھے فقہاء وزاہدین وعابدین کی ہم نشینی کا شرف حاصل ہے لیکن جب سے میں نے ہوش سنبھالا ہے محمد بن اسماعیل جیسا شخص نہیں دیکھا اپنے دور میں ان کی وہی شان تھی جو حضرت عمرؓ کی صحابہ میں تھی"۔

نیز وہ کہتے ہیں کہ:

''اگر محمد بن اسماعیل صحابہ کے دور میں ہوتے تو ایک نشان ہوتے''۔

۲ علی بن المدینی کہتے ہیں کہ:

''انہوں نے ان جیسا شخص نہیں دیکھا''۔

۳ حافظ رجاء بن مرجی کہتے ہیں کہ:

''محمد بن اسماعیل کو علماء پر وہی فضیلت ہے جو مردوں کو عورتوں پر ہے''۔

نیز وہ کہتے ہیں کہ:

''وہ اللہ تعالیٰ کے نشانات میں سے زمین پر چلتا پھرتا ایک نشان تھا''۔

۴ ان کے شیخ عبداللہ بن منیرؒ کہتے ہیں کہ:

''میں نے ان جیسا شخص نہیں دیکھا''۔

۵ احمد بن حنبلؒ فرماتے ہیں کہ:

''محمد بن اسماعیل جیسا شخص خراسان نے پیدا نہیں کیا''۔

۶ ان کے شیخ اسحاق بن راہویہ کہتے ہیں کہ:

''اے محدثین کی جماعت! اس جوان کی نگہداشت کرو، اور اس سے حدیث لکھا کرو کیونکہ یہ اگر حسن بصریؒ کے زمانے میں ہوتے تو وہ بھی ان کی حدیث و فقہ میں مہارت کی وجہ سے ان کے محتاج ہوتے''۔

امام بخاریؒ کے معاصرین اور تلامذہ کی آراء

۱ عبداللہ بن عبدالرحمن الدارمیؒ کہتے ہیں کہ:

''میں نے حرمین، حجاز، شام اور عراق کے علماء دیکھے، مگر محمد بن اسماعیل سے زیادہ جامع شخص نہیں دیکھا''۔

نیز وہ لکھتے ہیں:

''وہ علم فقہ اور طلب میں ہم سب سے آگے ہیں''۔

۲ حاتم بن منصور کہتے ہیں:

''وہ اپنی بصیرت اور رسوخ علم میں'' آیۃ من آیات اللہ'' ہیں''۔

③ابن خزیمہ کہتے ہیں:

''میں نے آسمان کی چھت کے نیچے محمد بن اسماعیل سے بڑا حدیث کا عالم نہیں دیکھا''۔

④امام ترمذی کہتے ہیں:

''میں نے محمد بن اسماعیل سے بڑھ کر علل و اسانید کا کوئی عالم نہیں دیکھا''۔

⑤امام مسلمؒ کہتے ہیں:

''میں گواہی دیتا ہوں کہ دنیا میں اس جیسا آدمی نہیں''۔

⑥ابو عمر خفاف کہتے ہیں:

''ہم سے اس تقی نقی عالم نے حدیث بیان کی جس کی مثل ہم نے نہیں دیکھی'' (یعنی محمد بن اسماعیل)۔

نیز وہ کہتے ہیں:

''وہ اسحاق و احمد وغیرہ سے بھی بیس گنا بڑے عالم حدیث تھے''۔

اس نوعیت کے بہت سے تعریفی کلمات تاج سبکیؒ نے ''طبقات'' میں، ابن کثیر نے ''البدایہ'' میں اور ابن حجر نے ''ہدی الساری'' میں اکابر امت سے نقل کئے ہیں، اور اوپر ہم نے جو کلمات نقل کئے ہیں وہ اسی بحر بیکراں کا ایک قطرہ ہے۔

آپ ابھی دس سالہ تھے کہ حفظ حدیث اور مشائخ کی خدمت میں حاضری و استفادہ کا سلسلہ شروع ہوا، اور سولہ سال کی عمر کو نہیں پہنچے تھے کہ لوگوں کو ان کے علم کی احتیاج ہوئی، الغرض فہم و ذکاوت، علم و عمل اور ورع و عبادت میں یکتائے روزگار تھے، اور انہوں نے تمام بلاد کے علم حدیث و فقہ کے سرچشموں سے خوب سیرابی حاصل کی تھی۔

حافظ ابن طولون الدمشقیؒ نے ''بلغة القائع فی طرق الصحیح الجامع'' کے نام سے ایک کتاب لکھی، جس میں امام بخاری تک کی تمام اسانید بالاستیعاب

ذکر کیں، اسی طرح حافظ سخاویؒ کی کتاب "عمدة القاری والسامع فی ختم الصحیح الجامع" بھی اسی موضوع پر ہے، حافظ ذہبیؒ نے امام بخاریؒ کے مناقب میں ایک مستقل جزء تالیف کیا، جس میں نہایت عجیب حالات جمع کئے ہیں، جیسا کہ انہوں نے "الطبقات" (ج:۲ص:۱۲۳) میں لکھا ہے، شیخ اسماعیل بن محمد العجلونی نے بھی ایک مستقل تالیف امام بخاریؒ کے حالات پر لکھی ہے، اس کا مخطوطہ کتب خانہ شیخ الاسلام عارف حکمت (مدینہ منورہ زادھا اللہ نوراً) میں موجود ہے

امام حاکم نے اپنی "تاریخ" میں امام بخاری کی یہ رباعی نقل کی ہے:

اغتنم فی الفراغ فضل رکوع   فعسی ان یکون موتك بغتة
کم صحیح رأیت من غیر سقیم   ذهبت نفسه الصحیحة فلتة

ترجمہ: فراغت میں رکوع کی فضیلت کو غنیمت جانو، کیا خبر تیری موت اچانک آجائے، میں نے کتنے ہی بھلے چنگے تندرست دیکھے کہ ناگہاں ان کی روح پرواز کرگئی۔

ان عشت تفجع بالاحبة کلهم   وبقاء نفسك لاابالك افجع

ترجمہ: تم زندہ رہے تو تمہیں احباب کے صدمے اٹھانا ہوں گے، اور خود تمہاری زندگی اس سے زیادہ صدمہ رساں ہے۔

اور بعض شعراء نے ان کی کتاب کی مدح وثناء میں بڑے عمدہ اشعار کہے ہیں، جنہیں ابن السبکی اور ابن کثیر الدمشقی نے نقل کیا ہے، جو حسب ذیل ہیں:

صحیح البخاری لو انصفوه   لما خط الا بماء الذهب
اسانیده مثل نجوم السماء   امام المتون لها کالشهب
بها قام میزان دین الرسول   و دان به العجم بعدالعرب
حجاب من النار لاشك فیه   یمیز بین الرضاء والغضب
وستر رقیق الی المصطفی   و نص مبین لکشف الریب
فیا عالماً اجمع العالمون   علی فضل رتبته فی الرتب

سبقت الائمة فی ما جمعت و فزت علی جمعهم بالقصب

نفیت الضعیف من الناقلین و من کان متهما بالکذب

و ابرزت فی حسن ترتیبه و تبو یبه عجباً للعجب

فاعطاك مولاك ماتشهیه و اجزل حظك فی ماوهب

ترجمہ:① صحیح بخاری سے اگر لوگوں نے انصاف کیا ہوتا تو اسے صرف سونے کے پانی سے لکھتے۔

② اس کی اسانید متون حدیث کے سامنے درخشندہ ستاروں کی مانند ہیں۔

③ انہیں سے دین رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) کی میزان قائم ہوئی، اور عرب وعجم نے اس پر اپنے دین کی بنیادیں استوار کیں۔

④ بلاشک وہ آتش دوزخ سے حجاب ہے، جو رضا وغضب کے مابین تمیز کرتا ہے۔

⑤ اور حضور مصطفی صلی اللہ علیہ وسلم تک (پہنچنے کے لئے) باریک پردہ ہے، اور شک وشبہ کو زائل کرنے والی واضح نص ہے۔

⑥ اے وہ عالم! جس کے مرتبہ کی بلندی پر تمام لوگوں کا اجماع ہے۔

⑦ آپ اپنی کتاب کی جمع وتدوین میں سب سے سبقت لے گئے ہیں، اور سب سے بازی جیت لی ہے۔

⑧ آپ نے ضعیف اور متہم راویوں کی (احادیث کو) چھانٹ کر الگ کر دیا ہے۔

⑨ اور آپ نے حسن ترتیب وتبویب میں عجیب وغریب نکات ظاہر کئے ہیں۔

⑩ پس مولائے حقیقی آپ کی تمام چاہتیں پوری کرے، اور اپنے عطیات میں آپ کا بہت بڑا حصہ لگائے۔

② امام مسلم بن حجاج قشیریؒ

امام کبیر ابوالحسین مسلم بن حجاج القشیری النیسابوری، بہت بڑے امام اور حافظ حدیث تھے، نیشاپور میں پیدا ہوئے، سن ولادت میں مشہور قول ۲۰۴ھ کا ہے، اور یہی امام

شافعیؒ کا سن وفات ہے، ایک قول ۲۰۲ھ اور ایک ۲۰۶ھ کا ہے، نیشاپور ہی میں ۲۶۱ھ میں وفات پائی، مشہور قول کے مطابق ستاون (۵۷) برس کی عمر پائی۔

حافظ الذہبی ابوعمرو حمدان سے نقل کرتے ہیں کہ:

''میں نے ابن عقدہ سے دریافت کیا کہ دونوں میں سے حافظ کون تھا، بخاری یا مسلم؟ کہا: بخاری بھی عالم تھے اور مسلم بھی، میں نے کئی بار یہی سوال دہرایا تو کہا: امام بخاری کو اہل شام کے ناموں میں کبھی مغالطہ ہوجاتا ہے کیونکہ انہوں نے اہل شام کی کتابوں سے استفادہ کیا ہے، چنانچہ وہ ایک ہی شخص کو ایک جگہ کنیت سے اور دوسری جگہ اس کے نام سے ذکر کرتے ہیں، وہ انہیں دو الگ الگ اشخاص گمان کرتے ہیں، لیکن امام مسلمؒ کے ہاں علل میں شاذ و نادر ہی غلطی ہوتی ہے، کیونکہ انہوں نے متصل اسانید کو لیا ہے، اور مقطوع اور مرسل کو نہیں لیا''۔

ابن ابی حاتم کہتے ہیں:

''وہ حفاظ حدیث میں سے تھے، میں نے ''ری'' میں ان سے احادیث لکھی ہیں''۔

ابوقریش کہتے ہیں کہ:

''دنیا میں حافظ حدیث چار ہیں، ان میں امام مسلمؒ کو بھی ذکر کیا''۔

امام مسلمؒ نے تین لاکھ احادیث مسموعہ میں سے انتخاب کر کے پندرہ برس میں ''صحیح مسلم'' لکھی، اس کی تمام احادیث مکررات کو ملا کر بارہ ہزار (۱۲۰۰۰) ہیں، جیسا کہ الذہبیؒ نے ''طبقات'' (ج:۲ ص:۱۵۱) میں ذکر کیا ہے، اور عبدالعزیز الخولیؒ نے ''مفتاح السنہ'' میں (۷۲۷۵) ذکر کی ہیں، یہ تعداد شاید صحیح نہیں، اور غیر مکرر احادیث چار ہزار ہیں، امام بخاریؒ، امام مسلمؒ کے استاذ ہیں، امام مسلم ان کی جانب سے مدافعت کیا کرتے تھے، یہاں تک کہ امام بخاری کی وجہ سے امام مسلم کے اپنے استاذ امام ذہلی سے تعلقات کشیدہ ہوگئے تھے، اور کشیدگی بھی یہاں تک پہنچی کہ امام مسلم نے وہ تمام احادیث انہیں واپس کردیں جو ان سے سماع کر کے

لکھی تھیں، چنانچہ نہ صحیح مسلم میں ان سے کسی حدیث کی تخریج کی، نہ کسی اور کتاب میں، لیکن معلوم ہوتا ہے کہ آخر عمر میں ان کے اور امام بخاری کے تعلق میں فتور آ گیا تھا، اور یہی وجہ ہے کہ امام بخاری کے اس اصول پر کہ: ''راوی اور مروی عنہ کے درمیان ملاقات کا ہونا اتصال سند کے لئے شرط ہے خواہ راوی غیر مدلس ہو''، امام مسلم نے شدید لب ولہجہ میں تنقید کی ہے، پس پاک ہے وہ ذات جس کے قبضہ میں قلوب ہیں، وہ جس طرف چاہے انہیں پھیر دے، امام بخاری و مسلم اور ان کی کتابوں کے درمیان تقابل وتفاضل کی بحث تفصیل و تحقیق کے ساتھ پہلے گزر چکی ہے، یہ خلاصہ ہے ان افادات کا جو الذہبی نے ''تذکرۃ الحفاظ'' میں اور ابن کثیر نے تاریخ میں ذکر کئے ہیں، کچھ اضافات دیگر مصادر سے اخذ کئے گئے ہیں۔

امام بخاریؒ کے سن ولادت ووفات اور مدت عمر پر جو قطعہ پہلے گذر چکا ہے، اسی طرز پر امام مسلمؒ کے سن ولادت ووفات اور مدت عمر پر ہمارے شیخ امام العصر علامہ کشمیریؒ نے مندرجہ ذیل قطعہ کہا ہے:

كان العساكر حافظا ومحدثا . جمع "الصحيح" منسق التحبير
ميلاده "در" وقيل "البر" بدر "ارنى" وفاة "حان" بالتبشير

ترجمہ: عساکر (الدین) حافظ ومحدث تھے، انہوں نے ''الصحیح'' کو اس انداز سے جمع کیا کہ اس کی ترتیب میں چار چاند لگا دیئے، ان کی تاریخ لفظ ''در'' سے اور بقول بعض لفظ ''بر'' سے اور بقول بعض لفظ ''بدر'' سے نکلتی ہے، لفظ ''ارنی'' سے وفات اور لفظ ''حان'' سے مدت حیات کی تاریخ نکلتی ہے۔

عساکر امام مسلمؒ کا لقب ہے، چنانچہ شاہ عبدالعزیز دہلویؒ ''بستان المحدثین'' میں فرماتے ہیں ان کا لقب عساکر الدین ہے، اور ''منسق'' کے لفظ میں اشارہ ہے کہ امام مسلم ترتیب وسیاق احادیث میں ممتاز ہیں، امام مسلم کی ولادت میں تین قول ہیں، جو دوسرے شعر کے پہلے مصرعہ میں جمع کر دیئے گئے ہیں، جو حسب ذیل ہیں:

در: ۲۰۴ھ . بر: ۲۰۲ھ . بدر: ۲۰۶ھ

''در'' بمعنی دودھ اور خیر کثیر، ''بر'' بمعنی نیکی، ان تینوں الفاظ میں توریہ اور تلمیح ہے۔
''ارنی'' سے تاریخ وفات ۲۶۱ھ نکلتی ہے، جس میں آیت ﴿ارنی انظر الیك﴾ کی طرف تلمیح ہے۔

اور ''حان'' سے مدت عمر ۵۹ سال مفہوم ہوتی ہے، جس پر اس کا مادہ ''حین'' بمعنی وقت دلالت کرتا ہے، بنابریں یہ تعبیر بڑی مناسب اور لطیف ہے۔
اور ''تبشیر'' میں روح وریحان اور جنت نعیم کی جانب اشارہ ہے، جس کی بشارت مومن کو دی جاتی ہے، سبحان اللہ! کیسا لطیف اور بلند پایہ قطعہ ہے، اگر چہ دونوں شعر امام العصر علامہ انور شاہ کشمیریؒ سے میرے علاوہ دوسروں نے بھی سنے تھے لیکن ان کے حفظ ونقل میں بحمد اللہ میں متفرد ہوں، جن حضرات نے یہ اشعار اپنی کتابوں میں یا درسوں میں نقل کئے ہیں سب کی سند مجھ تک پہنچتی ہے، واللہ اعلم۔

③ امام ابوداؤدؒ

الامام الثبت، سید الحفاظ، الفقیہ سلیمان بن اشعث بن اسحاق بن بشیر الازدی السجستانی (یہ سجستان کی طرف نسبت ہے، جو سیستان کو معرب ہے، اور یہ ہرات سے ورے جنوبی جانب ایک معروف اقلیم ہے) جیسا کہ صاغانی کہتے ہیں، اور یہی معروف ہے جو زبان زد عام وخاص ہے، اور یہ سگستان کا معرب نہیں جیسا کہ فیروز آبادی اس کو ترجیح دیتے ہوئے فتح سین کو راجح قرار دیتے ہیں، اس موقعہ پر زبیدی کی ''تاج العروس'' ملاحظہ کی جائے، اور ان لوگوں کے قول کو غلط قرار دیا گیا ہے جو کہتے ہیں کہ یہ بصرہ کی ایک بستی ''سجستانہ'' کی جانب منسوب ہے، یاقوت حموی کی ''معجم البلدان'' اور ابن خلکان کی ''وفیات'' ملاحظہ کیجئے، کبھی خلاف قیاس سجستانی کے بجائے سجزی بھی بولا جاتا ہے جیسا کہ قاموس میں ہے۔
امام ابوداؤد ۲۰۱ھ میں پیدا ہوئے، اور ۲۷۵ھ میں بصرہ میں وفات پائی، امام ابو داؤد سے روایت کنندگان کی فہرست بڑی طویل ہے، جن میں امام ترمذی اور امام نسائی بھی شامل ہیں، ان سے ان کے شیخ امام احمد نے ''حدیث عتیرہ'' کا سماع کیا تھا، جیسا کہ ہم پہلے

ذکر کر چکے ہیں، امام ابوداؤد نے انہیں اپنی کتاب دکھائی اور انہوں نے اس کی تحسین فرمائی، بعض حضرات نے فرمایا ہے کہ امام ابوداؤد اپنی سیرت و کردار، طور وطریق اور چال وڈھال میں امام احمدؒ کے مشابہ تھے، امام احمدؒ وکیعؒ کے، وکیع سفیان ثوری کے، ثوری منصور کے، منصور ابراہیم نخعی کے، ابراہیم علقمہ کے، علقمہ عبداللہ بن مسعود کے، اور عبداللہ بن مسعود اپنی سیرت و کردار اور طور وطریق میں آنحضرت ﷺ کے مشابہ تھے، جیسا کہ الذہبی نے "طبقات میں ذکر کیا ہے۔

④ امام نسائیؒ

امام حافظ ابوعبدالرحمن احمد بن شعیب بن علی بن سنان النسائی الخراسانی القاضی ۲۱۵ھ میں ولادت ہوئی، اور ۳۰۳ھ میں موضع رملہ مضافات فلسطین میں خوارج کے ہاتھوں شہید ہوئے، اسحاق بن ابراہیم، قتیبہ بن سعید، ہشام بن عمارہ وغیرہ بہت سے اکابر سے حدیث کا سماع کیا، اہل خراسان سے استفادہ کے بعد حجاز، عراق، مصر، شام، الجزیرہ وغیرہ کی طرف علمی سفر کئے، علم حدیث میں نہایت بلند پایہ اور معرفت واتقان اور علو اسناد میں متفرد تھے، مصر میں اقامت اختیار کر لی تھی، اور امام ابوداؤد اور امام ترمذی آپ کے مشائخ میں تھے، اپنے دور میں مصر کے سب سے بڑے فقیہ شیخ اور علم حدیث ورجال کے سب سے بڑے عالم تھے۔

ان کی شہادت کا قصہ یہ ہے کہ جب انہوں نے دمشق میں خوارج کا انحراف ملاحظہ فرمایا تو "خصائص علیؓ" پر ایک کتاب تالیف کی، یہی کتاب ان کے لئے ابتلاء وامتحان ثابت ہوئی، چنانچہ خوارج نے انہیں اس قدر زدوکوب کیا کہ جانبر نہ ہو سکے۔

صحاح ستہ میں ان کی کتاب "سنن صغریٰ" شامل تھی، جو ابن السنی کی روایت سے مروی ہے، اور ابن حیوۃ، ابن احمر اور ابن قاسم کی روایت سے جو کتاب مروی ہے وہ "سنن کبریٰ" کہلاتی ہے۔

امام نسائی نے امیر رملہ کی فرمائش پر "سنن کبریٰ" سے منتخب کر کے "سنن صغریٰ"

مرتب کی تھی، اور اسے ''المجتبی'' کے نام سے موسوم فرمایا تھا، اور اس میں احادیث صحیحہ لانے کی شرط رکھی تھی، ابن السکن، الذہبی سے نقل کرتے ہیں کہ وہ امام نسائی کو امام مسلم پر حفظ میں فوقیت دیتے تھے، اور تقی سبکی نے بھی اس نظریہ میں الذہبی سے موافقت کی ہے، ان کی کتاب سے متعلق کچھ چیزیں اوپر گذر چکی ہیں۔

⑤ امام ترمذیؒ

امام حافظ ابوعیسیٰ محمد بن عیسیٰ الترمذی، امام، ثقہ اور حجت تھے، امام حاکم، عمر بن ملک سے نقل کرتے ہیں کہ امام بخاری کا انتقال ہوا تو خراسان میں کوئی شخص علم و حفظ اور ورع وزہد میں امام ترمذی کا ہم پلہ نہیں تھا، ۲۰۹ھ میں ولادت اور ۲۷۹ھ میں بعمر ستر (۷۰) سال وفات ہوئی، ہمارے شیخ امام العصر علامہ کشمیریؒ نے ایک شعر میں ان کی ولادت ووفات کی تاریخ ضبط کی ہے، چنانچہ فرماتے ہیں:

الترمذی محمد ذو زین عطر وفاۃ عمرہ فی عین

امام بخاری اور امام ابوداؤد ان کے اساتذہ میں ہیں، الذہبی ''طبقات'' میں لکھتے ہیں کہ: امام ترمذی اس قدر روئے کہ آنکھوں سے ہاتھ دھو بیٹھے، اور کئی سال تک نابینا رہے، ہم نے ان کے حالات اور ان کی کتاب کے خصائص کو اس مقدمہ کے دوسرے حصہ میں بتمام و کمال ذکر کیا ہے، اور کچھ چیزیں پہلے بھی گزر چکی ہیں، الذہبی نے امام ترمذی تک اپنی سند ذکر کر کے امام ترمذیؒ کا یہ قول نقل کیا ہے کہ:

> ''میں نے یہ کتاب تصنیف کی تو عراق، حجاز اور خراسان کے علماء کی خدمت میں پیش کی، اور سب نے پسند فرمائی، جس کے گھر میں یہ کتاب (جامع ترمذی) ہو گویا اس کے گھر نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہیں، جو کلام فرماتے ہیں''۔

یہاں اسی قدر پر کفایت کی جاتی ہے۔

⑥ امام ابن ماجہؒ

الامام الحافظ ابو عبداللہ محمد بن یزید ابن ماجہ القزوینی، ۲۰۹ھ میں پیدا ہوئے، اور بروز دوشنبہ ۲۲ ررمضان المبارک ۲۷۳ھ کو وفات ہوئی، ری، عراق، بصرہ، کوفہ، بغداد، شام، مصر اور حجاز کے علمی سفر کئے۔

ابو یعلی الخلیلی کہتے ہیں:

''ابن ماجہ بڑے ثقہ، متفق علیہ اور مستند امام ہیں، انہیں (علم حدیث کی) معرفت اور حفظ حاصل ہے''۔

جیسا کہ طبقات ذہبی میں ہے۔

باب چہاردہم
امام ترمذیؒ اور جامع ترمذی کی خصوصیات

نام ونسبت

امام ابوعیسی محمد بن عیسی بن سورۃ بن موسی بن ضحاک، اور ایک قول کے مطابق ابن سکن سلمی بوغی ترمذی ضریر، آپؒ امت کے بلند مرتبہ حفاظ حدیث اور ائمہ اسلام میں سے ایک تھے، ''سلمی'' بنوغیلان کے قبیلے ''بنوسلیم'' (مصغر) کی طرف نسبت کی بنا پر اور ''بوغی'' ترمذ کے ایک گاؤں ''بوغ'' کی جانب انتساب کی وجہ سے کہلاتے ہیں اور ''ترمذی''، ماوراء النہر (مراد ''نہر بلخ'' ہے، جسے ''جیحون'' بھی کہا جاتا ہے) کے کنارے آباد قدیم شہر ''ترمذ'' کی طرف نسبت کے پیش نظر کہا جاتا ہے، امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ کے شاگرد حافظ ابوالحسن احمد ترمذی (جو امام ترمذی سے پہلے وفات پا چکے تھے)، صاحب ''نوادر الأصول'' حافظ ابوعبداللہ محمد بن علی المعروف ''حکیم ترمذی'' (جن کی وفات امام موصوف کے بعد ہوئی ہے) اور فقیہ ابو جعفر بن محمد بن احمد ترمذی (متوفی ۲۹۵ھ کے بعد) بھی اسی شہر کی جانب منسوب ہیں۔

امام ترمذی ذی الحجہ ۲۰۹ھ میں پیدا ہوئے اور ۱۳ رجب ۲۷۹ھ کو چند ماہ کم ستر برس کی عمر میں وفات پائی، ان کے دادا سورۃ (بسین مہملہ کے فتحہ کے ساتھ) اصلاً ''مرو'' سے تھے، اور لیث بن یسار کے دور میں ''ترمذ'' منتقل ہو کر اسے وطن بنالیا تھا، امام ترمذی عمر کے آخری دور میں کثرت سے رونے کی بنا پر بینائی کھو بیٹھے اور زندگی کے آخری کچھ سال عدم بصارت کے ساتھ گزارے، ایک قول کے مطابق پیدائشی نابینا تھے، لیکن محققین کے ہاں یہ

درست نہیں۔

اساتذہ

امام ترمذی رحمہ اللہ نے (طلب علم کے لیے) طویل اسفار کیے ہیں، بہت سے شہروں کی خاک چھانی اور خراسان، عراق اور حجاز میں مشائخ کی بڑی تعداد سے سماع کیا، ان کے قدیم اساتذہ خراسان اور حجاز کے ہیں، عراقی مشائخ بعد کے دور کے ہیں، چنانچہ امام موصوف نے قتیبہ بن سعید ثقفی (۲۴۰ھ)، ابومصعب احمد بن ابوبکر زہری (متوفی ۲۸۲ھ)، ابراہیم بن عبداللہ بن حاتم ہروی (متوفی ۲۴۴ھ)، اسماعیل بن موسی فزاری اسدی (متوفی ۲۴۵ھ)، سوید بن نصر بن سوید مروزی (متوفی ۲۴۰ھ)، علی بن حجر مروزی (۲۴۴ھ)، محمد بن عبدالملک بن ابوالشوارب (متوفی ۲۴۴ھ)، عبداللہ بن معاویہ جمحی معمر (متوفی ۲۴۳ھ) اوران کے طبقے سے سماع کیا ہے۔

اساتذہ میں سے قتیبہ بن سعید اور علی بن حجر میں آپؒ، امام بخاریؒ کے ساتھ شریک ہیں، اور روایت کے پہلو سے محمد بن بشار (جن کا لقب ''بندار'' ہے)، محمد بن مثنی، زیاد بن یحیی حسانی، عباس بن عبدالعظیم عنبری، ابوسعید بن اشج، عبداللہ بن سعید کندی، ابوحفص عمرو بن علی الفلاس، یعقوب بن ابراہیم دورقی، محمد بن معمر قیسی اور نصر بن علی جہضمی میں امام بخاریؒ، امام مسلمؒ اور امام ابوداوٗدؒ تینوں کے ساتھ شریک ہیں۔

فقہ حدیث امام بخاریؒ سے حاصل کیا، لہٰذا ''فقہ حدیث'' میں امام بخاریؒ آپؒ کے استاذ ہیں، امام ابوداوٗدؒ سے بھی سماع کیا ہے، شاید امام موصوف بغداد گئے، اس لیے کہ تاریخ کبیر میں خطیب بغدادیؒ نے ان کے حالات نہیں لکھے، امام احمدؒ سے روایت بھی ثابت نہیں، شاید ان سے ملاقات ہی نہیں ہوئی، البتہ امام احمدؒ کے طبقے کے دیگر مشائخ سے روایت کرتے ہیں۔

تلامذہ

امام موصوف سے علم حدیث حاصل کرنے والوں میں مکحول بن فضل، محمود بن نمیر،

ان کے صاحب زادے محمد بن محمود نسفی، حماد بن شاکر نسفی، عبد بن محمد نسفی، ہیثم بن کلیب شاشی، احمد بن علی بن حسنویہ، ابو حامد احمد بن عبداللہ مروزی تاجر، احمد بن یوسف نسفی، ابو حارث اسد بن حمدویہ، داؤد بن نسر بزدوی، محمد بن مکی بن فوج، محمد بن سفیان بن نضر، محمد بن منذر بن سعید ہروی اور ابو عباس محمد بن احمد بن محبوب محبوبی ہیں، آخر الذکر جامع الترمذی کے راوی، مرو کے محدث، شیخ اور رئیس ہیں، امام بخاریؒ نے بھی امام ترمذی سے دو حدیثیں سنیں، جو جامع ترمذی میں مذکور ہیں:

① کتاب الطہارۃ میں حضرت ابو سعید خدریؓ کی روایت۔

② سورہ حشر کی تفسیر میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت۔

ان دونوں حدیثوں کے بعد امام ترمذیؒ لکھتے ہیں:

"سمع منی محمد بن اسماعیل هذا الحدیث"

(یہ حدیث امام محمد بن اسماعیل بخاریؒ نے مجھ سے سنی ہے)۔

بلاشبہ امام بخاریؒ جیسے امیر المؤمنین فی الحدیث کا سماع ان کے لیے عظیم سرمایۂ افتخار ہے۔

ائمہ کے تعریفی کلمات

کتاب الثقات میں امام ابن حبانؒ امام ترمذیؒ کا تذکرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"کان ممن جمع و صنف و حفظ"

(انہوں نے ذخیرہ حدیث کو جمع کیا، کتابیں ترتیب دیں، اور یوں احادیث کو محفوظ کیا)۔

امام حاکم ابو احمد فرماتے ہیں: "میں نے عمران بن علان کو کہتے سنا ہے کہ امام محمد بن اسماعیل بخاریؒ نے اپنے انتقال کے وقت خراسان میں علم و تقوی کے اعتبار سے امام ابو عیسی ترمذیؒ جیسا کوئی شخص نہیں چھوڑا، وہ اتنا روتے تھے کہ بینائی کھو بیٹھے"۔

نصر بن محمد شیر کوہی کا بیان ہے: "میں نے امام محمد بن عیسی ترمذیؒ کو یہ کہتے سنا کہ امام

محمد بن اسماعیل بخاریؒ نے مجھ سے فرمایا:

"ما انتفعت بك أكثر مما انتفعت بي"

(مجھ سے تمہارے استفادے سے زیادہ میں نے تم سے فائدہ اٹھایا ہے)"۔

یہ امام بخاریؒ جیسی شخصیت کی جانب سے اپنے ایک شاگرد کے حق میں ایک انتہائی بلند مرتبہ تعریفی جملہ ہے۔ غالبًا امام ترمذیؒ کی ذہانت اور بیدار مغزی کی بنا پر یوں کہا ہوگا، اس لیے کہ ذہین شاگرد سے بسا اوقات خود استاذ کو علمی فائدہ ہوتا ہے۔

حافظ ذہبیؒ میزان الاعتدال میں لکھتے ہیں: "بلند پایہ حافظ ابوعیسی ترمذیؒ صاحب "جامع" متفقہ طور پر ثقہ ہیں"۔ ابومحمد بن حزم نے "کتاب الایصال" کے "فرائض" میں جو لکھا ہے کہ ترمذی مجہول ہیں، ان کے اس قول کی طرف چنداں التفات نہیں کیا جائے گا، اس لیے کہ نہ تو وہ امام ترمذی کو جانتے تھے، اور نہ ہی جامع ترمذی اور کتاب العلل سے واقف تھے۔

حافظ ذہبیؒ "سیر اعلام النبلاء" (مخطوط) میں یوں رقم طراز ہیں:

"ابن حزم نے سنن ابن ماجہ اور جامع ابوعیسی ترمذی کا ذکر نہیں کیا، اس لیے کہ انہوں نے یہ دونوں کتابیں دیکھی ہی نہیں، اندلس میں یہ کتابیں ان کی وفات کے بعد آئی تھیں"۔

ابن اثیرؒ اپنی تاریخ میں لکھتے ہیں: "وہ امام اور حافظ حدیث تھے، ان کی بہت عمدہ تصانیف ہیں، جن میں سے "الجامع الکبیر" سب سے بہترین کتاب ہے"۔

امام سمعانی "الانساب" میں لکھتے ہیں: اپنے دور کے بے مثال امام، صاحب تصانیف... ان ائمہ میں سے ہیں جو علم حدیث میں مقتدا کی حیثیت رکھتے ہیں۔

حافظ ابوالحجاج مزیؒ "تہذیب الکمال" میں رقم طراز ہیں: "ان ممتاز ونمایاں حفاظ حدیث میں سے ایک، جن کے ذریعے اللہ تعالی نے مسلمانوں کو نفع پہنچایا"۔

(معروف مؤرخ ومحدث) ابن کثیرؒ اپنی تاریخ میں لکھتے ہیں: "وہ اپنے دور میں علم حدیث کے ایک امام تھے"۔

ابن حزم نے المحلی میں لکھا ہے کہ: "محمد بن عیسی بن سورۃ کون شخص ہے"؟! لیکن

ان کی یہ ناواقفیت امام ترمذیؒ کے لیے مضر ہے، نہ اہل علم کے ہاں ان کے مرتبے کو گراتی ہے، بلکہ اس کی بنا پر حفاظ حدیث کے نزدیک خود ابن حزمؒ کا درجہ گھٹ گیا ہے۔

ابو یعلی خلیلی قزوینی علوم الحدیث میں لکھتے ہیں: ''امام ترمذی امانت، امامت اور علم میں معروف و مشہور ہیں''۔

حافظہ

ابن عمادؒ نے شذرات الذہب (۲: ۱۷۴) میں لکھا ہے: ''وہ اپنے ہم عصروں میں ممتاز اور حفظ و اتقان میں (خدا کی) ایک نشانی تھے''۔

حافظ ابو الفضل مقدسی شروط الائمہ (ص: ۱۷) میں ابو سعید ادریسی سے نقل کرتے ہیں کہ: ''امام ترمذیؒ کا حافظہ ضرب المثل تھا''۔

حافظ مقدسی نے شروط الائمہ میں، حافظ ذہبی نے طبقات میں اور حافظ ابن حجر رحمہم اللہ نے تہذیب التہذیب میں الفاظ کے قدرے اختلاف کے ساتھ امام ابو عیسی ترمذیؒ کے متعلق لکھا ہے، امام موصوف کا بیان ہے کہ: ''میں مکہ کے راستے میں تھا، ایک شیخ کی احادیث کے دو جزء میں نے لکھ رکھے تھے، راہ میں وہی شیخ ہمارے قریب سے گزرے تو میں نے ان کے بارے میں لوگوں سے پوچھ گچھ کی، بتایا گیا کہ فلاں شیخ ہیں، چنانچہ میں ان کی خدمت میں حاضر ہوا، خیال تھا کہ وہ دو جزء میرے پاس ہی ہیں، حالانکہ میں نے کجاوے میں ان کی بجائے دو اور جزء اٹھا رکھے تھے، ملاقات ہوئی تو میں نے سماع کی اجازت چاہی، شیخ نے قبول کر لی اور اپنے حافظے سے احادیث کی قراءت شروع کی، اچانک ان کی نظر مجھ پر پڑی تو میرے ہاتھ میں سادہ کاغذ تھے، وہ غصے میں کہنے لگے: شرم نہیں آتی؟! میں نے پورا قصہ کہہ ڈالا اور عرض کیا کہ: مجھے آپ کا سنایا سب یاد ہے، فرمانے لگے: چلو پڑھو! میں نے بالترتیب ساری احادیث سنا دیں، کہنے لگے کہ میرے پاس آنے سے پہلے یاد کر لی ہوں گی، عرض کیا، نہیں، چلئے! آپ مزید احادیث سنا دیجیے، چنانچہ انہوں نے اپنے محفوظ ذخیرے میں سے چالیس غریب احادیث سنائیں اور کہنے لگے: اب سناؤ! میں نے اول تا آخر وہ احادیث بھی

ویسے ہی سنا دیں، جیسے انہوں نے پڑھی تھیں اور ایک حرف میں بھی غلطی نہ کی، وہ فرمانے لگے: میں نے تم جیسا شخص نہیں دیکھا۔

تالیفات اور جامع ترمذی کی خصوصیات

مؤرخین کا بیان ہے کہ امام ترمذیؒ عمدہ تصانیف کے مالک ہیں۔ بعض نے لکھا ہے کہ علم حدیث میں ان کی بہت سی تصانیف ہیں، لیکن درج ذیل کتب کے نام خاص طور پر قابل ذکر ہیں:

① الجامع فی السنن
② شمائل الترمذی
③ العلل الصغری
یہ تین کتابیں روئے زمین کے مشرق و مغرب میں معروف ہیں۔
④ العلل الکبری
⑤ کتاب الزہد
⑥ کتاب التفسیر
⑦ کتاب التاریخ
⑧ کتاب الاسماء والکنی

جامع ترمذیؒ ان چھ امہاتِ کتب میں سے ہے جن پر اسلام کا مدار ہے، امام ابن کثیرؒ تاریخ میں رقم طراز ہیں: ''ابن نقطہ نے التقیید میں امام ترمذی کا قول نقل کیا ہے: میں نے یہ مسند صحیح تصنیف کر کے علمائے حجاز کے سامنے پیش کی تو انہوں نے اسے پسند کیا، علمائے عراق کو دکھائی تو انہیں بھی پسند آئی، علمائے خراسان کے پاس لے گیا، انہوں نے بھی پسندیدگی کی نظر سے دیکھا، جس گھر میں یہ کتاب ہو تو گویا اس میں نبی ناطق موجود ہے، ذہبی وابن حجر رحمہا اللہ نے بھی اختصار کے ساتھ یہ کلام نقل کیا ہے۔

ابن کثیر اور مقدسی نے ابو اسماعیل عبداللہ بن محمد انصاری سے نقل کیا ہے کہ امام

ترمذیؒ کی کتاب میرے نزدیک امام بخاریؒ اور امام مسلمؒ کی کتابوں سے زیادہ مفید ہے، اس لیے کہ بخاری ومسلم کی کتابوں کے فوائد سے وہی واقف ہوسکتا ہے جو تبحر اور علم حدیث کی معرفت تامہ رکھتا ہو، جب کہ امام ترمذیؒ نے اپنی احادیث کی شرح وتوضیح بھی کی ہے، اس لیے فقہاومحدثین اور عام لوگوں کی بھی اس تک رسائی ہے۔

محدث وحافظ ابن اثیرؒ کا کہنا ہے: ''ترمذی میں وہ خصوصیات ہیں جو دیگر کتب میں نہیں مثلاً مذاہب فقہا کا ذکر، وجوہ استدلال، حدیث کی انواع واقسام مثلاً صحیح، حسن اور غریب وغیرہ، کا بیان''۔

صاحب مفتاح السعادۃ لکھتے ہیں: ''امام ترمذیؒ کی کتابِ صحیح، سب سے زیادہ خوبیوں والی اور مفید تر ہے، نیز عمدہ ترتیب کے ساتھ کم سے کم تکرار پر مشتمل ہے اور اس میں ایسی امتیازی خصوصیات ہیں جو دیگر کتب میں نہیں، مثلاً مذاہب کا بیان، وجوہ استدلال کا ذکر، اقسامِ حدیث صحیح، حسن وغریب کا بیان، اور جرح وتعدیل وغیرہ۔ آخر میں کتاب العلل ہے، جس میں فوائد جمع کر دیے گئے ہیں، جن کی اہمیت واقفین سے مخفی نہیں ہے''۔

حافظ مقدسیؒ شروط الائمہ میں لکھتے ہیں: ''امام ترمذیؒ کی کتاب (احادیث کی) چار اقسام پر مشتمل ہے:

① قطعی صحیح احادیث: یہ وہ روایات ہیں جن میں امام موصوف نے امام بخاری اور امام مسلم کی موافقت کی ہے۔

② وہ روایات جو ائمہ شیخین کے علاوہ باقی تین ائمہ کی شرط پر ہیں۔

③ وہ احادیث جن کی تخریج بطور تقابل کی گئی ہے اور ان کی علتیں بھی بیان کر دی گئی ہیں۔

④ وہ روایات جنہیں امام ترمذی کی دریافت کہا جا سکتا ہے۔ چنانچہ امام موصوف کا کہنا ہے کہ: میں نے اپنی کتاب میں انہی احادیث کی تخریج کی ہے، جن پر فقہا کا عمل ہے''۔

امام قاضی ابوبکر بن العربیؒ ''عارضۃ الاحوذی'' میں امام ترمذیؒ کی کتاب کی

تعریف کے ضمن میں رقم طراز ہیں: ''کتب صحاح میں سے حلاوت بیان، نفاست ترتیب اور دل نشیں طرز میں امام ابوعیسی کی کتاب جیسی کتاب کوئی نہیں۔ اس میں چودہ علوم ہیں .... اور یہ کتاب اقرب الی العمل ہے: حدیث کو سنداً لاتے ہیں، صحت وضعف کا حکم لگاتے ہیں، کئی طرق ذکر کرتے ہیں، جرح وتعدیل سے کام لیتے ہیں، اسماء وکنیتیں بیان کرتے ہیں، حدیث کا موصول یا مقطوع ہونا ذکر کرتے ہیں، معمول بہ ومتروک احادیث کی وضاحت کرتے ہیں، رد وقبول کے متعلق علماء کا اختلاف بیان کرتے ہیں، تاویل میں اختلاف علماء کا ذکر کرتے ہیں۔ ان میں سے ہر علم بجائے خود اصل اور منفرد ہے، اسی لیے جامع ترمذی کا پڑھنے والا گویا خوب صورت باغات اور روانی سے بہتے دریاہائے علوم کے درمیان ہوتا ہے، ان خصوصیات کو کثرت علم، خاص توفیق اور فرصت وتدبیر کا کارنامہ ہی قرار دیا جاسکتا ہے''۔

ابوجعفر بن زبیر کا بیان ہے: ''علوم حدیث میں امام ترمذی کا کوئی مقابل نہیں ہے''، صاحب تدریب الراوی نے یہ قول لکھا ہے، محدثین کے مطابق جامع ترمذی کی تمام کتب کی تعداد ایک سو اکیاون (۱۵۱) ہے۔

راقم کہتا ہے: اس کتاب کی خصوصیات سے متعلق قاضی ابوبکر وغیرہ کے کلام اور قوت المغتذی میں علامہ سیوطی نے ابن رشید اور حافظ ابن سید الناس یعمری کا جو بیان نقل کیا ہے اس کی وضاحت کی ضرورت ہے، مزید اضافات اور وضاحت کے ساتھ یہ تفصیل پیش کی جاتی ہے:

بلاشبہ امہاتِ کتب حدیث میں سے ہر کتاب میں ایسی خصوصیات ہیں جو دیگر کتب میں نہیں پائی جاتی ہیں، اسی پہلو سے ہر کتاب ممتاز ہے، ورنہ ہر پہلو سے تمام کتب کا امتیاز نہیں۔ اربابِ صحاح میں سے ہر ایک نے اپنی کتاب میں انفرادیت دکھانے کی کوشش کی ہے اور اسے کامیاب اور مقصد میں موفق قرار دیا ہے، اگرچہ یہ اجمال اپنے پہلوؤں کی تفصیل کے لیے مستقل تالیف کا متقاضی ہے، لیکن میں اس مختصر فرصت میں محض سنن ترمذی کے امتیازات ذکر کرنا چاہتا ہوں، جو سر برآوردہ اہل علم کے کلام میں مذکور خصوصیات کی ایک گونہ وضاحت و

تفصیل کے ساتھ جامع اور کتاب کے خصائص کے متعلق قواعدِ کلیہ کی مانند ہوں:

① امام ترمذی نے اپنی کتاب میں سنن نبویہ کی آٹھوں اقسام جمع کردی ہیں:

۱۔ عقائد واصول دیانت۔

۲۔ احکام شرعیہ، عبادات ومعاملات اور حقوق العباد وغیرہ۔

۳۔ ثابت شدہ روایات کی روشنی میں تفسیرِ قرآن۔

۴۔ آداب واخلاقیات۔

۵۔ سیرت وشمائل نبویہ۔

۶۔ مناقب اصحاب رسول جو دین متین کے حامل تھے۔

۷۔ ابواب تذکیر وموعظت، ترغیب وترہیب وغیرہ جن کو ''رقاق'' کہا جاتا ہے، امام بخاری نے بھی اپنی صحیح میں یہی نام دیا ہے، جب کہ جامع ترمذی میں ''کتاب الزہد'' کا عنوان ہے، میرے نزدیک کتب ستہ میں اس کی کوئی مثال نہیں ہے۔

۸۔ علاماتِ قیامت۔

بہرکیف! امام ترمذی کی کتاب، امہاتِ ستہ میں سے مذکورہ تمام انواع حدیث کی جامع ترین کتاب ہے، اگرچہ ابوابِ مغازی میں امام بخاری کو منفرد امتیاز حاصل ہے۔ امام بخاری اپنی صحیح میں ان تمام اقسام کو جمع کرنے کے پہلو سے امام ترمذی کے شریک ہیں، لیکن امام موصوفؒ کے لیے جمع روایات میں توسع اور موضوع سے متعلق ہر ہر حدیث اور مختلف آثار واخبار کے ذکر کرنے میں صحت کی شرائط میں شدت اور کتاب میں بعض دیگر التزامات حائل ہوگئے ہیں، اسی لیے ان کے ہاں وسیع موضوعات کا دائرہ تنگ ہوگیا، بطور مثال جامع ترمذی سے کتاب الزہد، کتاب الدعوات اور کتاب التفسیر کا صحیح بخاری کی کتاب الرقاق، کتاب الدعوات اور کتاب التفسیر سے موازنہ کیجیے تو میری بات کی دلنشیں دلیل مل جائے گی۔

البتہ ابواب میں توسع، ہر باب کا ترجمہ، اور احادیث وروایات کے ضمن میں دقیق فقہی، اصولی وکلامی مسائل اٹھانا ایسی خصوصیات ہیں، جن سے امام بخاری کی کمال مہارت،

حیرت انگیز بیدار مغزی اور بلندی فکر و نظر ثابت ہوتی ہے۔

④ امام ترمذی نے احادیث پر صحت وحسن اور غرابت وضعف کا حکم لگایا ہے، جو قاری کے لیے انتہائی مفید اور محقق کے لیے نہایت اہم ہے، یہ بجا ہے کہ انہوں نے حکم حدیث میں تساہل سے کام لیا، لیکن پیش نظر رہے کہ یہ ایک امام، حافظ، ثقہ اور جلالت وامامت میں متفقہ شخصیت کی رائے ہے، اور بعض محدثین کی تحقیق کے مطابق ان کی تصحیح، مستدرک میں امام ابو عبد اللہ حاکم کی تصحیح سے فائق ہے اور امام ترمذی کی تحسین حاکم کی تصحیح کے برابر ہے، امام موصوف نے تخریجِ احادیث میں خاص شرائط کا التزام نہیں کیا، لیکن صحت وضعف کے اعتبار سے ہر حدیث کا درجہ بیان کرنے کی بنا پر یہ سقم دور ہو جاتا ہے۔

③ امام ترمذی، مذاہبِ ائمہ اور تعاملِ امت بیان کرتے ہیں، کتاب میں اختلاف فقہا کے بیان نے فقہی اختلافات کے موضوع پر لکھی گئی مستقل کتب سے مستغنی کر دیا ہے، جیسے امام ابو جعفر محمد بن جریر طبری، امام ابو جعفر طحاوی، محمد بن نصر مروزی، محمد بن منذر ابو بکر، محمد بن خزیمہ، ابو زکریا ساجی اور الکیا ہراسی رحمہم اللہ وغیرہ کی کتب جن کے صرف نام ہی ہم نے کتبِ طبقات میں پڑھے ہیں، حدیث روایت کرنے کے بعد مذاہبِ فقہیہ کا بیان کتاب میں انتہائی حسن وجمال پیدا کر دیتا ہے، اس سے امت اور اساطینِ دین کی جانب سے ان حدیثی روایات کی تلقی کا علم ہوتا ہے، قاضی ابو بکر کے (مذکورہ) قول کا یہی مطلب ہے، اس سے کتاب الاسرار میں مذکور کبار ائمہ حنفیہ میں سے امام قاضی ابو زید دبوسیؒ کا یہ بیان واضح ہو جاتا ہے کہ جس مسئلے میں کبار صحابہ رضی اللہ عنہم کا اختلاف ہو اس میں تفقہ (وجوہ ترجیح) حاصل کرنا اور اس اختلاف سے نکلنا (راجح ومرجوح کا تعین) مشکل ہو جاتا ہے، شیخ عبد العزیز بخاریؒ نے کشف الاسرار میں بھی یہی قول نقل کیا ہے۔

بہر کیف! امام ترمذی اپنی اس کتاب میں بیک وقت فقہی احکام اور اختلاف ائمہ کے متعلق لکھی گئی کتابوں سے قریب قریب مستغنی کر دیتے ہیں، اس امتیاز میں ان کا کوئی مقابل نہیں، صحابہ وتابعین کے معمول بہا اور متروکہ مذاہب سے واقفیت ایک نادر ونایاب علم ہے،

متروکہ مذاہب مثلاً امام اہلِ شام امام اوزاعیؒ، ائمہ اہل عراق میں سے امام سفیان ثوریؒ اور ائمہ خراسان میں سے امام اسحاق بن ابراہیم مروزیؒ کے مذاہب سے واقفیت بسا اوقات محض امام ترمذی اور ان کی اس کتاب کے ذریعے ہوتی ہے۔

④ امام ترمذی فقہائے امت کے مذاہب کو دو قسموں میں تقسیم کرتے ہیں، ہر قسم کے لیے الگ باب باندھ کر مسئلے میں مستدل حدیث لاتے ہیں، اس طرح احکام سے متعلق احادیث متعارضہ کو انہوں نے دو بنیادی ابواب میں تقسیم کر دیا ہے، ہمارے شیخ (مولانا محمد انور شاہ کشمیریؒ) اختلاف کی تنقیح کرتے ہوئے پہلی قسم کا نام حجازیین رکھا ہے، مراد امام شافعیؒ و امام مالک ہیں اور دوسری قسم کو عراقیین سے موسوم کیا ہے، اس لیے کہ پہلی نوع میں غالباً امام شافعی اور دوسری میں امام ابوحنیفہ ہوتے ہیں، دوسری قسم سے مراد خاص طور پر امام ابوحنیفہ اور امام احمد نہیں، اس لیے امام احمد کی زیادہ تر موافقت امام شافعی کے ساتھ ہوتی ہے، جیسے امام مالک کی زیادہ تر موافقت امام ابوحنیفہ سے ہے۔ کبھی مذاہب اربعہ سب کے سب دوسری قسم میں جمع ہو جاتے ہیں، جیسے "باب ترك الوضوء مما غيرت النار" میں نظر آتا ہے، امام ترمذی بسا اوقات کسی ایک قسم کی تائید کرتے ہیں، اور فقہی وحدیثی پہلوؤں اور تعامل امت سے اس کو ترجیح دیتے ہیں، یا دونوں کو جمع کر دیتے ہیں، کتاب میں اس جیسی بے شمار مثالیں موجود ہیں۔

⑤ سند میں مذکور اسماء کا ذکر کنیت سے اور کبھی برعکس کرتے ہیں اور اس کا التزام بھی کرتے ہیں، خصوصاً جب کسی اسم میں غموض اور خفا ہو تو وہاں وضاحت کے ساتھ اس کی تفصیل درج کرتے ہیں، علوم اسناد میں سے یہ ایک جداگانہ علم ہے جس پر قدماء میں مستقل تالیفات ملتی ہیں، اس علم میں امام بخاری، امام مسلم، امام ترمذی، امام ابو بشر دولابی رحمہم اللہ اور سرکردہ محدثین کی تالیفات ہیں، دولابی کی عظیم الشان کتاب دائرۃ المعارف ہندوستان سے دو جلدوں میں طبع ہوئی ہے اور اس موضوع پر مفید ترین کتاب ہے۔

⑥ روایات کی تخریج کے بعد جرح وتعدیل کا اضافہ کیا ہے، چونکہ امام ترمذی رحمہ

اللہ نے امام بخاری وامام مسلمؒ اور امام نسائی وامام ابوداؤد رحمہم اللہ کی طرح احادیث کی تخریج میں خاص شرائط کا التزام نہیں کیا، بلکہ بقیہ دیگر محدثین کی بنسبت توسع کا مظاہرہ کیا ہے، اس لیے صحت وضعف کے اعتبار سے حدیث کا درجہ بیان کر کے اور رجال سے متعلق محدثین کی فنی مہارت کے پہلو سے کلام کے ذریعے اس کی تلافی کی ہے، ایک محقق کی ضروریات میں سے یہ ایک اہم باب ہے، امام بخاری وامام مسلم وغیرہ سے حافظ ذہبیؒ، حافظ ابن حجرؒ اور امام سیوطیؒ کے عہد تک ائمہ محدثین کی ثقات، ضعفاء، مدلسین اور مجاہیل وغیرہ مختلف اقسام پر بہت سی کتابیں ہیں۔

⑦ بسا اوقات ابواب میں احادیث روایت کرنے کے بعد نہایت عمدہ حدیثی مباحث اور اسنادی فوائد لاتے ہیں جو کسی اور کے ہاں نہیں ملتے، مثلاً: وصل وارسال، وقف ورفع، راوی کا صحابی یا تابعی ہونا، وغیرہ علوم علل حدیث، ان علوم میں ان کی مستحکم آراء ہیں، جو بعض اوقات ان کے مشائخ امام بخاری وغیرہ کی آراء سے متصادم بھی ہوتی ہیں، اور امام انہیں مضبوط دلیل سے ترجیح بھی دیتے ہیں، بعض مشکل مسائل میں امام بخاری کی آراء کو بھی لیتے ہیں، یہ مباحث دیگر محدثین کی تصانیف میں مذکور اعتبارات وشہادات وغیرہ علوم وآدابِ محدثین کی تلافی کرتے ہیں۔

⑧ امام ترمذیؒ اکثر ابواب میں خصوصاً احادیثِ احکام میں کسی ایک حدیث پر ایک ہی سند سے اکتفا کرتے ہیں، حدیث کے بقیہ طرق یا باب کی دیگر روایات ذکر نہیں کرتے، اس لیے ان کی کتاب میں احادیث احکام کا ذخیرہ کم ہے، لیکن وہ اس موضوع یا متن کے مناسب دیگر روایات کو نقل کرنے والے صحابہ کے ناموں کی طرف اشارہ کر کے اس کی تلافی کر دیتے ہیں، جس سے اس حدیث یا اس موضوع پر روایات کرنے والے صحابہ کی تعداد معلوم ہو جاتی ہے، یہ ایسی خصوصیت ہے کہ جسے سر برآوردہ نقاد محدثین کی نظر میں انتہائی اہمیت حاصل ہے۔ ان کی کتاب کا یہ منفرد امتیاز بیک وقت قدیم اذواق اور جدید افکار کے لیے اطمینان بخش ہے، چنانچہ امام موصوف تقریباً ہر باب میں اپنی منتخب روایات نقل کرنے کے بعد لکھتے ہیں:

"وفی الباب عن فلان و فلان" اور اس پہلو سے حیرت انگیز استیعاب سے کام لیتے ہیں، بسا اوقات محقق کو ان احادیث کی تخریج کے لیے کئی ضخیم جلدوں اور ہزاروں صفحات کی ورق گردانی کی ضرورت پڑتی ہے، اور مقصود پھر بھی ہاتھ نہیں آتا۔

"فی الباب" کی روایات کی تخریج کے متعلق "اللباب" کے نام سے حافظ ابن حجر عسقلانیؒ کی مستقل تالیف ہے، شرح ترمذی میں اس کا تذکرہ کرتے ہوئے امام سیوطیؒ نے لکھا ہے کہ مجھے نہیں مل پائی۔

راقم کہتا ہے: افسوس کہ حرمین وقاہرہ کے کتب خانوں اور آستانہ (ترکی) کے خزانوں میں بسیار تلاش کے باوجود مجھے بھی یہ کتاب نہیں مل سکی، حافظ عسقلانیؒ سے قبل ان کے شیخ عراقیؒ بھی "فی الباب" کی تخریج پر کام کر چکے تھے، انہوں نے "النکت علی ابن الصلاح" میں اس کا ذکر کیا ہے، شاید امام عسقلانیؒ نے اپنے شیخ عراقیؒ کے نقشِ قدم پر چلتے ہوئے انہی کی کتاب کی تلخیص یا اس پر استدراک لکھا ہے، افسوس کہ شیخ عراقیؒ کی کتاب بھی دستیاب نہیں ہو پائی، ناظرین سے امید ہے کہ کسی کو کسی اسلامی کتب خانے میں یہ دونوں یا ان میں سے کوئی ایک کتاب دستیاب ہو تو مطلع کریں گے، خواہ کسی شخصی کتب خانے ہی میں ہو۔

حافظ ابن سید الناس یعمریؒ اور شیخ عراقیؒ نے اپنی شرحوں میں "فی الباب" کی تخریج کا التزام کیا ہے۔ الحمد للہ میں نے اس کی تخریج میں ایک مستقل کتاب لکھنے کا آغاز کر دیا ہے، بعض اہم امور کی رعایت رکھتے ہوئے ایک حصے کی تالیف کر چکا ہوں، اگر اسی اسلوب پر میرا یہ کام پایہ تکمیل تک پہنچ گیا تو امید ہے کہ اہل فضل وکمال کے ہاں اس کی علمی قدر و قیمت ہوگی۔

⑨ بعض اوقات امام ترمذیؒ خود اپنی طرف سے یا دیگر ائمہ فن کے کلام سے مشکل احادیث کی تاویل وتفسیر بیان کرتے ہیں، مثلاً: کتاب الزکوۃ کے "باب فضل الصدقة" میں حضرت ابو ہریرہؓ کی مرفوع روایت ہے "اللہ تعالی صدقہ کو قبول فرماتے ہیں اور اسے اپنے دائیں ہاتھ سے لیتے ہیں" الخ، امام ترمذیؒ یہ روایت نقل کر کے لکھتے ہیں: "اس حدیث اور صفاتِ باری تعالی اور ہر رات آسمان دنیا پر نزول کے متعلق اس جیسی دیگر روایات کے متعلق

بہت سے اہل علم فرماتے ہیں: یہ روایات ثابت شدہ ہیں، ان پر بلا شبہ ایمان لایا جائے گا، لیکن کیفیت کے بارے میں سوال نہیں کیا جائے گا۔ امام مالک بن انسؒ، سفیان بن عیینہؒ اور عبداللہ بن مبارکؒ سے مروی ہے کہ وہ ان احادیث کے متعلق فرماتے تھے: ان احادیث میں موجود صفات کو بلا کیفیت وتشریح ہی رکھا جائے، اہل سنت والجماعت کے اہل علم کا یہی قول ہے۔" الخ

⑩ امام ترمذیؒ ابواب میں لوگوں کے درمیان معروف ومشہور صحیح احادیث کی بجائے غریب احادیث لاتے ہیں اور پھر باب کی دیگر روایات کی جانب اشارہ کر دیتے ہیں، یہ کوئی عیب کی بات نہیں ہے۔ محقق کوثریؒ، امام حازمیؒ کی شروط الائمہ پر اپنی تعلیقات میں لکھتے ہیں: "امام ترمذیؒ احادیث کی علتیں اور صحیح سند بیان کرتے ہیں، ان کا مقصود علل کا ذکر کرنا ہے، اسی لیے امام نسائیؒ جب طرقِ حدیث کا احاطہ کرتے ہیں تو (اپنی تحقیق کی رو سے) غلط طریق سے ابتدا کرتے ہیں، پھر اس کے مخالف درست طریق ذکر کرتے ہیں۔"

حافظ ابن رجب حنبلیؒ شرح علل الترمذی میں لکھتے ہیں: "جان لیجیے کہ امام ترمذیؒ نے اپنی کتاب میں صحیح احادیث اور حسن روایات ذکر کی ہیں، جو حدیث صحیح سے کم درجے کی اور ایک گونہ ضعف پر مشتمل ہوتی ہیں، اسی طرح امام موصوف حدیث غریب بھی لاتے ہیں، انہوں نے جو غریب روایات خصوصاً کتاب الفضائل میں بیان کی ہیں، ان میں سے بعض منکر ہیں، لیکن عام طور پر وہ ان کا حکم بیان کر دیتے ہیں، سکوت نہیں فرماتے، میرے علم کے مطابق انہوں نے کسی متفقہ طور پر متہم بالکذب روایت سے مفرد سند کے ساتھ کوئی روایت نہیں لائی، البتہ کبھی کئی طرق سے مروی روایت یا ایسی روایت لاتے ہیں جس کی سند مختلف فیہ ہو اور بعض طرق میں متہم راوی موجود ہو، کبھی کمزور حافظے والے اور ایسے راوی کی روایت بھی لاتے ہیں جس کی احادیث پر وہم غالب ہو، اور عموماً اس کا حال بیان بھی کرتے ہیں، سکوت نہیں فرماتے، اس طبقے کے بہت سے راویوں سے روایات کی تخریج کرنے میں امام ابوداؤدؒ بھی ان کے شریک ہیں۔ لیکن وہ سکوت کر لیتے ہیں، جیسے: اسحاق بن ابی فروہ وغیرہ۔" آگے لکھتے ہیں: "امام ترمذیؒ ثقہ وضابط اور کثیر الوہم راویوں سے روایات نقل کرتے ہیں، اور جس راوی

پر وہم غالب ہو اس کی احادیث بہت کم نقل کرتے ہیں، اور اس کا ذکر بھی کر دیتے ہیں، سکوت نہیں کرتے۔"

حافظ ابو الفضل محمد بن طاہر مقدسی، "شروط الائمة الستة" میں رقم طراز ہیں: "امام ترمذیؒ کا طریقہ یہ ہے کہ وہ باب کا عنوان قائم کرتے ہیں، جس میں کسی صحابی سے صحیح طریق سے روایت مشہور ہو، اور ان صحابی کی روایات کتب صحاح میں تخریج کی گئی ہوں تو وہ باب میں وہ حکم دوسرے صحابی کی حدیث سے لاتے ہیں، جس کی حدیث انہوں نے نقل کی ہو اور نہ ہی اس کا طریق پہلے طریق کی طرح ہو، اگرچہ حکم صحیح ہو، پھر اس کے بعد یوں کہتے ہیں: "اس باب میں فلاں فلاں کی روایات بھی ہیں" اور ان میں ایک جماعت کا ذکر کرتے ہیں جن میں وہ مشہور صحابی بھی ہو، اور سوائے چند ابواب کے بہت کم اس اسلوب کو اختیار کرتے ہیں"۔

امام ابو بکر حازمیؒ، شروط الائمہ میں تحریر فرماتے ہیں: "جب حدیث ضعیف ہو یا طبقہ رابعہ کی حدیث ہو تو اس کے ضعف پر تنبیہ کر دیتے ہیں اور ان کے نزدیک وہ روایت شواہد و متابعات کے باب میں شمار ہوتی ہے، ان کا اعتماد جماعت محدثین کے ہاں صحیح روایت پر ہوتا ہے۔"

راقم کہتا ہے: یہ اس جامع کتاب کی وہ خصوصیات و امتیازات ہیں، یعنی فقہ مذاہب، بیان علل احادیث، اسماء رجال و جرح و تعدیل، اصول اور مصطلحات حدیث کے اہم مسائل، احادیث کے مراتب پر تنبیہ، اس موضوع سے متعلق دیگر صحابہ کی روایات کی جانب اشارات، مشکل احادیث کی توجیہات کا بیان، تراجم ابواب میں توسع، ایک روایت پر اکتفا کرنے میں عمدہ تلخیص تاکہ ضبط آسان ہو، اور ان کے علاوہ دیگر امتیازات جو اصحاب امہات میں سے کسی اور کے ہاں نہیں ملتے۔

تنبیہ

امام ابو عیسی ترمذیؒ نے اپنی کتاب میں صراحتاً نہ امام ابو حنیفہؒ کا مذہب ذکر کیا ہے اور نہ ان کا نام لیا ہے، بلکہ اہل کوفہ کا مذہب ذکر کرتے ہیں، جن کے ساتھ بسا اوقات امام ابو حنیفہؒ

بھی ہوتے ہیں، اس کے دوسبب ہیں:

پہلا سبب: امام ابوحنیفہؒ کا مذہب، معتمد سند سے ان تک نہیں پہنچا، جیسے ان کو امام شافعیؒ کا مذہب قدیم ابوالحسن زعفرانیؒ کی روایت سے پہنچا ہے، یہ بات ہمارے شیخ امام العصر کشمیریؒ نے کہی ہے۔

دوسرا سبب: ممکن ہے کہ فقہ حدیث میں اپنے شیخ امام بخاریؒ سے متاثر ہونے کی بنا پر ان کے قلبی میلان میں تغیر آ گیا ہو، اس لیے ہر باب میں امام ابوحنیفہؒ کا ذکر کرنے کا جی نہ ہوا، اور اس میں کوئی شبہ نہیں کہ ان کے شیخ امام بخاریؒ اپنے شیخ امام خراسان اسحاق بن راہویہؒ سے متاثر تھے، اور ان کے مزاج میں اپنے شیخ عبدالرحمن بن مہدی کی بنا پر امام ابوحنیفہؒ سے ایک گونہ انحراف تھا، اس لیے کہ ان کے شیخ امام سفیان ثوریؒ اور امام ابوحنیفہؒ کے درمیان معاصرانہ چشمک تھی، جس سے انبیائے کرام علیہم السلام کے علاوہ کوئی بھی محفوظ نہیں رہا۔

امام ترمذیؒ کا فقہی مذہب

یہ حقیقت واضح ہے کہ امہاتِ ستہ کے مصنفین کے دور کی آمد تک اسلامی ممالک میں مسلمان، ائمہ متبوعین کے مذاہب کی طرف مائل ہو چکے تھے، اور ہر ایک اپنے ماحول اور ان مشائخ سے متاثر ہو چکا تھا جن سے اس نے استفادہ کیا تھا، شیخ سے ذوقی موافقت ہونے کی صورت میں ان کے آراء وافکار میں بھی رنگ جاتے تھے، لہٰذا فطری بات ہے کہ ان امور سے متعلق تالیف میں شیخ کی آراء اپنے جوبن پر ہوں گی، اس لیے کہ وہ محدث ہونے کے ساتھ ساتھ فقیہ اور عالم ہونے سے قبل ایک مسلک پر عامل تھے اور آدمی جتنا بھی بلند مرتبہ ہو جائے، گردوپیش کے آثار اس میں واضح رہتے ہیں اور وہ ان اثرات سے کلی طور محفوظ نہیں ہو سکتا الا ماشاء اللہ۔ پھر مخصوص احوال اور طبعی اذواق بھی مختلف ہوتے ہیں، اور جب کسی امام سے قلبی بعد پیدا ہو جائے تو ان کے خاص ذوق کے ادراک اور مقصود کے احاطے سے دل میں حجاب پیدا ہو جاتا ہے اور ان بشری و طبعی تقاضوں سے کوئی انسان بھی خالی نہیں ہے، لہٰذا امام بخاریؒ کمالات میں کتنی بھی بلند چوٹی کو پہنچ جائیں، اپنے شیوخ اور ان کے طبقے کے لوگوں سے

متاثر ہونا بعید از قیاس نہیں، پھر لامحالہ وہ کوئی کتاب تالیف کریں گے تو اپنے تئیں جس رائے کو درست یا کم از کم جس کو زیادہ حق واولی سمجھتے ہوں گے اسی کی تائید کریں گے، دیگر محدثین کرام صحاح وسنن کے مصنفین کا بھی یہی حال ہے۔

امام بخاریؒ جب کسی مسئلے کی مؤید روایات میں سے دیگر کو ترک کر کے کسی ایک حدیث کو منتخب کرتے ہیں تو معلوم ہوا کہ ان کے نزدیک وہ روایت دیگر کی بنسبت قوی ہے، بہر کیف روایات میں سے کسی روایت کے انتخاب کی کوئی وجہ ہونا ضروری ہے، اور ان کی رائے اوروں پر حجت نہیں، بلکہ ہر ایک کا اپنا نقطہ نظر ہوتا ہے۔

مذکورہ تفصیل کے واضح ہونے کے بعد ہم کہتے ہیں: ان ثقہ محدثین اور ماہر و پختہ علم علما کے سامنے بھی قرآن کریم کی عام و واضح تصریحات تھیں، ان کے سامنے بھی احادیث رسول صلی اللہ علیہ وسلم اور آثار صحابہ کرام رضی اللہ عنہم تھے، ان میں سے اکثر اصحابِ فطانت وذکاوت تھے، انہیں ائمہ متبوعین اور عام تابعین کی تقلید کی چنداں ضرورت نہ تھی، وہ محض ایسے دقیق فروعات اور مشکل مسائل میں ان تابعین وتبع تابعین کے محتاج تھے، جو قرآن وسنت میں صراحتاً مذکور نہیں ہیں، ایسے مسائل میں بصیرت کے ساتھ اپنے مدارکِ علم اور رد وقبول کے مراتب کے تفاوت کے اعتبار سے اپنے ذوق کے موافق امام کی اتباع کیا کرتے تھے، بلاشبہ امام بخاریؒ اور امام ابو داؤدؒ کو فقہ واجتہاد میں جو مقام اور کمال حاصل ہے وہ امام مسلمؒ اور امام ترمذیؒ کو حاصل نہیں اور امام ترمذیؒ کو جیسی مہارت ہے امام نسائیؒ وامام ابن ماجہؒ کو میسر نہیں، اسی طرح اتباع کے پہلو سے بھی ان کے مراتب جداگانہ ہیں، بلاشبہ ائمہ مجتہدین ومتبوعین کے مدارک تمام محدثین کے ادراک سے بالاتر ہیں۔ امام مالکؒ، امام شافعیؒ، امام احمدؒ اور امام ابوحنیفہؒ کے متعلق ابن ابی ذئبؒ، یحیی بن معینؒ، کرابیسیؒ اور دیگر فقہا محدثین وغیرہ کے کلام کا سبب اکثر وبیشتر ان ائمہ کے مراتب کی ناقدری یا ان کے مدارک کی معرفت سے ناواقفیت یا اختلاف اذواق ہے، مجتہد کے وظیفے کا ادراک اسی جیسا مجتہد ہی کرسکتا ہے، امام اعمشؒ اور سلیمان بن مہران کاہلی کوفیؒ ایک مسئلے میں حیرت زدہ رہ گئے تو امام ابو یوسفؒ نے انہی سے

روایت کردہ حدیث کی روشنی میں جواب دے دیا، اسی طرح ایک اور مشکل مسئلے میں امام اعمشؒ خاموش رہ گئے تھے، اور امام ابوحنیفہؒ نے ایک ایسی حدیث سے استدلال کر کے جواب پیش کر دیا، جو خود اعمش کو بھی معلوم تھی، ان دونوں مواقع پر امام اعمشؒ نے جو بات کہی تھی وہ حافظ ابوعمرو بن عبد البر قرطبیؒ کی جامع بیان العلم میں مذکور ہے، "يا معشر الفقهاء أنتم الأطباء ونحن الصيادلة" اے فقہا کی جماعت! تم طبیب ہو اور ہم پنساری!۔

سنن دار قطنی میں سند کے ساتھ عبد الواحد بن زیاد سے منقول ہے، کہتے ہیں کہ میں نے امام ابوحنیفہؒ سے عرض کیا: آپ نے یہ مسئلہ کہاں سے اخذ کیا ہے کہ کوئی شخص بلا اجازت کسی کے مال میں تصرف کرے تو وہ نفع کو صدقہ کرے گا؟ امام صاحبؒ نے فرمایا: یہ مسئلہ عاصم بن کلیب کی حدیث سے اخذ کیا ہے، اسی جیسے سینکڑوں واقعات، مدارکِ اجتہاد کی دقت اور مجتہدین کے مبلغِ علم کی وسعت کی دلیل ہیں، ان سے معلوم ہوتا ہے کہ ان فقہا کے ہاں ایسی باتیں واضح تھیں جو بہت سے محدثین پر مخفی رہیں، بہت سے لوگوں کی بدگمانی کا سبب مجتہدین کے دلائل سے ناواقفیت ہے، اس لیے کہ مجتہدین کے دلائل اور نصوص سے استنباط کے طرق ویسے منقول نہیں جیسے ان سے مسائل نقل کیے گئے ہیں، "رفع الملام عن الأئمة الأعلام" میں امام ابن تیمیہؒ کا کلام اسی طرف مشیر ہے۔

لہٰذا جن اہل علم نے بھی کہا ہے کہ امام بخاریؒ کا فلاں فقہی مذہب ہے اور امام ابوداؤدؒ کا فلاں مذہب، یہ اسی قبیل کی بات ہے، یہ ائمہ کی روایات کے متعلق وسیع علم کے باوجود ان جہابذہ محدثین کی اتباع سے مستغنی نہ تھے، جب امام ابو یوسفؒ، امام لیث بن سعدؒ، امام وکیعؒ، امام یحیی بن سعید قطانؒ اور امام یحیی بن معینؒ جیسے ائمہ امام ابوحنیفہؒ سے مستغنی نہیں تو ان اصحابِ ستہ کے متعلق آپ کا کیا گمان ہے؟! یہ ائمہ مجتہدین کی اتباع سے کیسے مستغنی ہو سکتے ہیں؟! البتہ یہ اتباع ایسے نئے پیش آمدہ مشکل ودقیق مسائل میں تھی، جن تک امام ابوحنیفہؒ وامام شافعیؒ جیسے مجتہدین ہی کی رسائی تھی۔

جب امام بخاریؒ جیسا شخص بلند مرتبہ کے باوجود اپنے استاذ اسحاق بن راہویہؒ،

حمیدیؒ، کرابیسیؒ، ابوثورؒ، اور زعفرانیؒ کی آراء کی پیروی کرتے ہیں یا بعض مسائل میں امام شافعیؒ کی موافقت کرتے ہیں تو لامحالہ امام ابوعیسی ترمذیؒ بھی ان ائمہ کے مذاہب میں کسی مذہب کے متبع ہوں گے اور چند مسائل میں ان کا شذوذ باقی میں اتباع سے خارج نہیں کرتا، یہ محدثین اگرچہ مجتہدین فی المسائل تھے، لیکن دیگر مسائل میں وہ ائمہ کے متبعین بھی تھے، نیز مسائل میں ان کا اجتہاد ان سربرآوردہ اہل علم کے اصول اجتہاد کے تابع تھا، مثلاً تنقیحِ مناط، تخریجِ مناط، یا تحقیق مناط میں ان کا انتخاب یا بعض کو معتبر قرار دینا اور بعض کا اعتبار نہ کرنا اور اس جیسے دقیق اصول جن پر غیر منصوص احکام میں استنباط کا مدار ہے، یہاں منطقی و عقلی فرضی احتمالات سے نہیں، امرِ واقع سے بحث ہے، نیز عقلی و فرضی امکان و تجویز کی نہیں واقعی حقائق کی جستجو ہے، دین کے غیر منصوص امور میں سے ہر ایک میں اجتہادِ مطلق کا کمال، امت کی ممتاز شخصیات اور ان ائمہ کا خاصہ ہے جو علمی امتیاز اور دینی خدمت کے لیے پیدا ہوتے ہیں، اور وہ مشکل و دقیق مسائل کی اندھیریوں میں ستاروں کی مانند چمکتے نظر آتے ہیں، دین کا ہر حریص ان کے پہلو میں ٹھکانہ ڈھونڈتا ہے، یہ ایک طویل بحث ہے، جس کی گہرائی میں ہم نہیں جانا چاہتے ہیں، ان اشارات پر ہی اکتفا کر لیتے ہیں، واللہ یقول الحق وھو یھدی السبیل۔

مذکورہ تفصیل کی روشنی میں ہم کہتے ہیں: امام ابوعیسی ترمذی رحمہ اللہ کے متعلق آراء مختلف ہیں، "الانصاف" میں شاہ ولی اللہ دہلویؒ نے ذکر کیا ہے: "امام ابوداودؒ، اور امام ترمذیؒ دونوں مجتہد منتسب الی احمد و اسحاق ہیں، اور امام ابن ماجہؒ اور امام دارمیؒ بھی ہمارے خیال میں مجتہد منتسب ہیں۔"

اس کی تائید اس بات سے ہوتی ہے کہ امام ترمذیؒ التزام کے ساتھ صراحتاً صرف انہی دو ائمہ کا مذہب ہی ذکر کرتے ہیں، اور میں نے جامع الترمذی میں ان دونوں کے کلام پر نقد نہیں دیکھا، حالانکہ کتاب میں امام شافعیؒ وغیرہ پر رد ملتا ہے، یہی وجہ ہے کہ تاج الدین سبکیؒ نے طبقات الشافعیۃ میں امام ترمذیؒ کا ذکر نہیں کیا، حالانکہ وہ ہر اس شخص کا ذکر کر دیتے ہیں جس کے بارے میں کسی نے شافعی ہونا لکھا یا کہا ہو، یا اس کو شافعیہ میں داخل کرنا ممکن ہو، حتی کہ

انہوں نے امام بخاریؒ کو بھی اس بنیاد پر شافعی قرار دیا ہے کہ انہوں نے فقہ کا علم امام حمیدیؒ سے حاصل کیا ہے، اور حمیدیؒ فقہ میں امام شافعیؒ کے شاگرد ہیں۔ یہ استدلال کس قدر کمزور ہے!!

امہاتِ ستہ میں جامع ترمذی کا مقام

کتبِ ستہ میں سے صحیح بخاری وصحیح مسلم کے اصح ہونے پر امت کا اتفاق ہے، نیز نفسِ صحت کے پہلو سے جمہور امت صحیح بخاری کو صحیح مسلم پر مقدم کرتے ہیں، ان دونوں کے علاوہ اقوال مختلف ہیں، اس کی حقیقت محدثین کی ذکر کردہ ان شرائط کے بیان سے واضح ہوگی جس کا اربابِ کتبِ صحاح نے اعتبار کیا ہے، اور جن کا علم ان کتب کے استقرا، ان کے رجال کی تحقیق اور ائمہ صحاح کے ان کلمات سے ہوتا ہے جو ان کے مقاصد واغراض کی جانب مشیر ہیں، شروطِ ائمہ میں سب سے پہلے حافظ ابوعبداللہ بن مندہ رحمہ اللہ (متوفی ۳۹۵ھ) میں، پھر حافظ ابوالفضل محمد بن طاہر مقدسیؒ (متوفی ۵۰۷ھ) اور ان کے بعد حافظ ابوبکر حازمیؒ (متوفی ۵۸۵ھ) نے کتب تالیف کی ہیں، آخری دونوں کتابیں شیخ کوثریؒ کی عمدہ وخوبصورت تعلیقات کے ساتھ طبع ہوچکی ہیں، جو علامہ کوثریؒ کی دیگر تعلیقات کی مانند قیمتی اقتباسات پر مشتمل ہیں، آخری کتاب اپنے موضوع پر عمدہ ترین ہے اور بحث وتحقیق کے پہلو سے مکمل ہے۔

حازمیؒ نے اپنی ''شروط'' میں اور حافظ عسقلانی رحمہا اللہ نے ''الھدی الساری'' میں جو شرائط بیان کی ہیں ان کا خلاصہ یہ ہے کہ صحت حدیث کے لیے مسلمان، عاقل، صادق، تدلیس سے سالم ہونا اور روات کا عادل ہونا تمام ائمہ کے نزدیک شرط ہے، پھر راوی کا عنایتِ حدیث میں معروف ہونا، حفظِ حدیث وکتب کا سینہ درسینہ ہونا، امت کے درمیان متفقہ ہیں، البتہ تخریج احادیث کے استنباط کی کیفیت میں ان کے اسلوب مختلف ہیں، چنانچہ راویوں کے پانچ طبقے ہیں:

① حفظ واتقان میں کامل اور شیخ کے ساتھ طویل ملازمت بھی حاصل ہو۔

② اتقان میں پہلے طبقے سے کم ہوں اور ملازمت قلیل ہو۔

③ ملازمت میں پہلے طبقے کی مانند اور اتقان میں دوسرے طبقے جیسے ہوں۔

④ ملازمت میں پہلے طبقے سے کم تر اور اتقان میں دوسرے وتیسرے طبقے کے مانند ہوں۔

⑤ ضعفاء ومجہول راوی۔

پہلا طبقہ اصول میں امام بخاریؒ کی شرط ہے، متابعات وشواھد میں دوسرے طبقے سے لیتے ہیں، اور بہت کم تیسرے طبقے کی طرف آتے ہیں، دوسرا طبقہ امام مسلم کی شرط ہے، وہ اصول میں پہلے اور دوسرے طبقے سے برابر احادیث کی تخریج کرتے ہیں، متابعات وشواہد میں تیسرے طبقے کی جانب جاتے ہیں، جیسے امام بخاریؒ دوسرے طبقے کی طرف جاتے ہیں۔ تیسرا طبقہ امام نسائی اور امام ابوداؤد کی شرط ہے، وہ اصول میں پہلے تینوں طبقات سے احادیث کی تخریج کرتے ہیں، چوتھا طبقہ امام ترمذی کی شرط ہے، وہ چاروں طبقات سے برابر روایت کرتے ہیں۔

اس تفصیل کے مطابق بہر حال جامع ترمذی پانچویں درجے میں ہے، لیکن امام حازمی لکھتے ہیں: ''درحقیقت امام ترمذی کی شرائط امام ابوداؤد سے زیادہ کامل ہیں، اس لیے کہ حدیث ضعیف ہو تو امام ترمذیؒ اس پر سکوت نہیں فرماتے بلکہ ضعف پر تنبیہ کرتے ہیں، لہٰذا موضوع کے باب شواہد واعتماد میں امام ترمذی کی تخریج پانچوں ائمہ کی تخریج کی مانند ہوتی ہے۔

راقم عرض کرتا ہے: یہ امام ترمذیؒ کا خاص امتیاز ہے، لیکن امام ابوداؤد اپنی کتاب میں پہلے تین طبقات (کی روایات) پر اکتفا کرتے اور چوتھے طبقے سے اجتناب کرتے ہیں، اس لیے ان کی شرائط امام ترمذی کی شرائط سے زیادہ سخت اور قوی ہیں، نیز امام ابوداؤد نے صراحت کی ہے کہ ان کی کتاب کی کسی حدیث میں ضعف شدید ہو تو وہ اس کو بیان کرتے ہیں، جیسا کہ ''رسالة إلى أهل مكة'' میں ہے۔

علامہ ذہبیؒ لکھتے ہیں: ''مصلوب وکلبی اور ان جیسے راویوں کی احادیث لانے کی بنا پر جامع ترمذی کا درجہ سنن ابوداؤد وسنن نسائی سے کم تر ہے، امام سیوطی نے ''تدریب الراوی'' میں یہ قول نقل کیا ہے''۔

البتہ امام ابوداؤدؒ بھی چوتھے طبقے کے مشاہیر سے بھی روایت کرتے ہیں، گویا وہ چوتھے طبقے میں انتخاب کرتے ہیں، اگرچہ اضطرارا اور شواہد ومتابعات میں ہی سہی، بہر کیف یہ دونوں ائمہ کبھی کبھار چوتھے طبقے کی طرف جاتے ہیں، اتنا فرق ہے کہ امام ترمذیؒ سکوت نہیں فرماتے جب کہ امام ابوداؤد سکوت بھی کر جاتے ہیں، لیکن وہ انتخاب سے کام لیتے ہیں، چنانچہ انہوں نے اسحاق بن ابی فروہؒ وغیرہ کی احادیث نقل کر کے سکوت کیا ہے، بہرحال اس طبقے سے اخذ روایات میں دونوں برابر ہیں، لیکن ہر ایک کا اپنا نقطہ نظر ہے، اس پہلو کی تفصیل کے لیے ''شرح علل الترمذی'' میں ابن رجب حنبلیؒ کے کلام کی مراجعت کریں، علامہ کوثریؒ نے شروط حازمی میں اسے نقل کیا ہے۔

پانچویں طبقے سے ائمہ سنن محض بہت کم اور بطور استشہاد ہی روایات احادیث کی تخریج کرتے ہیں۔

جامع ترمذی کی روایت

مؤلف امام ترمذی رحمہ اللہ سے مشہور ترین روایت شیخ ابوعباس محمد بن احمد بن محبوب بن فضیل مروزی رحمہ اللہ سے ہے، اکثر اصحابِ اثبات انہی سے روایت کرتے ہیں، علامہ سیوطی رحمہ اللہ نے اپنی شرح میں حافظ ابوجعفر زبیدی سے نقل کیا ہے: ''ابوسعد، ہیثم بن کلیب شاشی، ابوذر محمد بن ابراہیم، ابومحمد حسن بن ابراہیم قطان، ابوحامد احمد بن عبداللہ تاجر اور ابوالحسن فزاری بھی امام مؤلف کے راویوں میں سے ہیں''۔

کتاب کا نام

گزشتہ بحث سے واضح ہوگیا کہ کتاب کا نام ''جامع الترمذی'' اور ''سنن الترمذی'' ہے، صحاح میں اس لیے شمار کی جاتی ہے کہ اس کی اکثر احادیث صحیح ہیں، مصنف رحمہ اللہ نے اگرچہ اس کو ''المسند الصحیح'' بھی کہا ہے (جیسا کہ ہم نے ابن نقطہؒ سے نقل کیا ہے) لیکن یہ نام مشہور نہیں ہوا، مذکورہ کیفیت وصورت حال سے واقفیت کے بعد محض ''صحیح الترمذی'' کہنا

مناسب نہیں، قدما میں سے امام حاکم اور خطیب رحمہا اللہ نے اسے ''صحیح الترمذی'' کے نام سے ذکر کیا ہے، بعض معاصرین نے یہی نام لیا ہے، علامہ سیوطی رحمہ اللہ ''تدریب'' (صفحہ ۴۵) میں لکھتے ہیں: ''جس نے بھی اس کتاب پر ''صحیح'' کا اطلاق کیا ہے اس نے تساہل برتا ہے''، مثلاً حافظ ابوطاہر سلفی، کتب خمسہ کے متعلق لکھتے ہیں: ''مشرق ومغرب کے علما کا ان کی صحت پر اتفاق ہے، حاکم نے ترمذی کو ''الجامع الصحیح'' اور خطیبؒ نے ترمذی ونسائی دونوں کو ''صحیح'' لکھا ہے''۔